اردو ترجمہ
الفقہ الاسلامی وأدلتہ
دور حاضر کے فقہی مسائل، ادلہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہا کی آراء
اور اہم فقہی نظریات پر مشتمل دور جدید کے عین تقاضوں کے مطابق مرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق وتخریج بھی شامل ہے
www.KitaboSunnat.com
مؤلف
الاستاذ الدکتور وهبة الزحیلی
رکن مجمع الفقہ الاسلامی
دار الاشاعت
اردو بازار کراچی پاکستان

اُردو ترجمہ

اَلفِقہُ الاِسلامی وَاَدِلَّتُہُ

دورِ حاضر کے فقہی مسائل، ادلہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہا کی آراء
اور اہم فقہی نظریات پر مشتمل دورِ جدید کے عین تقاضوں کے مطابق مُرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق و تخریج بھی شامل ہے

حصہ چہارم

باب الأیمان والنذور والکفّارات

مؤلف

الاستاذ الدکتور وھبۃ الزحیلی رکن مجمع الفقہ الاسلامی

مُترجم

مفتی ابرار حسین صاحب

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

اصطلاحات

چھٹا باب

یمین.....قسم اٹھانا۔حلف کا معنی بھی قسم ہے۔

حالف.....حلف اٹھانے والا۔

محلوف علیہ.....وہ کام جس پر قسم اٹھائی جائے۔

محلوف بہ.....وہ چیز جس کی قسم اٹھائی جائے۔

ساتواں باب

نذر.....منت ماننا۔

منذور.....جس چیز کی منت مانی جائے۔

وشم.....تل بنانا۔

نمص.....چہرے کے بال اکھاڑنا یا بھنویں تراشنا۔

تفلیج.....دانتوں میں درج بنانا۔

آٹھواں باب

اضحیہ.....قربانی۔

مضحی بہ.....وہ جانور جس کی قربانی کی جائے۔

مضحی.....قربانی کرنے والا۔

نواں باب

ذابح.....جانور ذبح کرنے والا۔

مذبوح.....وہ جانور جسے ذبح کیا جاتا ہے۔

ذکاۃ.....شرعی طریقہ کے مطابق جانور کو ذبح کرنا۔

جنین.....ذبح کیے ہوئے جانور کے پیٹ میں پڑا بچہ۔

صید.....شکار۔

اصطیاد.....شکار کرنے کا فعل۔

صیاد.....شکاری۔

مصید.....شکار کیا گیا جانور۔

کلب معلم.....سدھایا ہوا کتا۔

نظریہ.....ایسی سوچ جو کسی فکر کے تحت ہو۔

عقد.....کسی تصرف کے سلسلہ میں ایجاب وقبول کو ایک دوسرے سے مربوط کرنا۔

حق.....صاحب حق کو شریعت کی طرف سے دوسرے پر جو اختیار حاصل ہوتا ہے اسی اختصاصی کیفیت کو حق کہا جاتا ہے۔

مال مثلی.....ایسا مال جس کی مثل مارکیٹ میں دستیاب ہو جیسے گندم۔

مال قیمتی.....ایسا مال جس کی مثل بازار میں دستیاب نہ ہو جیسے جانور اور اس کی قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہو۔

ملکیت.....کسی چیز کا اس طرح مالک ہونا کہ اس میں تصرف کا اختیار حاصل ہو۔

ایجاب.....کسی عقد کی پیشکش

قبول.....عقد کی پیشکش کو قبول کرنا۔

مجلس عقد.....دو اشخاص جس کیفیت، حالت اور جگہ عقد طے کر رہے ہوں وہ ان کی مجلسِ عقد ہے۔

ولی.....سرپرست۔

خیار.....معاملہ کے دو فریق سے ایک یا دونوں کے لئے معاملہ کو باقی رکھنے یا حکم کر دینے کی گنجائش کا حاصل ہونا۔ دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا، آپشن۔

فسخ.....معاملہ کو ختم کرنا۔

چھٹا باب.....قسموں، نذروں اور کفاروں کے بیان میں

ایمان اور نذور کالفظ لغت اور فقہ کا اعتبار سے ''عقد'' اور پختہ عزم کرنے کے معنی میں آتا ہے کیونکہ قسمیں ہی ہیں جن کو قسم اٹھانے والا اپنے ذاتی ارادے سے کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کے پختہ ارادے سے منعقد کرتا ہے۔اور ''نذور'' وہ ہیں جن سے نذر ماننے والا شخص متعین ہدف تک پہنچنے کو لازم کرتا ہے اور ''کفارہ'' لازم کئے ہوئے معاملہ کے پورا نہ کرنے کی جزا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ قسم، نذر اور کفارہ میں بندگی، عظمت اور فرمانبرداری کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد پایا جاتا ہے۔

میں قسموں کی بحث سے شروع کروں گا ان کی اہمیت، عظمت اور لوگوں کے درمیان کثرت سے پائے جانے کی وجہ سے اور نذر اور کفارہ کی نسبت سے اصل ہونے کے اعتبار سے، قسموں کا بیان تین فصلوں میں ہوگا۔

پہلی فصل.....الأیمان

ایمان سے متعلق گفتگو آنے والی چار بحثوں پر مشتمل ہے۔

پہلی بحث.....قسم کی تعریف، اس کی مشروعیت، قسمیں اور ہر قسم کا حکم۔

دوسری بحث.....قسم کے صیغہ کی۔

تیسری بحث.....قسم کی شرائط کی۔

چوتھی بحث.....ان افعال کی جن پر قسم اٹھائی جاتی ہے اور اس میں گیارہ مطلب (مقصد، مسئلے) ہیں۔

پہلا مسئلہ.....داخل ہونے پر قسم اٹھانا۔

دوسرا مسئلہ.....نکلنے پر قسم اٹھانا۔

تیسرا مسئلہ.....گفتگو پر قسم اٹھانا۔

چوتھا مسئلہ.....کھانے پینے پر قسم اٹھانا۔

پانچواں مسئلہ.....پہننے اور پہنانے پر قسم اٹھانا۔

چھٹا مسئلہ.....سوار ہونے پر قسم اٹھانا۔

ساتواں مسئلہ.....بیٹھنے پر قسم اٹھانا۔

آٹھواں مسئلہ.....رہائش پر قسم اٹھانا۔

نواں مسئلہ.....مارنے اور قتل کرنے پر قسم اٹھانا۔

دسواں مسئلہ...... قسم اٹھانے والے کے غیر کی طرف منسوب چیز پر قسم اٹھانا۔

گیا ہواں مسئلہ...... شرعی امور پر قسم اٹھانا۔

پہلی بحث...... قسم کی تعریف، اس کی مشروعیت، قسمیں اور ہر قسم کا حکم۔

قسم کی تعریف...... یمین کے لغت میں تین معانی ہیں: پہلا: ''قوۃ'' اسی سے ارشاد باری ہے:

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿٤٥﴾

''ہم اس کو قوت سے پکڑ لیتے۔'' سورۃ الحاقۃ ۶۹ / ۴۵

دوسرا معنی: ''دایاں ہاتھ''...... دائیں ہاتھ کو یمین اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں بھی قوت زیادہ ہے۔ تیسرا معنی ''قسم'' ہے لفظ ''یمین''، قسم کے لئے اس وجہ سے بولا جاتا ہے کہ لوگ جب باہم قسمیں اٹھاتے تو ہر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتا تھا۔ فقہاء کرام کی اصطلاح میں ''یمین''، جس طرح کہ احناف فرماتے ہیں:

''کلام کی ایسی پختگی جس کے ذریعے قسم اٹھانے والا کام کرنے یا نہ کرنے کا پکا ارادہ کرتا ہے۔'' اس پختہ کلام کو یمین کہتے ہیں، کیونکہ اس سے عزم میں قوت آجاتی ہے۔

قسم کی مشروعیت...... قسم مشروع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود قسم اٹھائی اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم کا حکم دیا ہے جیسے فرمایا: قسم ہے رات کی جب چھا جائے۔ الیل ۹۲ / ۱)

وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا ﴿١﴾

قسم ہے سورج اور اس کی دھوپ چڑھنے کی روشنی کی۔ الشمس: ۹۱ / ۱

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿١﴾

قسم ہے ستارے کی جب وہ گر جائے۔ النجم ۵۳ / ۱

وَالتِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ ﴿١﴾

قسم ہے انجیر اور زیتون کی۔ التین ۹۵ / ۱

یعنی ان چیزوں کے رب کی قسم ہے یہاں پر جس ذات کی قسم اٹھائی جا رہی ہے وہ محذوف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین جگہوں پر قسم کا حکم دیا گیا: اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات سچ ہے فرما دیجئے البتہ میرے رب کی قسم یہ سچ ہے اور تم تھکا نہ سکو گے۔ یونس ۱۰ / ۵۳

اور فرمایا: فرما دیجئے: کیوں نہیں! میرے رب کی قسم قیامت تم پر ضرور آئے گی۔ سبا ۳۴ / ۳

اور اللہ غالب و برتر نے فرمایا: فرما دیجئے: کیوں نہیں میرے رب کی قسم تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا۔ (التغابن ۶۴ / ۷)

حدیث پاک میں قسم کا مشروع ہونا ثابت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (میں اللہ کی قسم اگر اللہ نے چاہا تو کسی چیز پر اگر قسم اٹھالوں اور پھر بہتری اس کے علاوہ میں دیکھوں اور بہتر کام انجام دوں گا اور قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔

... قسم اٹھانے والا قسم، منت اور طلاق سے رجوع نہیں کر سکتا یہ چیزیں صرف لفظ بولنے سے لازم ہو جائیں گی۔

قسم اگرچہ فقہاء کرام کے نزدیک اصل میں مباح ہے لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ قسم اٹھانے کی کثرت ناپسند ہے، کیونکہ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا:(آپ ہر زیادہ قسم اٹھانے والے ذلیل کی بات نہ مانیے)۔(القلم ۶۸ / ۱۰)اس کی مذمت اس کے فعل کی ناپسندیدگی کا تقاضا کرتی ہے۔اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

"میں نے اللہ کی قسم نہیں اٹھائی نہ سچی نہ جھوٹی" اور یہ بات ثابت ہے کہ قسم ناپسندیدہ ہے کیونکہ اس کو منع کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے:

تم اللہ کو اپنی قسموں کا ہدف نہ بناؤ۔البقرہ ۲ / ۲۲۴

یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کی کثرت سے قسم نہ اٹھاؤ، کیونکہ بسا اوقات قسم اٹھانے والا قسم کو پورا کرنے سے عاجز ہوجاتا ہے، ہاں اگر قسم بندگی، عبادت میں ہو مثلاً کسی واجب یا مستحب کا کرنا یا حرام ومکروہ کا چھوڑنا تو اس صورت میں قسم اٹھانا بھی فرمانبرداری ہوگی۔

اس اعتبار سے یہ بات خلاف ادب ہے کہ دوسروں کو متاثر کرنے، سامان تجارت بیچنے اور معاملات میں ترغیب دینے کے لئے قسم استعمال کی جائے، بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: قسم اٹھانا سامان تجارت اور برکت کو ختم کرتا ہے۔

حضرات مالکیہ نے ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ قسم مکروہ ہے اور ایک قول یہ کہ حرام ہے۔

اور لات وعزیٰ وغیرہ کی قسم اگر ان کی تعظیم کے عقیدہ کے ساتھ ہو تو کفر ہے اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو صرف مکروہ ہے اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ قسموں کی پانچ قسمیں ہیں۔

۱: **پہلی قسم**......واجب ہے......جس کے ذریعے کسی معصوم انسان کو ہلاکت سے بچائے۔

۲: **دوسری قسم**......مستحب ہے......جس کے ساتھ دو مخالفوں کی اصلاح وغیرہ کی مصلحت متعلق ہو یا قسم اٹھانے والے کے متعلق کسی مسلم کے دل سے حسد کو زائل کیا جائے یا اس کے ذریعے شر سے بچا جائے۔

۳: **تیسری قسم**......مباح ہے......مثلاً کسی مباح کام کے کرنے پر یا چھوڑنے پر قسم اٹھانا یا کسی چیز کی خبر دینے پر قسم اٹھانا جس میں وہ شخص سچا ہو یا اس کا گمان ہو کہ وہ سچا ہے۔

۴: **چوتھی قسم**......مکروہ ہے......کسی مکروہ کام کے کرنے یا مستحب کے چھوڑنے پر قسم اٹھانا۔

۵: **پانچویں قسم**......حرام ہے......وہ جھوٹی قسم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی ہے اپنے اس فرمان سے:(وہ جھوٹ پر قسم اٹھاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں)۔(المجادلۃ ۵۸ / ۱۴)اور اس لئے بھی کہ جھوٹ حرام ہے۔

قسم کی اقسام......اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ قسم کی تین قسمیں ہیں:

یمین منعقدہ، یمین الغموس، یمین اللغو، امام محمد رحمہ اللہ علیہ نے کتاب (الاصل) میں فرمایا: "قسمیں تین ہیں:

(۱)......وہ قسم جس کا کفارہ دیا جائے گا۔

(۲)......وہ قسم جس کا کفارہ نہیں دیا جاتا اور وہ قسم جس میں ہمیں امید ہے کہ اس کے اٹھانے والے سے اللہ تعالیٰ پکڑ و مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔اور تیسری قسم کی تفسیر "لغو" سے کی ہے۔[1]

یمین غموس......حنفیہ اور مالکیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: ماضی یا حال میں کسی کام پر جھوٹی قسم جان بوجھ کر اٹھانا، وہ قسم جو گذشتہ یا موجودہ معاملہ پر کھائی جائے جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہوئے کسی چیز کی نفی یا اثبات میں۔ مثلاً قسم اٹھانے والا کہے: "اللہ کی قسم میں اس

[1]......البدائع: ۳ / ۲

گھر میں داخل ہوا" حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس میں داخل نہیں ہوا۔ یا وہ کسی سے کہے: "اللہ کی قسم وہ خالد ہے" حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ عامر ہے۔ اسی طرح اور مثالیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک جن میں حنفی مالکی اور راجح قول حنابلہ کا بھی یہی ہے ❶ کہ قسم اٹھانے والا گنہگار ہوگا اس پر توبہ اور استغفار لازم ہے اور اس پر مالی کفارہ نہیں ہے۔ اس پر انہوں نے استدلال کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے: جس نے قسم اٹھائی اور وہ اس میں جھوٹا ہے، تا کہ اس قسم کے ذریعے کسی مسلمان آدمی کا مال کھائے ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی اور اسے جہنم میں داخل کر دیا ❷ اور صحیحین میں ہے" کہ وہ شخص اللہ سے ملے گا اس حال میں کہ اس پر غصہ ہوں گے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" ہم وہ قسم جس میں کفارہ نہیں اس میں یمین غموس کو شمار کرتے تھے، سعید بن المسیب رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا: یمین غموس کبیرہ گناہوں میں ہے اور وہ اس بات سے بالاتر ہے کہ اس کا کفارہ دیا جا سکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے: آپ نے فرمایا: کبائر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی، ناحق قتل اور یمین غموس ہے۔ ❸ عقلی دلیل سے ان حضرات کی تائید ہوتی ہے کہ جس بات کا ارتکاب قسم اٹھانے والے نے کیا ہے وہ اس سے بڑی ہے کہ اس کا کفارہ ہو لہٰذا کفارہ اس کا گناہ نہیں اٹھا سکتا اور کفارہ اس میں مشروع نہیں۔ اس کا نام غموس اس لئے رکھا گیا، کہ اس قسم والا گناہ یا آگ میں ڈوب جاتا ہے۔

شافعی حضرات اور ایک جماعت فرماتی ہے کہ یمین غموس میں کفارہ ہے یعنی کفارہ گناہ کو ختم کر دے گا جس طرح غموس کے علاوہ میں ہوتا ہے کیونکہ قسم اٹھانے والے سے قسم اور اس کی مخالفت پائی گئی ہے ارادہ کے ساتھ۔ لہٰذا کفارہ لازم ہوگا جس طرح یمین منعقدہ میں آئندہ کے معاملہ پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں میں لغو کا مؤاخذہ تم سے نہیں فرمائیں گے لیکن ان قسموں کا مواخذہ فرمائیں گے جو قسمیں تم نے مضبوط باندھیں۔ المائدہ ۵/ ۸۹

یہ نص عام ہے ماضی اور مستقبل میں ہر قسم کو شامل ہے پس یہ آیت یمین غموس میں کفارہ واجب کرنے والی ہے کیونکہ یہ بھی" ایمان منعقدہ" میں سے ہے اور اس قسم میں گناہ کا ہونا کفارہ سے مانع نہیں ہے جس طرح ظہار ناپسندیدہ اور جھوٹی بات ہے لیکن اس کے ساتھ کفارہ متعلق ہے۔

الیمین اللغو......اس کی مراد متعین کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور نے فرمایا: کہ یمین لغو وہ ہے کہ انسان ماضی یا حال کی خبر اس گمان کے ساتھ دے کہ جس کی خبر دی گئی ہے وہ ایسا ہی ہے لیکن وہ اس کے برخلاف ہو نفی یا اثبات میں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ کسی چیز پر قسم اٹھائے سچ سمجھ کر لیکن وہ معاملہ ایسا نہ ہو۔ مثلاً قسم اٹھانے والا یوں کہے اللہ کی قسم میں نے زید سے بات نہیں کی اور اس کا خیال یہی ہے کہ اس نے بات زید سے نہیں کی یا وہ کہے کہ اللہ کی قسم میں نے زید سے بات کی ہے اور اس کا خیال ہے کہ زید سے بات کی ہے جبکہ معاملہ اس کا برعکس ہو۔ یا وہ کہے اللہ کی قسم یہ پرندہ کوا ہے اور اس کا خیال بھی یہی ہے لیکن پھر پتہ چلا کہ وہ پرندہ کبوتر وغیرہ تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ یمین لغو وہ ہے جس میں نیت نہ ہو۔

یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ یمین لغو وہ ہے جس میں کوئی لفظ سبقت لسانی سے ادا ہو جائے اور اس میں معنی کا ارادہ نہ ہو یا وہ کسی چیز پر قسم اٹھانا چاہتا تھا لیکن زبان سے دوسرے الفاظ ادا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلیل ہے: (اللہ تعالیٰ تم کو نہیں پکڑتے تمہاری بیہودہ قسموں میں لیکن تمہارا مواخذہ فرماتے ہیں جن قسموں کو تم نے مضبوط باندھا)۔ المائدہ ۵/ ۸۹

❶......مغنی المحتاج: ۴ ص ۳۲۵، المهذب للشیرازی: ۲ ص ۱۲۸۔ ❷......المراجع السابقة: البدائع: ص ۳ ص ۱۷ الفتاویٰ الهندية ص ۴۹ بداية المجتهد ص ۳۹۵، المغنی: ص ۶۸۸، القوانين الفقهية: ص ۱۵۹۔ ❸......مغنی المحتاج، المراجع السابق: ص ۳۲۴، المهذب، المراجع السابق۔

ابن عمر، ابن عباس وعائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے انہوں نے یمین لغو کے بارے میں فرمایا کہ انسان کا قول: (نہیں، اللہ کی قسم) (کیونکہ نہیں، اللہ کی قسم) ❶ اور جس کی طرف سبقت لسانی ہو جائے اس پر مواخذہ نہیں کیا جاتا جس طرح انسان کی زبان کفر کے کلمہ کی طرف سبقت کر جائے۔ فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ یمین لغو میں کفارہ نہیں، فرمان الٰہی کی وجہ سے (اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں میں تمہارا مواخذہ نہیں فرمائیں گے)۔المائدہ ۸۹/۵

اور اس لئے کہ یہ قسم غیر منعقدہ ہے لہٰذا اس میں کفارہ واجب نہیں اور اس لئے بھی کہ اس میں مخالفت کا ارادہ نہیں کیا جاتا پس یہ اس کے مشابہ ہوگیا کہ انسان بھول کر قسم توڑ دے۔ ❷ شافعی حضرات کا خیال ہے کہ یمین لغو ماضی، حال اور مستقبل تینوں زبانوں میں ہو سکتی ہے کیونکہ وہ دلیلیں جو انہوں نے ذکر کی ہیں ان میں زمانوں کا کوئی فرق نہیں لہٰذا جو قسم ہو وہ ''منعقدہ'' ہوگی۔ اور اس میں کفارہ واجب ہے جب قسم اٹھانے والا توڑ دے۔ چاہے اس نے قسم کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ یمین لغو صرف ماضی اور حال میں ہوگی۔ ❸ فرمان الٰہی کی وجہ سے لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ (المائدہ ۸۹/۵) لغو لغت میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کی حقیقت نہ ہو بلکہ صرف قسم اٹھانے والے کا یہ گمان ہے کہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے قسم اٹھائی اور حقیقت اس کے خلاف ہو اسی طرح قسم ماضی یا حال پر اٹھانا تو اس کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اس میں قسم کا ارادہ نہیں ہوتا بلکہ کسی چیز سے منع کرنا یا اس پر ابھارنا مقصود ہوتا ہے لہٰذا لغو ہوگی۔ رہی قسم آئندہ پر تو وہ منعقدہ ہے جیسا کہ یمین معقودہ کے بیان میں یہ بات عنقریب آئے گی۔

یمین منعقدہ...... اسے منعقدہ اور موکدہ بھی کہا جاتا ہے۔ انسان مستقبل کے کسی معاملہ پر قسم اٹھائے کہ یہ کام کرے گا یا نہیں کرے گا اس قسم کا حکم یہ ہے کہ توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہے ❹ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ المائدہ ۸۹/۵

اس سے یمین آئندہ زمانے کے معاملہ پر مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی دلیل کی وجہ سے: اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔

توڑنے سے حفاظت صرف آئندہ زمانے میں ہی متصور ہو سکتی ہے اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو۔ النحل ۹۱/۱۶

توڑنا صرف مستقبل میں ہی ہو سکتا ہے۔ ❺

اس قسم میں کفارہ کا واجب ہونا قسم توڑنے کے بعد اتفاقی مسئلہ ہے۔ چاہے قسم کسی واجب کام کے کرنے پر ہو واجب چھوڑنے پر یا گناہ کرنے پر یا مستحب چھوڑنے یا مباح چھوڑنے یا کرنے پر ہو۔ اگر قسم کسی واجب کے کرنے پر ہو مثلاً وہ کہے: ''اللہ کی قسم میں آج ظہر کی نماز ضرور پڑھوں گا یا میں رمضان کے روزے رکھوں گا'' تو اس پر اس قسم کا پورا کرنا لازم ہے اس کے لئے اس سے رکنا درست نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی تو اسے چاہئے کہ وہ اطاعت کرے۔ ❻ اگر وہ قسم پوری نہ کرے تو گنہگار ہوگا اور قسم

---

❶...... روى خبر عائشة رضى الله تعالىٰ عنها البخارى رحمه الله والشافعى رحمه الله ومالك رحمه الله موقوفاً وصحح ابن حبان ورفعه ورواه ابوداؤد مرفوعاً وأخرجه البيهقى ايضاً ونقله ابن المنذر رحمه الله عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما وابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما وغيرهما من الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم وجماعة من التابعين رحمهم الله (راجع جامع الاصول: ۱۲ ص ۳۰۷ نيل الاوطار: ۸ص ۲۳۵ وما بعدهما، سبل السلام: ۴ص ۱۰۷) ❷ المغنى: ۸ ص ۶۸۷ وما بعدها، البدائع: ۳ص ۱۷، القوانين الفقهية: ص ۱۵۹۔ ❸ البدائع: ۳ ص ۳۔ ❹ الحنث: کے معنی گناہ کے ہیں باب سمع يسمع سے ہے۔ ❺ المبسوط: ۸ ص ۱۲۷، فتح القدير، ۴ص ۵، تبيين الحقائق: ۳ ص ۱۰۹، البدائع ۳ ص ۱۷، المغنى: ۶۸۳/۸، ۶۸۹۔ ❻ رواه البخارى واحمد واصحاب السنن الاربعة عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها۔ اور حدیث کا تتمہ یہ ہے: ''جس نے اللہ کی معصیت کی نذر مانی تو وہ معصیت نہ کرے'' (راجع نصب الرايه: ۳ ص ۳۰۰ نيل الاوطار: ۸ ص ۲۴۰)

ٹوٹ جائے گی۔ ❶ اوراس پر کفارہ لازم ہوگا۔ ❷ اگر قسم واجب کے چھوڑنے یا گناہ کے کرنے پر تھی جیسا کہ وہ کہے: ''اللہ کی قسم میں فرض نماز نہیں پڑھوں گا یا میں رمضان کے روزے نہیں رکھوں گا''۔ ''یا کہا کہ میں ضرور شراب پیوں گا'' یا میں فلاں کو قتل کروں گا یا اپنے والد سے بات نہیں کروں گا اسی طرح اور کوئی لفظ کہے تو اس پر اسی وقت توبہ واستغفار لازم ہے پھر اس پر کفارہ مالی اور قسم کا توڑنا بھی لازم ہے اس لئے کہ اس قسم کا منعقد کرنا گناہ ہے۔ ❸ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس نے قسم کسی چیز پر اٹھائی اور پھر اس کے علاوہ میں بہتری دیکھی تو بہتر کام کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے ❹ اگر قسم مستحب کے چھوڑنے پر ہے مثلاً اللہ کی قسم میں نفل نہیں پڑھوں گا، میں نفل روزے نہیں رکھوں گا، میں بیمار کی عیادت نہیں کروں گا، میں کسی جنازے کے ساتھ نہیں جاؤں گا، تو اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ ناپسندیدہ کام نہ کرے بلکہ مستحب کام انجام دے یعنی قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے پچھلی حدیث کی وجہ سے من حلف علی یمین..... اور فرمان الٰہی کی وجہ سے: (وسعت اور فضل والے قسم نہ اٹھائیں ❺۔ النور ۲۴/ ۲۲

یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے قسم اٹھائی تھی کہ مسطح کی کفالت نہیں کریں گے کیونکہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان تراشی والے واقعہ میں شریک تھا۔ ❻

اگر قسم کسی مباح کے چھوڑنے یا کرنے پر ہو جیسے گھر میں داخل ہونا، کھانا کھانا، کپڑے پہننے وغیرہ تو افضل یہ ہے کہ قسم پوری کرے اور نہ توڑے کیونکہ قسم پوری کرنے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تم اپنی قسموں کو پختہ ہونے کے بعد نہ توڑو (النحل ۱۶/ ۹۱) اوراس کے لئے قسم کا توڑنا اور اس کا کفارہ دینا بھی جائز ہے۔ ❼

بھولنے اور زبردستی قسم تڑوانے کی صورت میں حکم: حنفی اور مالکی حضرات کے نزدیک یمین منعقدہ میں کفارہ لازم ہے قسم توڑنے والا جان بوجھ کر توڑے یا بھول کر یا خطاءً یا سویا ہوا یا بے ہوشی میں یا جنون میں یا زبردستی تڑوائی جائے ❽ کیونکہ قرآنی آیت لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ (المائدہ ۸۹) نے بھولنے اور جان بوجھ کر توڑنے وغیرہ کے بارے میں کوئی فرق نہیں کیا۔ اور اس لئے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: تین چیزوں کی سنجیدگی تو سنجیدگی ہے ان کا مذاق بھی سنجیدگی ہے نکاح، طلاق اور قسم۔ ❾ پس جس نے آزادی یا طلاق کی قسم اٹھائی کہ وہ ایسا نہیں کرے گا پھر اس نے بھول کر ایسا کیا تو وہ حانث ہوجائے گا کیونکہ اس کے ساتھ آدمی کا حق متعلق ہے لہٰذا بھول کے باوجود حکم متعلق ہوگا جس طرح بھول کر کسی کا مال تلف کر دینا۔

---

❶...... ''بر'' کا معنی قسم کی موافقت اور حنث کا معنی قسم کی مخالفت ہے اور بر مالکیہ کے نزدیک کامل وجوہ کے بعد ہوگا اور حنث اقل وجوہ سے بھی ہو جائے گا۔ پس جس نے قسم اٹھائی چپاتی کھانے کی تو قسم پوری تب ہوگی جب ساری کھائے اور اگر قسم اٹھائے چپاتی نہ کھانے کی تو کچھ حصہ کھانے سے حانث ہوجائے گا۔ (القوانین الفقہیۃ: ص ۱۶۱) اور حنفی فرماتے ہیں بر اور حنث جس پر قسم اٹھائی ہے اس کو مکمل کرنے سے ہی ہوں گے (البدائع ۳ ص ۱۲، مختصر الطحاوی ص ۳۰۸) ❷ البدائع۔ المرجع السابق، المغنی: ۸ ص ۶۸۲۔ ❸ البدائع: المرجع نفسہ، مغنی المحتاج: ۴ ص ۳۲۵، المغنی ۸ ص ۶۸۲۔ ❹ رواہ احمد فی مسندہ ومسلم والترمذی وصححه عن ابی هريرة رضی الله عنه ورواہ اصحاب الكتب السته الا ابن ماجة عن عبدالرحمن بن سمرة ورواہ احمد ومسلم والنسائی وابن ماجه عن عدی بن حاتم وروا عن غير هو لاء ايضاً (راجع جامع الاصول ۱۲ ص ۳۰۰ مجمع الزوائد ۴ ص ۱۸۳ نصب الرايه: ۳ ص ۲۹۶، نيل الاوطار ۸ ص ۲۳۷، سبل السلام ۴ ص ۱۰۳) ❺ ای لايحلف وقيل المراد لايمتنع۔ ❻ البدائع: ۳ ص ۱۶، مغنی المحتاج ۴ ص ۳۲۶، المغنی ۸ ص ۶۸۱ ومابعدها۔ ❼ المراجع السابقة (القوانين الفقهية: ص ۱۶۰) ❽ البدائع: ۳ ص ۱۷، تبيين الحقائق ۳ ص ۱۰۹ بداية المجتهد ۲ ص ۴۰۲ القوانين الفقهية ص ۱۶۱، فتح القدير ۴ ص ۶۔ الفتاوی الهنديه ۲ ص ۴۹ الدر المختار ۳ ص ۵۳ المغنی ۸ ص ۲۶۔ الشرح الكبير ۲ ص ۱۴۲۔ ❾ حدیث میں یمین کا لفظ نہیں بلکہ رجعت کا لفظ ہے یہ تبدیلی فقہاء نے کی ہے۔ اخرجه ابوداؤد وابن ماجه والترمذی والحاكم فی المستدرک والدارقطنی والبيهقی۔ (راجع نصب الرايه ۳ ص ۲۹۳ ومابعدها)

شافعی اور حنبلی حضرات فرماتے ہیں: ❶ غیر مکلّف پر کفارہ بھی نہیں اور اس کی قسم ٹوٹنا بھی غیر معتبر ہے۔ جیسا کہ بچہ، پاگل اور سویا ہوا آدمی ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تین آدمیوں سے قلم اٹھا دیا گیا ہے بچے سے بالغ ہونے تک، سوئے ہوئے سے بیدار ہونے تک اور پاگل سے جب تک اس کے ہوش وحواس درست نہ ہو جائیں۔ ❷ اسی طرح بے ہوش پر بھی کفارہ نہیں نیز وہ نشئی جو اپنے نشہ سے تعدی نہیں کرتا اور بھولنے والا بھی، کیونکہ یہ ان تین کے حکم میں ہیں لہٰذا ان کی قسم منعقد نہیں ہوتی۔ اسی طرح جس پر جبر کیا جائے اس کی بھی قسم منعقد نہیں ہوتی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ❸ جس پر جبر کیا جائے اس پر یمین نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے "میری امت سے خطاء اور بھول اٹھا دی گئی ہے اور جس چیز پر ان کو مجبور کیا (وہ بھی اٹھائی گئی ہے)۔ ❹

قسم کے منعقد ہونے کی شرطیں:

قسم کے منعقد ہونے کے لئے آنے والی عام شرطیں ہیں:

(۱)...... قسم اٹھانے والا عقلمند اور بالغ ہو لہٰذا بچے اور پاگل کی قسم معتبر نہیں کیونکہ ان سے مواخذہ اور پکڑ کو اٹھا لیا گیا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں سے قلم اٹھا دیا گیا: سوئے ہوئے سے بیدار ہونے تک بچے سے بالغ ہونے تک اور پاگل سے عقل آنے تک۔

(۲)...... قسم "لغو" نہ ہو یعنی جو قسم لوگوں کی زبان پر ارادے کے بغیر ہی جاری ہوتی ہے جیسا کہ گزر چکا۔ مثلاً وہ یوں کہیں: "کیوں نہیں! اللہ کی قسم نہیں، اللہ کی قسم۔

(۳)...... قسم اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہو مثلاً: میں اللہ کے نام کی قسم اٹھاتا ہوں۔ یا اللہ کے اسماء کی ہو مثلاً میں "رحمٰن" یا "رب العالمین" کی قسم اٹھاتا ہوں۔ یا اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ قسم ہو مثلاً میں اللہ تعالیٰ کے علم، اس کے ارادے اس کی قدرت، اس کی عزت کی قسم اٹھاتا ہوں۔

اب میں بعض اختلافی اور اتفاقی شرائط کا ذکر کروں گا ان کا ذکر آگے آئے گا۔

---

❶...... المهذب للشيرازي ۲ ص ۱۲۸، حاشية الباجوري على متن ابي شجاع ۲ ص ۳۲۳ المغني ۸ ص ۶۷۶، ۶۸۴ ومابعدها۔ ❷ رواه احمد وابو داؤد والنسائي وابن ماجة وصححه الحاكم واخرجه ابن حبان عن عائشة رضي الله تعالى عنها ورواه بعضهم عن علي وعمرو ابن عباس وابي هريره وغيرهم رضي الله تعالى عنهم راجع مجمع الزوائد ۶ ص ۲۵۱، سبل السلام ۳ ص ۱۸۰ وله الفاظ "منها لفظ رواية عائشة رضي الله عنها رفع القلم عن ثلثة: عن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يكبر وعن المجنون حتى يعقل اويفيق" ❸ اخرجه الدارقطني عن واثلة بن الاسقع وابي امامه ثم قال: عنسبه۔ احد رجال الذي ضعيف قال في التنقيح حدیث منکر بل موضوع اور اس میں ایسے لوگ بھی ہیں جن سے استدلال درست نہیں۔ راجع نصب الرایہ ۳ ص ۲۹۴۔ ❹ رواه الطبراني في الكبير عن ثوبان ورواه ايضاً عن ابي الدرداء واخرجه ابن ماجة وابن حبان والحاكم عن ابن عباس مرفوعاً ورواه ابن ماجه ايضاً عن ابي ذر ورواه ابونعيم في الحلية عن ابن عمر وكل هذه الروايات بلفظ ان الله وضع عن امتي الخطاء والنسيان وما استكرهوا عليه الا حديث ابي الدرداء وثوبان فهو بلفظ "ان الله تجاوز عن امتي ثلاثة الخطاء والنسيان وما اكرهوا عليه"، "لكن ابن عدي في الكامل رواه عن ابي بكره بلفظ رفع الله عن هذه الامة ثلاثا الخطاء والنسيان وما يكرهون عليه ورواه الطبراني في الاوسط عن عقبة بن عامر رضي الله تعالى عنه بلفظ وضع عن امتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه" وفيه ابن لهيعة وحديثه حسن وفيه ضعف وهكذا يظهران لفظ "رفع عن امتي......" ليس موجوداً وان كان الفقهاء لايذكرونه الا بهذا اللفظ (راجع نصب الراية ۲ ص ۶۲ التلخيص الحبير: ۱ ص ۱۰۹ مجمع الزوائد: ۶ ص ۲۵۰)۔

یمینِ منعقدہ کی قسمیں...... قسم کے منعقد ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جس کام پر قسم اٹھائی جارہی ہے قسم کے وقت اس کے وجود کا ہونا ممکن ہو اور قسم کے باقی رہنے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ کام قسم کے بعد بھی متصور الوجود ہو حقیقت میں، اس بنیاد پر حنفی کے نزدیک یمین منعقدہ کی کئی قسمیں ہوگئیں۔

پہلی قسم...... قسم ایسے کام پر ہو جس کا وجود عادۃً ممکن ہو۔

دوسری قسم...... قسم ایسے کام پر ہو جو بالکل ممکن ہی نہیں۔

تیسری قسم...... قسم ایسے معاملے پر جو اصل کے اعتبار سے ممکن تو ہو لیکن عادۃً پایا نہ جاتا ہو۔

پہلی قسم:...... قسم عادۃً متصور معاملہ پر اٹھائی جائے: جب محلوف علیہ ایسی چیز ہو جس کا پایا جانا ممکن ہو تو قسم یا اثبات کے اعتبار سے ہوگی یا سلب کے اعتبار سے۔ اگر قسم اثبات کی صورت میں ہو تو اثبات مطلق عن الوقت ہوگا یا وقت کے ساتھ مقید ہوگا۔

(الف)...... اگر قسم اثبات میں وقت سے مطلق ہو مثلاً ''اللہ کی قسم میں یہ چپاتی کھاؤں گا یا گھر میں ضرور داخل ہوں گا یا دمشق آؤں گا'' تو جب تک حالف ومحلوف موجود رہیں تو قسم باقی ہے ٹوٹے گی نہیں کیونکہ ٹوٹنا تو اس وقت ہوگا جب قسم پوری نہ کی جائے اور اس حالت میں قسم کا پورا کرنا ممکن ہے وہ اس طرح کہ اس کام کو زندگی میں ایک مرتبہ کرلیا جائے۔ اگر حالف یا محلوف علیہ میں سے کوئی ایک چیز ہلاک ہوجائے تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ قسم پوری کرنے سے عاجز ہونا پایا گیا۔ البتہ محلوف علیہ اگر ہلاک ہوجائے تو اس کی ہلاکت کے وقت قسم ٹوٹ جائے گی اور اگر حالف مرجائے تو اس کی زندگی کے آخری حصہ میں حانث ہوگا۔

(ب)...... اگر قسم اثبات میں موقت ہو مثلاً میں یہ چپاتی آج ضرور کھاؤں گا یا بخدا آج میں اس گھر میں ضرور داخل ہوں گا تو جب تک حالف ومحلوف علیہ موجود ہوں اور وقت باقی ہو تو حانث نہ ہوگا کیونکہ وقت کے اندر قسم کے پورا کرنے کی امید ہے۔ اگر حالف ومحلوف علیہ تو موجود ہوں لیکن وقت چلا جائے تو احناف کے نزدیک بالاتفاق حانث ہوجائے گا کیونکہ قسم موقت تھی جب محلوف علیہ کو وقت ختم ہونے تک نہ کیا تو حانث ہوگیا۔ اگر اس متعین وقت میں کوئی ایک ہلاک ہوجائے تو اگر قسم اٹھانے والا وقت کے اندر فوت ہوجائے پھر وقت گزرے اور حنفی اور حنبلی حضرات کا اتفاق ہے کہ حانث نہ ہوگا کیونکہ یمین موقت میں حانث وقت کے آخری جز میں ہوتا ہے اور وہ شخص اس حالت میں میت ہے اور میت کو حنث نہیں ہوتا۔

اگر وقت گزرنے سے پہلے محلوف علیہ ہلاک ہوجائے مثلاً ''روٹی'' تو طرفین رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم باطل ہوجائے گی اور امام ابویوسف، شافعی وحنبلی حضرات فرماتے ہیں کہ قسم باطل نہ ہوگی البتہ حانث ہوجائے گا، کفارہ لازم ہوگا اور حانث ہونے کے وقت کے بارے میں روایات مختلف ہیں ایک روایت ہے کہ اس متعین وقت کے سورج غروب ہونے کے آخری لحہ میں حانث ہوگا۔ ایک روایت میں اسی وقت حانث ہوگا، اور یہ روایت ہی ان کے مذہب سے صحیح ہے۔

ثانیاً...... ''اگر قسم نفی کی حالت میں ہو پھر نفی موقت ہوگی یا مطلق عن الوقت ہوگی، اگر نفی وقت سے مطلق ہو مثلاً بخدا میں یہ چپاتی نہیں کھاؤں گا بخدا اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا'' تو اگر ایک مرتبہ بھی ایسا کرلیا حانث ہوجائے گا کیونکہ قسم کا پورا کرنا نہیں پایا گیا۔ اگر اس کام کے کرنے سے پہلے ہی حالف ومحلوف علیہ ہلاک ہوجائیں تو حانث نہ ہوگا کیونکہ قسم پورا کرنے کی شرط یعنی قسم والے فعل سے رکنا پایا گیا۔

(ب)...... اگر قسم موقت نفی میں تھی مثلاً خدا کی قسم میں آج اس روٹی کو نہیں کھاؤں گا تو اگر اس کو کھانے سے پہلے دن گزر گیا اور حالف و محلوف علیہ دونوں موجود تھے تو اس کی قسم پوری ہوگئی کیونکہ قسم پوری ہونے کی شرط پائی گئی یعنی اس پورے دن میں چپاتی کا نہ کھانا۔ اگر اس دن حالف ومحلوف علیہ میں سے کوئی اس دن ہلاک ہوجائے تو بھی قسم پوری ہوجائے گی کیونکہ شرط پائی گئی اور اگر حالف نے محلوف علیہ اس متعین

وقت میں کر لیا تو قسم ٹوٹ گئی کیونکہ حانث ہونے کی شرط پائی گئی (یعنی اس وقت میں اس کام کا کرنا)۔

دوسری قسم......اس کام پر قسم اٹھانا جس کا وجود ممکن ہی نہیں۔

یہ وہ ہے جو عقلاً محال ہو مثلاً کوئی شخص کہے: ''اللہ کی قسم میں اس برتن میں جو پانی ہے اس کو پیوں گا'' جب کہ اس میں پانی نہ ہو یا وہ کہے: ''میں فلاں کا قرض کل ادا کروں گا'' اور ادائیگی آج ہی کر دی یا قرض خواہ نے اس کو قرض سے آج ہی بری کر دیا، اس قسم کا حکم یہ ہے کہ ابوحنیفہ ومحمد، زفر، مالک اور حنابلہ رحمھم اللہ میں سے (1) ابوالخطاب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قسم منعقد ہی نہ ہوگی کیونکہ قسم جس کام پر ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا وجود ممکن ہو یا امکان کا توھم ہو اور مذکورہ صورت میں ایسا نہیں، جب قسم کا پورا کرنا ممکن ہی نہیں تو قسم کا ٹوٹنا بھی متصور نہیں لہٰذا قسم منعقد کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حنابلہ میں سے قاضی رحمۃ اللہ علیہ (2) فرماتے ہیں کہ قسم منعقد ہوگی اور اسی وقت کفارہ لازم ہوگا کیونکہ حالف نے اپنے ذاتی مستقبل کے کام پر قسم اٹھائی ہے جیسے وہ قسم اٹھائے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے گا اور وہ عورت طلاق سے پہلے مر جائے۔

ان حضرات کے نزدیک قسم کے لئے ضروری نہیں کہ اس کا وجود ممکن ہو۔ اگر حالف کو پتہ تھا کہ اس برتن میں پانی نہیں تو تینوں حنفی ائمہ کے نزدیک قسم منعقد ہوگی، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منعقد نہ ہوگی۔

یہی پچھلا اختلاف اس صورت میں بھی ہوگا جب وہ کہے ''میں فلاں کو ضرور قتل کروں گا'' اور اسے اس کے مرنے کا پتہ نہ ہو تو امام ابوحنیفہ، محمد وزفر اور ان کے موافقین کے نزدیک قسم منعقد نہ ہوگی اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین کے ہاں منعقد ہوگی۔ (3)

اگر قسم اٹھانے والے کو اس شخص کے مرنے کا علم تھا تو جمہور کے نزدیک قسم منعقد ہو جائے گی یہ محال عادی والی تیسری قسم کی طرح ہے کیونکہ اس کا تصور نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو زندہ کریں اور وہ اس کو قتل کر سکے اور قسم پوری ہو سکے یہ عادت کے خلاف ہے۔ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی قسم منعقد نہ ہوگی۔

تیسری قسم......قسم جب محال عادی کام پر ہو۔ جب محلوف علیہ کام اپنی ذات میں متصور الوجود ہو لیکن عادۃً ناممکن ہو جیسے آسمان پر چڑھنا، ہوا میں اڑنا، پتھر کو سونا بنانا، دجلہ کا سارا پانی پینا، چند لمحوں میں لمبی مسافت طے کرنا، اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، صاحبین اور باقی مذاہب (4) میں بھی قسم منعقد ہو جائے گی کیونکہ قسم کا پورا کرنا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ حالف کو اس کی قدرت دے دیں۔ جس طرح ملائکہ، انبیاء کرام علیہم السلام اور جنات کو آسمان پر چڑھنے کی قدرت دی۔ اسی طرح پتھر کو سونے سے بدلنا ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے تبدیل کرنے سے اسی طرح ساری ذکر کردہ چیزیں، لیکن حالف عادۃً اس کام کو کرنے سے عاجز ہے۔ پس فی نفسہ محلوف علیہ کے ممکن ہونے کی وجہ سے قسم منعقد ہوگئی اور عادۃً اس کام کو نہ کر سکنے کی وجہ سے حانث ہو جائے گا اور کفارہ لازم ہوگا جس طرح قسم اٹھائی کہ اپنی بیوی کو طلاق دے گا اور وہ طلاق سے پہلے مر گئی۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حالف کی یہ قسم منعقد نہ ہوگی کیونکہ یہ عادۃً محال ہے پس اس کو محال حقیقی کے ساتھ شامل کیا جائے گا

---

(1)......البدائع ۳ ص ۱۱۔تبیین الحقائق ۳ ص ۱۳۴، الدر المختار ۳ ص ۱۰۹ المغنی: ۸ ص ۷۳۰، القوانین الفقھیة ص ۱۶۳۔ (2) المراجع السابقة، مغنی المحتاج: ۴ ص ۳۲۰۔ (3) حنفیوں کے نزدیک ائمہ کے قول لینے کی ترتیب یہ ہے کہ قاضی اور مفتی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی لے گا خواہ وہ منفرد ہوں یا ان کے ساتھ کسی کا قول ہو البتہ قضاء اور میراث میں ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول لیا جائے گا تجربہ زیادہ ہونے کی وجہ سے۔ پھر ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا پھر محمد رحمۃ اللہ علیہ پھر امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اور پھر حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کا قول لیا جائے گا۔ اور صاحبین جب امام کی مخالفت کریں اور اختلاف زمان کی تبدیلی کی وجہ سے ہو تو صاحبین کا قول لیا جائے گا اسی طرح جس میں متاخرین کا اجماع ہو جیسے مزارعت وغیرہ میں۔ (الدر المختار مع ردالمحتار: ۴ ص ۳۱۵۔۱/۶۵) (4) البدائع: ۳ ص ۱۱ وما بعدھا. تبیین الحقائق ۳ ص ۱۳۵ الدرالمختار ۳ ص ۱۱۱۔ مغنی المحتاج ۴ ص ۳۲۰ المھذب ۳ ص ۱۴۰۔ الشرح الکبیر للدردیر ۲ ص ۱۲۶ المغنی ۸ ص ۷۳۰ المیزان: ۲ ص ۱۳۲/۱۲۹۔

پس جس طرح محال حقیقی میں قسم منعقد نہیں ہوتی اسی طرح محال عادی میں بھی منعقد نہ ہوگی۔ ❶ اگر یہ قسم موقت ہو مثلاً: اللہ کی قسم میں آج آسمان پر چڑھوں گا تو طرفین کے نزدیک دن کے آخر میں حانث ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک موقت میں قسم کا پورا کرنا دن کے آخر میں لازم ہوتا ہے لہٰذا وقت وسعت والا ظرف ہوگا۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی وقت حانث ہوگا کیونکہ قسم کو پورا کرنے سے اسی وقت عاجز ہے یہی ان کا صحیح مذہب ہے۔ ❷

''یمین الفور'' آئندہ زمانے پر کسی کام کے سلسلہ میں کھائی جانے والی قسموں میں سے ایک قسم یمین فور کی ہے۔ جس میں قسم معنی کے اعتبار سے یا دلالت کے اعتبار سے موقت ہو لیکن لفظوں کے اعتبار سے ہمیشگی پر دلالت کرے اس کو یمین فور کہتے ہیں چنانچہ ہر وہ قسم ہے جو کسی کلام کے جواب میں آئے یا کسی کام کی بنیاد پر ہو لہٰذا حال کی دلالت کی وجہ سے مقید ہوگی مثلاً وہ کسی شخص سے کہے ''آیئے میرے ساتھ کھانا کھایئے'' وہ کہے: بخدا میں نہیں کھاؤں گا'' پھر اس نے کھانا نہ کھایا اور گھر واپس آیا اور گھر کھانا کھایا'' اس کا حکم یہ ہے کہ استحساناً حانث نہ ہوگا۔ قیاس کے لحاظ سے ہو جائے گا۔ یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

قیاس کی وجہ یہ ہے کہ حالف نے ہر حالت میں اپنے آپ کو کھانے سے روکنے کی قسم اٹھائی لہٰذا بعض حالات کے ساتھ قسم کو مقید کرنا یہ عام کی تخصیص ہے (جو درست نہیں) استحسان کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام سوال کے جواب میں آیا ہے لہٰذا جواب سوال کے واقعے کی طرف پھرے گا۔ اور سوال دعوت دیئے گئے دوپہر کے کھانا کا تھا تو جواب کا تعلق بھی اسی سے ہوگا گویا اس نے سوال دہرایا اور کہا: اللہ کی قسم میں وہ کھانا نہیں کھاؤں گا جس کی طرف آپ نے مجھے دعوت دی ہے۔ یعنی عرف کے لحاظ سے حالف اسی کھانے سے رکنے کا ارادہ کر رہا ہے جس کی طرف اسے بلایا گیا اور قسموں کا مدار عرف پر ہے حنفیوں کے ہاں جیسا کہ اس کا بیان آئندہ آئے گا۔ یمین فور کی ایک اور مثال ہے: ایک عورت نے گھر سے نکلنا چاہا تو اس کے شوہر نے کہا: ''اگر تو نکلی تو تجھے طلاق'' تو وہ نکلنے کو چھوڑ کر تھوڑی دیر بیٹھ گئی اور پھر اس کے گھر سے نکلی تو استحسانا حانث نہ ہوگا کیونکہ حال کی دلالت نے قسم کو مقید کر دیا گویا اس نے یہ کہا ''اگر تو یہ نکلنا نکلی تو تجھے طلاق اگر اس نے مقصود کے خلاف کوئی بات ذکر کی مثلاً اس نے کہا کہ میری مراد اس دن مطلقاً نکلنے سے منع کرنا تھا تو یمین فور کا اعتبار ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح تعدی والے مسئلہ میں فور کا اعتبار ختم ہو جائے گا اگر وہ ''الیوم'' کا لفظ بڑھا دے۔ ❸

وقت سے پہلے حق کی ادائیگی...... اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ فلاں کا حق متعین وقت تک ادا کروں گا اور اس سے پہلے ہی دے دیا تو حنفیوں اور حنبلیوں کے نزدیک حانث نہ ہوگا کیونکہ اس قسم کا تقاضا یہ ہے کہ وقت متعین کے نکلنے سے پہلے حق دے دوں گا تو متعین وقت سے پہلے دیا تو پھر بھی وقت نکلنے سے پہلے دے دیا بلکہ بہتری میں اضافہ کیا، نیز قسموں کی بنیاد نیت پر ہے اس کی نیت وقت نکلنے سے پہلے دینے کی ہے۔ ابن قدامہ کی روایت سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ حانث ہوگا اگر متعین وقت سے پہلے دیا کیونکہ اپنے ارادے سے اس نے جس پر قسم اٹھائی اس کو چھوڑ دیا یہ ایسا ہی ہے جس طرح وقت کے بعد ادائیگی کرے۔ ❹

''بعض محلوف علیہ کو انجام دینا'' اگر فلاں کام کرنے کی قسم اٹھائی تو حنابلہ کے نزدیک پورا کام کرنے پر ہی قسم پوری ہوگی، اگر قسم اٹھائی اور مطلق رکھا اور بعض کیا تو حنابلہ کی دو روایتیں ہیں راجح یہ ہے کہ بعض کے کرنے سے حانث ہوگا۔ ❺

دوسری بحث: قسم کے صیغے کی...... جس لفظ کے ذریعے اٹھائی جائے اس کی لحاظ سے قسم پانچ قسموں پر منقسم ہو جاتی ہے:

(۱)... اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے کسی کو صراحۃً استعمال کر کے قسم اٹھانا۔

(۲)... اللہ کی صفت میں سے صراحۃً کوئی صفت قسم میں استعمال کرنا۔

---

❶ مراجع الحنفیہ السابقہ. ❷ مراجع الحنفیہ السابقہ. ❸ راجع المبسوط: ۸ ص ۱۳۱ البدائع ۳ ص ۱۳. الدر المختار ۳ ص ۹۲. فتح القدیر ۴ ص ۴۲. ❹ المغنی ۸ ص ۷۹۰. الشرح الکبیر ۲/ ۱۵۳. ❺ المغنی: ۸/ ۷۸۲، ۷۹۲.

(۳)......اللہ کے نام کی بطور کنایہ قسم۔

(۴)......یمین باللہ معنی کے اعتبار سے۔

(۵)......غیر اللہ کی قسم صورت اور معنی کے اعتبار سے۔

۱: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ قسم......اللہ کے نام ہی کے ساتھ قسم مباح ہے، غیر اللہ کی قسم اٹھانے والا گنہگار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ساتھ قسم اٹھانے کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے خواہ وہ نام صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہو جیسے اللہ، الرحمٰن، یا مشترک ہو، اللہ اور غیر اللہ دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہو جیسے: علیم، حلیم، کریم، حکیم وغیرہ یہ نام اگرچہ مخلوقات کے لئے استعمال ہوتے ہیں لیکن حال کی دلالت سے قسم میں خالق ہی کی طرف راجع ہوں گے کیونکہ غیر اللہ کی قسم جائز نہیں تو اس نام سے اللہ تعالیٰ ہی مراد ہوں گے۔

قسم کے حروف......با، واو، تاء، ہیں مثلاً قسم اٹھانے والا کہے: باللّٰہ تاللّٰہ واللّٰہ ۔ یہ عرب کے استعمال کے لحاظ سے ہے اور شریعت لغت کی تائید میں آتی ہے مثلاً فرمان ربانی ہے:

اللہ کی قسم ہم مشرک نہ تھے۔ الانعام ۶/ ۲۳

اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کے بارے میں تدبیر کروں گا۔ الانبیاء ۲۱/ ۵۷

انہوں نے اللہ کی قسم اٹھائی۔ فاطر ۳۵/ ۴۲

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین مرتبہ: ''اللہ کی قسم میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا'' پھر تیسری مرتبہ ''انشاء اللہ'' فرمایا۔ ❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ منع فرماتے ہیں کہ تم اپنے آباء کے نام سے قسموں اٹھاؤ جس نے قسم اٹھانی ہو وہ اللہ کے نام کی اٹھائے ورنہ خاموش رہے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے قسم نہیں اٹھائی نہ یاد کے ساتھ نہ کسی دوسرے کی نقل کرتے ہوئے۔ ❷

باء اور واؤ استعمال کئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں سے ہر ایک کی قسم ساتھ البتہ تاء صرف اللہ تعالیٰ کے اسم کے ساتھ استعمال کی جاتی ہے ''تاللّٰہ'' کہہ سکتے ہیں۔ ''تالرحمن'' نہیں کہہ سکتے اگر حالف ان میں سے کوئی حرف قسم استعمال نہ کرے مثلاً صرف ''اللّٰہ لا افعل کذا'' کہے تو جمہور کے ہاں اس صورت میں بھی قسم ہوگی۔ شافعی حضرات فرماتے ہیں: ''اللہ'' رفع، نصب یا جر کے ساتھ کہا تو یمین نیت سے ہی ہوگی۔ ❸

۲: اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ قسم......اللہ تعالیٰ کی صفات کی تین قسمیں ہیں:

---

❶ ..... رواہ ابو داؤد وابن حبان والبیھقی وابویعلی وابن عدی عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھم رواہ بعضھم مسندا وبعضھم مرسلاً قال ابن ابی حاتم فی العلل: ''الاشبہ ارسالہ''۔ وقال ابن القطان: الصحیح مرسل (جامع الا صول ۱۲ ص ۲۹۹)۔ نصب الرایۃ ۳ ص ۳۰۲ مجمع الزوائد ۴ ص ۱۸۲ نیل الاوطار ۸ ص ۲۲۰۔ ❷ رواہ البخاری ومسلم واصحاب السنن الروایۃ ومالک واحمد والبیھقی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ ینھا کم) ومعنی قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''ما حلفت بہ ذاکراً ای عن ذکر منی وعلم ''ولا آثرا'' ولا روایا لھا عن احد أنہ حلف بابیہ۔ راجع جامع الا صول: ۱۲/ ۲۹۳، ۳۱۱ نصب الرایۃ ۳ ص ۲۹۵ سبل السلام ۴ ص ۱۰۱، نیل الاوطار: ۸ ص ۲۲۷۔ ❸ البدائع ۵۔ فتح القدیر ۳/ ۵۔ تبیین الحقائق للزیلعی ۳/ ۱۰۹، ۱۱۱ الدرالمختار ۳/ ۵۴، بدایۃ المجتھد ۱/ ۳۹۴ مغنی المحتاج ۴/ ۳۲۰، ۳۲۳، المھذب ۲/ ۱۲۹ المغنی ۸/ ۶۷۷، ۶۹۳۔

پہلی قسم...... وہ صفت عرف وعادت میں صرف صفت ہی کے طور پر استعمال ہوتی ہو تو اس کے ساتھ قسم منعقد ہو جائے گی مثلاً اللہ کی عزت، عظمت، بزرگی یا بڑائی کی قسم اٹھانا، کیونکہ ان صفات کے ساتھ قسم لوگوں کے عرف میں معروف ہے۔

دوسری قسم...... ایسی صفت جو اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ دونوں کے لئے برابر استعمال ہوتی ہو اس کے ساتھ بھی قسم ہو جائے گی جیسے ''اللہ تعالیٰ کی قدرت، قوت، ارادہ چاہت اور رضاء اس کی محبت یا کلام کی قسم'' ❶ اس سے بھی حالف ہوگا کیونکہ یہ صفات اگر چہ غیر اللہ کے لئے استعمال ہوتی ہیں لیکن قسم کے قرینہ سے مراد متعین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے علاوہ قسم جائز نہیں۔ اس قسم کے ساتھ اللہ کی امانت کی قسم اٹھانا بھی لاحق ہے'' حنفیوں کی ظاہر روایت میں اور مالکی وحنبلی مذہب بھی یہی ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قسم نہ ہوگی اگر چہ نیت بھی کرے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی امانت، عبادات، روزہ نماز کا نام ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

ہم نے امانت زمین وآسمان اور پہاڑوں پر پیش کی۔ الاحزاب ۳۳/ ۷۲

لہٰذا یہ قسم غیر اللہ کی ہوگی جو درست نہیں۔ ظاہر روایت کی دلیل یہ ہے: قسم کے وقت جو لفظ امانت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگا اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت مراد ہوگی کیونکہ ''امین'' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور یہ امانت سے مشتق ہے تو اس سے قسم میں بالخصوص اللہ تعالیٰ کی صفت ہی مراد ہوگی۔

مالکی حضرات فرماتے ہیں وہ یمین منعقدہ جو کفارہ کا سبب ہے: جو لفظ اللہ اور اس کے دوسرے اسماء کے ساتھ ہو جیسے عزیز، رحیم یا اس کی صفات کے ساتھ جیسے علم، قدرت، سمع، بصر، کلام، وحدانیت، قدیم ہونا، باقی رہنا، عزت، جلال، عہد، میثاق، ذمۃ، کفالت اور امانت اسی طرح لفظ ''اسم'' اور ''حق'' کے ساتھ۔ اور اس کے ساتھ مشہور قول پر مصحف اور قرآن بھی شامل ہے۔

شافعی حضرات فرماتے ہیں راجح قول کے مطابق: یمین اللہ کی امانت کے لفظ سے نہ ہوگی، البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی صفت مراد لے تو ہوگی کیونکہ امانت کا لفظ، فرائض، حقوق اور دوسری امانتوں پر بولا جاتا ہے جیسا کہ گذشتہ آیت میں ہے، اسی قسم میں ''اللہ کا عہد'' کا لفظ بھی ہے یہ قسم ہے حنفی، مالکی، اور حنبلی متفق ہیں اور ایک قول شافعیہ کا بھی ہے۔ کیونکہ عادت الناس یہی ہے کہ اس کے ساتھ قسم اٹھاتے ہیں اور قسموں کو سخت کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے ہوتا ہے اور شافعی حضرات کے نزدیک دوسرا راجح قول یہ ہے: کہ نیت کے بغیر اس سے قسم نہ ہوگی، کیونکہ ''عہد'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا مستحق عبادت ہونا ہو تو قسم ہوگی یا جو ہم پر عبادات کا عہد لیا ہے وہ مراد ہو تو قسم نہ ہوگی کیونکہ یہ حادث کی قسم ہے۔ ❷

اسی قسم میں سے ''وجہ اللہ'' اللہ کے چہرے کی قسم بھی ہے اس سے قسم ہوگی کیونکہ ''وجہ'' جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو اس سے ذات مراد ہوتی ہے: ارشاد ربانی ہے: ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کے چہرے کے۔ القصص ۲۸/ ۸۸

یعنی اس کی ذات اگر حالف نے ''ایم اللہ'' کہا اسی طرح ''لعمر اللہ'' سے بھی قسم ہوگی۔ ❸ شافعی حضرات فرماتے ہیں: ایـــم اللہ اور لعمر اللہ سے قسم تب ہوگی جب نیت بھی کرے۔ ❹ مالکی حضرات فرماتے ہیں: حنفی اور حنبلی بھی کہ جب حالف ''ایم اللہ یا ایمن اللہ'' یعنی اللہ کی برکت کی قسم کہے تو یہ قسم ہے اس سے کفارہ واجب ہے کیونکہ اس سے قسم اٹھانا متعارف ہے اسی طرح لعمر اللہ سے قسم اٹھانا بھی۔ ❺

تیسری قسم ان صفات کی ہے...... ایسی صفت سے قسم اٹھائے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر دونوں میں استعمال ہوتی ہو لیکن غیر اللہ میں استعمال زیادہ ہو تو اس کے ساتھ قسم نہ ہوگی۔

---

❶ ...کلام اللہ کی قسم یعنی جو اللہ کی صفت ہے وہ یمین ہے: البدائع ۳/ ۶ هو مذهب ابی حنیفه وصاحبیه صاحب الدر فرماتے ہیں: کلام اللہ کی قسم کا تعلق عرف سے ہے کیونکہ کلام مشترک صفت ہے اور عرف کا اعتبار مشترک صفات میں ہے الدر ۳/ ۵۶۔ ❷ عہد اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا ہمیں مکلف بنانا ہے۔ ❸ البدائع ۳/ ۶، فتح القدیر ۴/ ۱۴، فتاویٰ هندیه ۲/ ۴۹۔ الشرح الکبیر للدردیر ۲/ ۱۲۷ المغنی ۸/ ۶۹۷، ۷۰۳ المهذب ۲/ ۱۳۰ القوانین الفقهیة ص ۱۵۸۔

مثلاً حالف کہے: اللہ تعالیٰ کے علم، رحمت، کلام، غضب، ناراضگی یا اس کی رضا کی قسم تو یہ قسم نہ ہوگی، کیونکہ ان اشیاء سے ان کے آثار مراد ہیں نہ کہ یہ خود مثلاً علم سے معلوم مراد ہے رحمت سے جنت مراد ہے۔ ارشاد ربانی ہے: (اللہ کی رحمت میں وہ ہمیشہ رہیں گے)۔ آل عمران ۳/۱۰۷

غضب اور ناراضگی سے مراد ان کا اثر ہے یعنی عذاب اور سزا نہ کہ یہ صفت خود، لہٰذا اس سے حالف نہ ہوگا البتہ اگر نیت کرے تو قسم ہو جائے گی، اسی طرح اللہ کے علم کے ساتھ قسم عربوں میں معروف نہیں ہے لہٰذا نیت کے بغیر قسم نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے: کہ اعتبار عرف پر ہے، جس کو عرف اور رواج میں قسم سمجھا جاتا ہو وہ قسم ہے ورنہ نہیں۔ شافعی اور حنبلی حضرات فرماتے ہیں: اللہ کے کلام، علم اور قدرت کے ساتھ قسم معتبر ہے ہاں اگر علم سے معلوم اور قدرت سے مقدور مراد ہو تو قسم نہ ہوگی مثلاً کہے: یا اللہ ہمیں معاف فرما جو آپ کا ہمارے بارے میں علم ہے یعنی آپ جو ہماری لغزشوں کو جانتے ہیں اور کہا جاتا ہے: ''اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھ'' یعنی مقدور کو۔

مصحف پر قسم اٹھانا...... اور قرآن یا مصحف پر قسم اٹھانا شافعی، مالکی اور حنبلی حضرات کے اتفاق کے ساتھ اور حنفی مسلک ابن الہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترجیح کے مطابق کیونکہ حالف مصحف کی قسم میں لکھی ہوئی چیز کی قسم اٹھا رہا ہے یعنی قرآن کی کیونکہ قرآن اور مصحف وہ ہے جو مصاحف کے دو گتوں کے درمیان ہو مسلمانوں کے اجماع کے مطابق البتہ اگر حالف قرآن سے خطبہ، یا نماز اور مصحف سے ورق، جلد یا نقوش مراد لے تو قسم نہ ہوگی۔ حنفیوں کا خیال تھا کہ مصحف کی قسم درست نہیں کیونکہ یہ غیر اللہ کی قسم ہے لیکن قرآن کلام اللہ ہے لہٰذا اللہ کی صفات میں سے ہے اسی لئے ابن الہمام نے فرمایا: کہ اب قرآن کی قسم متعارف ہے پس قسم ہوگی اور عینی نے فرمایا: میرے نزدیک مصحف یمین ہے بالخصوص ہمارے زمانے میں جس نے قرآن کے حق کی قسم اٹھائی تو جمہور کے نزدیک ایک کفارہ لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام کے تکرار کے ساتھ قسم سے بھی ایک کفارہ لازم ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی صفت سے بدرجہ اولی ایک کفارہ لازم ہوگا اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی ہے کہ ہر آیت کے بدلے ایک کفارہ لازم ہوگا کیونکہ اثرم رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن کی سورت کی قسم اٹھائی تو اس پر ہر آیت کے بدلے قسم کا کفارہ ہے جو چاہے قسم پوری کرے جو چاہے توڑ دے۔

حق اللہ کی قسم...... مالکی حنبلی اور صحیح قول شوافع کا ہے کہ حق اللہ کی قسم سے قسم منعقد ہوگی جس کا کفارہ دیا جائے گا کیونکہ حق اللہ تعالیٰ کا نام ہے یا اللہ کی صفت مراد ہے کیونکہ اللہ کے حقوق ہیں جن کے وہ مستحق ہیں مثلاً باقی رہنا، عظمت، جلال اور عزت تو ''حق'' کی قسم ایسے ہی ہے جیسے اللہ کی قدرت کی قسم اٹھائے حق اللہ میں حنفی مسلک مختلف ہے: صاحبین اور ایک روایت ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ہے یمین نہ ہوگی کیونکہ طاعات اللہ کے حقوق ہیں جس طرح یہ بات جلد سمجھ آتی ہے شرعاً اور عرفاً لہٰذا یہ غیر اللہ کی قسم ہے۔ اور انہوں نے فرمایا اگر ''حق کی قسم'' کہے تو یمین ہوگی بالاتفاق اور اگر ''حقا'' کہے تو یمین نہ ہوگی کیونکہ حق اللہ کے اسماء میں سے ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

''اور وہ جانتے ہیں بے شک اللہ حق مبین ہے''۔ النور ۲۴/۲۵

تو جب الف لام کے ساتھ معرفہ ذکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ مراد ہوں گے اور اس کی حلف متعارف ہے تاہم جب الف لام کے بغیر نکرہ ہو تو یہ مفعول مطلق ہوگا فعل مقدر کا گویا اس نے یوں کہا ''یہ فعل میں ضرور کروں گا تو اس سے مراد وعدے کی تحقیق پختگی ہوگی پس حقا صدقا کی طرح ہے اور اس میں قسم کا معنی بالکل نہیں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ اللہ کے حق کی قسم یمین ہے کیونکہ حق اللہ کی صفات میں سے ہے یعنی اللہ کی حقیقت یعنی اس کی ذات کا ثابت وموجود ہونا گویا یوں کہا ''اللہ برحق کی قسم'' اور اس سے قسم متعارف ہے لہٰذا اس سے یمین ہونا واجب ہے یہی رائے باقی ائمہ کرام کی ہے جیسے ہم نے پہچان لیا۔

''**عمر اللہ**'' کی قسم بھی یمین ہے اور کفارہ کا سبب ہے کیونکہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت کی قسم اٹھائی ہے جیسے اللہ کے بقاء کی قسم۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر اس نے قسم کی نیت کی تو ہوگی ورنہ نہیں اگر اس نے ''ایم اللہ یا ایمن اللہ'' تو

جمہور کے مال یمین ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اگر نیت ہو تو قسم ہے ورنہ نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ ۳

''اقسم باللّٰہ'' جیسے الفاظ سے قسم اٹھانا اگر حالف نے ''اقسم باللّٰہ یا احلف باللّٰہ اشھد باللّٰہ، اعزم باللّٰہ میں ایسا کروں گا'' کہا تو یہ قسم ہے نیت کرے یا نہ کرے حنفی اور حنبلی حضرات کے قول پر اور شوافع کا مطلق ہونے کی صورت میں صحیح قول یہی ہے۔ مالکی حضرات فرماتے ہیں قسم تب ہوگی جب نیت اللہ کے نام کے ساتھ قسم کی کرے ورنہ نہ ہوگی اور نیت سے مراد: مقدر ماننا ہے یعنی یہ مقدر مانے کہ یہ لفظ قسم ہے اگر اس نے اس کا لحاظ نہیں کیا تو قسم نہ ہوگی ان الفاظ کے ساتھ قسم ہو جانے کی دلیل لوگوں کا عرف اور ان کی عادت واستعمال ہے، ارشاد ربانی ہے:

وہ دونوں اللہ کی قسم کھاتے ہیں۔ المائدہ ۵: ۱۰۶

انہوں نے اللہ کی قسم اٹھائی۔ الانعام ۶: ۱۰۹

اس پر یہ مسئلہ بھی دلالت کرتا ہے کہ اگر حالف نے اقسم یا احلف کے بغیر لفظ ''باللہ'' کہا تو بھی یمین ہوگی فعل کو ذکر کئے بغیر۔ یہ فعل کے بغیر قسم اس لئے ہے کہ فعل مقدر ہے کیونکہ ''باء'' فعل مقدر سے متعلق ہوتا ہے تو جب فعل کو ذکر کیا اور مقدر کا تلفظ کیا تو بطریق اولیٰ حکم ثابت ہوگا یہی حکم ہے اگر فعل کو ماضی کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا اور کہا ''میں نے اللہ کی قسم اٹھائی'' تو بھی یمین ہوگی۔

غیر پر قسم اٹھانا...... امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات فرماتے ہیں ❶ اگر کسی نے دوسرے سے کہا ''میں آپ پر اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں'' یا اللہ کے نام کے ساتھ آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ آپ ایسا کریں اور اس نے اس سے اس کی قسم مراد لی تو یہ قسم ہے اور مخاطب کے لئے مسنون ہے کہ حالف کی قسم پوری کرے کیونکہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم دینے والے کی قسم کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے لیکن یہ مستحب ہے واجب نہیں کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ ضرور بتلائیے میں نے کیا درست کہا اور کیا غلطی کی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر قسم نہ دو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہیں بتلایا اگر قسم پوری کرانی واجب ہوتی تو ضرور بتلاتے۔ اگر قسم پوری نہ کی تو کفارہ قسم اٹھانے والے پر ہوگا اگر حالف نے اس سے مخاطب کی قسم مراد لی یا قسم پوری نہ کی تو کفارہ قسم اٹھانے والے پر ہوگا اگر حالف نے اس سے مخاطب کی قسم مراد لی یا قسم کا ارادہ ہی نہ کیا یا محض اللہ کا واسطہ مراد لیا تو قسم نہ ہوگی۔

''میں قسم اٹھاتا ہوں کہ ایسا کروں گا'' کے الفاظ سے قسم۔ اگر حالف نے قسم اور جس کی قسم اٹھا رہا ہے اس کو ذکر کیا لیکن اللہ تعالیٰ کا نام گرامی ذکر نہ کیا بایں طور کہ یوں کہا میں گواہی دیتا ہوں یا حلف، قسم اٹھاتا ہوں یا پکا ارادہ کرتا ہوں کہ ایسا کروں گا تو جمہور حنفیوں کے ہاں یہ قسم ہوگی اور امام احمد کی ایک روایت جو ان کا راجح مذہب بھی ہے یہی ہے۔ کیونکہ جب غیر اللہ کی قسم جائز نہیں تو معلوم ہوا کہ مقسم بہ لفظ اللہ ہے اور محذوف ہے۔ مثلاً ''گاؤں سے پوچھو'' یعنی گاؤں والوں سے نیز یہ کہ اس طرح قسم عربوں کے ہاں متعارف ہے ارشاد ربانی ہے: ''وہ قسم اٹھاتے ہیں تمہارے لئے تاکہ تم راضی ہو جاؤ'' (التوبۃ ۹، ۹۶) یہ نہیں فرمایا ''اللہ کی قسم اٹھاتے ہیں۔

نیز ارشاد ربانی ہے ''جب انہوں نے قسم اٹھائی کہ اس کو صبح کے وقت کاٹ دیں گے۔ (القلم ۶۸۔ ۱۷) یہاں بھی ''اللہ'' کا لفظ نہیں ہے اور فرمایا ''جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں آپ اللہ کے رسول ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنایا ہے۔'' (المنافقون ۶۳/ ۱) تو اللہ تعالیٰ نے اس کو یمین کا نام دیا۔

مالکی حضرات ایسا فرماتے ہیں جس طرح ان کا قول مقسم بہ کے ذکر کے وقت ہے یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت ہے۔ احناف میں امام زفر کا قول یہ ہے کہ اگر ''یمین باللّٰہ'' کی نیت ہو تو یمین ہوگی ورنہ نہیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ کی قسم دونوں کا احتمال ہے۔

---

❶..... مغنی المحتاج ۴ ص ۳۲۴ المھذب ۲ ص ۱۳۱ المغنی (۸/ ۷۳۱)

یمین تب ہوگی جب اپنی نیت سے کفارہ کو واجب کرنے والی قسم کی طرف پھیرے، مالکیوں نے اس سے ''اعزم'' یعنی میں پکا ارادہ کرتا ہوں کا لفظ الگ کیا ہے کہ اس میں نیت سے بھی قسم نہ ہوگی کیونکہ اعزم کا معنی ہے میں ارادہ اور اہتمام کرتا ہوں۔ شافعی حضرات فرماتے ہیں کہ نیت کے باوجود قسم نہ ہوگی کیونکہ مقسم بہ کو ذکر کرنا قسم کے ارکان میں سے ہے۔ ❶

''مقسم بہ کا دھرانا'' اگر حالف نے حرف عطف کے بغیر مقسم بہ کو دھرایا مثلاً اللہ رحمن رحیم طالب کی قسم تو بغیر اختلاف کے یہ ایک ہی قسم ہوگی۔ اگر صرف عطف کے ساتھ دھرایا مثلاً ''اللہ اور اللہ کی قسم'' یا اللہ اور رحمن کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا تو امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حنفیوں کی دو روایتوں میں سے راجح روایت میں دو قسمیں ہوں گی کیونکہ ایک قسم کو دوسرے پر عطف کیا جائے تو دوسرا پہلے کا غیر ہوتا ہے کیونکہ معطوف معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے تو ہر ایک الگ قسم ہوگی لیکن اگر دوسرے کا عطف نہ کیا جائے تو دوسرا صفت ہوگا۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت ہے کہ ایک ہی قسم ہوگی دونوں صورتوں میں کیونکہ حرف عطف بھی استیناف اور کبھی صفت کے لئے استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے:

''فلاں عالم اور زاہد اور سخی اور بہادر'' تو اس میں عطف اور صفت دونوں کا احتمال ہے لہٰذا شک کے ساتھ دوسری قسم ثابت نہ ہوگی۔ ❷

جس خبر پر قسم اٹھائی اس کا تکرار ۔۔۔ اگر حالف نے اس کام کو دھرایا جس پر وہ قسم اٹھا رہا ہے مثلاً کہا اللہ کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا ایسا نہیں کروں گا یا کہا ''خدا کی قسم میں فلاں سے بات نہیں کروں گا بخدا اس سے بات نہیں کروں گا'' تو حنفیوں کے ہاں اس صورت میں دو قسمیں ہوں گی البتہ اگر دوسرے کلام سے پہلے ہی کی خبر کا ارادہ ہو تو ایک قسم ہوگی۔

پہلی صورت کی دلیل یہ ہے کہ جب حالف نے اس کو دوہرایا تو معلوم ہوا کہ اس نے دوسری قسم کا ارادہ کیا ہے کیونکہ اگر صفت یا تاکید کا ارادہ ہوتا تو مقسم علیہ کو نہ دوہراتا۔ ❸

اللہ تعالیٰ کی قسم کنایہ کے ساتھ ۔۔۔ اگر کسی انسان نے اسلام سے نکلنے کی قسم اٹھائی مثلاً کہے: اگر میں نے ایسا کیا تو یہودی، عیسائی، آگ پرست یا اسلام یا رسول اللہ یا قرآن سے بری ہوں یا کافر ہوں (نعوذ باللہ) یا میں غیر اللہ کی عبادت کروں گا یا صلیب کی عبادت کروں گا یا اس کے علاوہ کوئی بات جس کا عقیدہ رکھنا کفر ہو تو اسی طرح کے الفاظ میں ہمارے فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ہے۔

حضرات حنفیہ نے فرمایا اور امام احمد رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت ہے کہ یہ قسم ہوگی جو کفارہ کو واجب کرے گی اگر اس نے وہ کام جس پر قسم اٹھائی تھی کر لیا تو، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے آج تک بغیر نکیر کے لوگ ان الفاظ کے ساتھ قسم اٹھاتے آرہے ہیں اور یہ قسم نہ ہوتی تو ان میں رواج نہ ہوتا کیونکہ غیر اللہ کی قسم گناہ ہے۔ پس ان کا رواج دلالت کرتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ہی کنایۃً قسم ہے اگرچہ اس میں کنایہ کی وجہ سمجھ نہیں آتی، جیسے عرب کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنے کپڑے سے حطیم کعبہ کو ماروں ❹ تو یہ جملہ ان کے عرف میں صدقہ کی نذر ہے اگرچہ اس میں بھی کنایہ کی وجہ سمجھ سے باہر ہے۔ مالکی شافعی اور صحیح قول حنبلی حضرات کا بھی یہی ہے کہ یہ قسم نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام اور صفت سے خالی ہے اور حانث ہونے سے کفر بھی لازم نہیں ہوگا اور یہ قسم گناہ ہے اس کا تلفظ حرام ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس

---

❶ الشرح الصغير ... البدائع ص ... فتح القدير ص ۱۳ ... الدردير ص ۱۲۹ ، مغنی المحتاج ص ۳۲۳ ، المغنی ۸/ ۶۰۲ ... بداية المجتهد ص ۳۹۸ ❷ البدائع ۸/۳ ، تحفة الفقهاء ۲/ ۴۴۳ الطبعة القديمة. الدر المختار ... ❸ المغنی ۸/ ۶۹۹ ... ❹ اخرج مسلم و ابن ماجة هاتين الروايتين عن ابی هريرة واخرج ... یہاں کی دلیل ہے جو قسم دلوانے والے کی نیت ہی کا اعتبار کرتے ہیں خواہ ... حامع الاصول ۱۲/ ۳۰۷ الالمام ص ۴۲۷ سبل السلام ۴/ ۱۰۲)

نے اپنی قسم سے محلوف علیہ کام سے اپنے آپ کو دور رکھنے کا ارادہ کیا لیکن اگر اس کا ارادہ ہو کہ اگر اس نے یہ کام کیا تو وہ یہودیت وغیرہ پر راضی ہے تو اسی وقت کافر ہو جائے گا اگر اس کے ارادہ کا پتہ نہ ہو تو اس کے کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا جیسا کہ شوافع نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ [1]

اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قسم اٹھائی کہ وہ اسلام سے بری ہے، تو اگر وہ جھوٹا تھا تو وہ ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا اور اگر وہ سچا ہے تو بھی اسلام کی طرف سالم واپس نہیں لوٹا۔

یہ اس صورت میں ہے جب قسم کو مستقبل کی طرف منسوب کرے اگر اس نے قسم کی نسبت ماضی کی طرف کی'' مثلاً کہا: کہ اگر میں نے ایسا کیا ہو تو میں یہودی یا عیسائی ہوں'' اور وہ جان بوجھ کر جھوٹ بول رہا ہو تو یہ یمین غموس ہے اس میں جمہور فقہاء کے نزدیک کفارہ نہیں ہے جیسا کہ پہلے واضح ہو گیا۔ لیکن کیا اس بات سے وہ کافر ہو گیا؟ حنفی مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ صحیح قول وہ ہے جس کو حاکم شہید نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ کافر نہ ہوگا کیونکہ اس نے نہ کفر کا ارادہ کیا نہ ہی اس کا عقیدہ رکھا بلکہ صرف اپنے کلام کی تصدیق اور ترویج کے لئے ایسا کیا۔ اسی طرح کافر نہیں ہوگا صحیح قول کے مطابق جب یوں کہے: اللہ جانتا ہے کہ میں نے ایسا کیا ہے'' حالانکہ اس نے ایسا نہیں کیا تھا ا[illegible] قول میں [illegible] ہو گا ا[illegible] اس کو معلوم ہو یہ جملہ کفریہ ہے، کیونکہ کفر پر اقدام کرنا کفر کو اختیار کرنا ہے اور کفر کو اختیار کرنا بھی کفر ہے۔

اپنے مال میں کسی شے کے حرام کرنے کی قسم ...... حنفی اور حنبلی فرماتے ہیں اگر حالف نے کہا'' حلال مجھ پر حرام ہے'' یا یہ چیز مجھ پر حرام ہے اگر میں نے ایسا کیا، پھر اس نے ایسا کر لیا تو اسے اختیار ہے یا حرام کردہ چیز چھوڑ دے یا کفارہ دے۔ مالکی اور شافعی حضرات فرماتے ہیں: '' یہ قسم نہیں ہے اور کفارہ بھی نہیں کیونکہ مشروع کو بدلنے کا اس نے ارادہ کیا لہٰذا اس کا ارادہ لغو ہے راجح پہلی رائے ہے کیونکہ ارشاد ربانی ہے: اے نبی آپ کیوں حرام کرتے ہیں جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کی ہیں...... اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسموں کو تم پر لازم کیا ہے۔ التحریم ٦٦/ ١

کیا قسم اٹھانے والے کی نیت کے اعتبار سے ہوگی یا قسم دلوانے والے کی نیت کا اعتبار ہے ...... فقہاء کا اتفاق ہے کہ دعووں میں قسم دلوانے والے کی نیت کا اعتبار ہے البتہ وعدوں میں قسم میں بعض نے حالف اور بعض نے مستحلف کی نیت کا اعتبار کیا ہے۔ مالکی حضرات نے تو صرف مستحلف کی نیت ہی کا اعتبار کیا ہے حالف کی نیت غیر معتبر ہے کیونکہ مستحلف نے گویا یہ قسم اپنے حق کے عوض قبول کی ہے اور اس لئے بھی کہ حدیث پاک میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم مستحلف کی نیت پر ہے'' اور ایک روایت میں ہے '' آپ کی قسم اس پر ہوگی جس پر آپ کا مقابل آپ کی تصدیق کرے آپ کو سچا جانے''۔

البتہ حنفیوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں تفصیل کی ہے کہ اگر حالف مظلوم ہو تو قسم اس کی نیت پر ہوگی کیونکہ وہ اپنی قسم سے اپنا حق لے رہا ہے لہٰذا گناہ نہ ہوگا اگر چہ اس نے اپنے کلام کا غیر مراد لیا ہے۔ اگر حالف ظالم ہے تو نیت مستحلف پر قسم ہوگی، کیونکہ اس وقت وہ گنہگار ہوگا اگر اس نے ظاہر کے خلاف نیت کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصل میں نیت مستحلف کی معتبر ہے البتہ اگر قسم طلاق، یا آزادی وغیرہ کی ہو تو حالف کی نیت معتبر ہے جب کہ وہ ظاہر کے خلاف مراد نہ لے رہا ہو حالف ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ اسی طرح اگر قسم اللہ تعالیٰ کی ہو اور حالف مظلوم ہو تو حالف کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ ظالم وہ ہے جو اپنی قسم سے دوسرے کا حق باطل کر رہا ہو۔

حنبلی حضرات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے متفق ہیں پس جس نے قسم تاویل کے ساتھ اٹھائی یعنی ظاہر کے خلاف احتمال رکھنے والا معنی مراد لیا تو مظلوم ہونے کی صورت میں اس کی نیت درست ہے ظالم ہونے کی صورت میں درست نہیں۔ شوافع نے فرمایا: کہ قسم میں صرف حالف کی نیت کا اعتبار ہے کیونکہ قسم سے وہ معنی مقصود ہے جو حالف کے نفس کے ساتھ قائم ہو ظاہر لفظ کا اعتبار نہیں ہے۔

---

[1] ...... بدایۃ المجتہد ص ۴۰۳ جلد نمبر ۱۔ البدائع ۳/ ۲۰۔ الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۱/ ۸۱، مغنی المحتاج ۴/ ۳۲۱ المغنی ۸/ ۷۲۷، ۷۶۳، الشرح الکبیر للدردیر وحاشیہ الدسوقی ۲/ ۱۳۹ القوانین الفقہیۃ ص ۱۶۲ الفوائد البھیہ فی القواعد الفقھیہ للشیخ محمود حمزہ ص ۳۵۔

غیر اللہ کی قسم صورۃً اور معنیً یعنی مخلوق کی قسم ...... جب انسان غیر اللہ کی قسم اٹھائے جیسے اسلام، انبیاء کرام علیہم السلام، ملائکہ، کعبہ، نماز، روزہ، حج وغیرہ کی یا کہے مجھ پر اللہ کی ناراضگی اور اس کا عذاب یا باپ، ماں، بیٹے یا صحابہ کرام علیہم الرضوان، یا آسمان وزمین، سورج، چاند ستاروں وغیرہ کی قسم اٹھائے یا آپ کی زندگی، عمر، جس نے یا حق کی قسم اٹھائے تو بالا جماع یہ قسم نہیں ہے اور ایسا کرنا ناپسندیدہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ڈرتا ہوں کہ یہ گناہ ہوگا تاہم کفارہ نہیں ہے کیونکہ غیر اللہ کی قسم اٹھائی ہے اور لوگ اگرچہ آباء وغیرہ کی قسم اٹھاتے ہیں لیکن شریعت نے منع کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا: تم اپنے آباء اور بتوں کی قسمیں نہ اٹھاؤ، جس نے قسم اٹھانی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی اٹھائے یا چھوڑ دے جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا نیز اس طرح کی قسم جس کی قسم اٹھائی جارہی ہے اس کی تعظیم کے لئے ہے اور اس طرح کی تعظیم کی مستحق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

''صورۃً غیر اللہ کی قسم لیکن معنی اور کنایہ کے اعتبار سے وہ اللہ تعالیٰ کی ہی قسم ہو'' وہ ایسی قسمیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرب والی عبادات کے غیر کے ساتھ اٹھائی جائیں۔

مثلاً طلاق، غلام کی آزادی، مکہ تک پیدل جانا، روزہ اور صدقے وغیرہ کی قسم۔ یہ شرط اور جزاء کے ذکر کرنے کے ساتھ ہوگا اور اس وجہ سے کہ وہ شرط کے حاصل کرنے سے روکتا ہے اور قسم پوری کرنے کا باعث ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرح ہوگیا یہ قسم **ان اذا اذما متی متی ما مھما کلما** میں سے کوئی ایک حرف شرط استعمال کرنے کے ساتھ ہوگا۔ مثلاً اپنی بیوی سے کہے: ''اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق یا جب داخل ہوئی تو طلاق'' پس جب گھر میں داخل ہونا پایا جائے گا طلاق ہوجائے گی، کیونکہ یہ شرط کے حروف ہیں پس جب شرط پائی جائے گی وہ اپنی قسم میں حانث ہوجائے گا اگر اس کا داخل ہونا دوبارہ ہوجائے تو دوبارہ طلاق نہ پڑے گی کیونکہ یہ حروف تکرار کا تقاضا نہیں کرتے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جس چیز کی قسم اٹھائی اس کو نافذ کرنا لازم ہے اس میں کفارہ نہیں ہے۔

اگر اپنی بیوی کو یوں کہا: ''تو جب بھی اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے'' تو دخول دار کے ساتھ حانث ہوجائے گا اگر دخول دار مکرر ہو تو طلاق بھی مکرر ہوگی، لہٰذا ہر مرتبہ ایک طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ ''کلما'' کا لفظ فعل کا تکرار چاہتا ہے اور وہ ''دخول'' فعل پر داخل ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب دخول دار اسی نکاح میں مکرر ہو۔ اگر اس کو تین طلاقیں ہوجائیں پھر دوسری جگہ وہ نکاح کرے پھر پہلے شوہر کی طرف لوٹے اور اسی گھر میں داخل ہوجائے تو امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ تمام حنفیوں کے ہاں طلاق نہ ہوگی کیونکہ جزاء کا محل فوت ہوگیا ہے۔ اگر کہا ''جس عورت سے میں نکاح کروں اس کو طلاق ہے'' پھر ایک عورت سے شادی کی تو طلاق ہوجائے گی شرط کے پائے جانے کی وجہ سے پھر دوبارہ اگر اسی عورت سے شادی کی تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ طلاق زواج پر موقوف ہے۔

تعلیق بالشرط کے علاوہ کیونکہ اس نے طلاق ایسی عورت پر واقع کی ہے جس سے وہ شادی کرے اور نکاح سے وہ اس کی بیوی کہلائے۔ اگر دوسری عورت سے نکاح کیا اس کو بھی طلاق ہوجائے گی کیونکہ ''کل'' کا لفظ اسماء کے عموم کا فائدہ دیتا ہے یعنی جو بھی عورت نام کے ساتھ متصف ہو اور ''کل'' افعال کے عموم وتکرار کا فائدہ نہیں دیتا۔

ایک قسم میں دو شرطوں کو جمع کرنا ...... اگر قسم اٹھانے والے نے حرف عطف واو کے ذریعے دو شرطوں کو جمع کیا تو طلاق دونوں شرطوں کے پائے جانے کے بعد ہی واقع ہوگی۔ مثلاً کہے: ''اگر تو اس گھر اور اس گھر میں داخل ہوں تو تجھے طلاق'' تو دونوں گھروں میں داخل ہونے کے بعد ہی طلاق واقع ہوگی چاہے شرط کلام میں مقدم ہو یا مؤخر یا درمیان میں اور ان گھروں میں داخل ہونے میں ترتیب بھی شرط نہیں، کیونکہ واو مطلق جمع کے لئے آتا ہے اور ایک شئی کو دوسری اسی جنس پر عطف کرنے کے لئے، لہٰذا شرط کا عطف شرط پر ہوگا جزاء پر نہیں۔ اس طرح اگر عطف فاء کے ذریعے کیا تو بھی دونوں شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے مثلاً یوں کہا: اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی (پھر ''فا'' کے ساتھ **فھذہ**

الـدار کہا) پس تجھے طلاق ہے اس صورت میں دونوں گھروں میں ترتیب اور ایک دوسرے کے بعد بغیر مہلت کے داخل ہونا شرط ہے۔اس طرح ''ثـم'' کے ساتھ عطف میں بھی دونوں شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے مثلاً کہا: اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی پھر اس گھر میں تو تجھے طلاق ہے تو طلاق واقع ہوگی جب دونوں گھروں میں ترتیب اور مہلت کے ساتھ داخل ہو یعنی پہلے ایک گھر میں داخل ہو تو کچھ وقفہ کے بعد دوسرے میں داخل ہو کیونکہ ثم ترتیب مع التراخی کے لئے ہے۔ دونوں شرطوں کو جمع کرنے کی صورت میں حکم میں کوئی فرق نہیں آتا چاہے حرف عطف فعل کے ساتھ دوہرایا جائے یا فعل کے بغیر۔فعل کے ساتھ جیسے اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی اور اس گھر میں داخل ہوئی واو، فـاء یا ثـم کے ساتھ یہی حکم ہے۔

اگر اس نے کہا ''قسمیں مجھے لازم ہیں'' تو مالکیہ کے ہاں اس صورت میں عرف مراد ہے اور بعض علاقوں میں اس سے مراد تین طلاقیں ہوتی ہیں لہٰذا لازم ہو جائیں گی۔

قسموں کا ایک یا دو مجلسوں میں دوہرانا...... اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ خدا کی قسم میں فلاں سے بات نہیں کروں گا پھر اسی مجلس یا دوسری میں یہی قسم دھرائی یا اپنی بیوی سے کہا اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے پھر تھوڑی دیر بعد یہی جملہ دھرایا، تو یہاں تین احتمال ہیں۔

(الف)...... یا دوسرے جملے سے کوئی نیت نہیں یا دوسرے جملے سے شدت پیدا کرنی ہے یا دوسرے جملے سے پہلا والا ہی مراد ہے۔اگر کوئی نیت نہ ہو تو یہ دو قسمیں ہیں یہاں تک کہ اگر اس نے گفتگو کرلی تو دو کفارے لازم ہوں گے اور طلاق کی صورت میں دو طلاقیں ہوں گی اگر شرط پائی جائے۔❶

(ب)...... اگر دوسری قسم سے تغلیظ مقصود تھی تو بھی دو قسمیں ہیں: اور کلام کی صورت میں دو کفارے اور طلاق کی صورت میں دو طلاقیں ہوں گی۔ان دونوں صورتوں کی دلیل یہ ہے کہ اس نے جس پر قسم اٹھائی اور جس لفظ کے ساتھ اٹھائی ان دونوں کو دھرایا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اس نے دوسری قسم کا ارادہ کیا ہے۔❷

(ج)...... اگر دوسرے جملے سے پہلا ہی مراد ہے تو ایک قسم ہوگی کیونکہ اس صورت میں تکرار کی نیت کی ہے اور تاکید کے لئے عرف میں اس طرح استعمال ہوتا ہے لیکن طلاق کے مسئلے میں عدالتی کاروائی میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی تاہم فتویٰ کی رو سے اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ اس کا کلام قسم کے دھرانے میں ظاہر ہے تو ظاہر کے خلاف نیت کرے گا تو اس کے اور اس کے رب کے درمیان معاملے کے اعتبار سے اس کی بات مانی جائے گی۔ مالکی حضرات نے احناف رحمۃ اللہ علیہم کی طرح فرمایا ہے کہ جب ایک چیز پر کئی مرتبہ قسم اٹھائے تو کئی قسمیں ہوں گی اور ہر قسم کا کفارہ ہوگا البتہ اگر تاکید وغیرہ کی نیت کرے تو ایک قسم ہوگی۔حنبلی حضرات فرماتے ہیں: اگر ایک شے پر قسم کو دھرایا مثلاً اللہ کی قسم میں قریش سے جنگ کروں گا، اللہ کی قسم میں قریش سے جنگ کروں گا۔ اللہ کی قسم میں قریش سے جنگ کروں گا اور پھر قسم توڑ دے تو ایک ہی کفارہ ہوگا۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں ❸ ایک حنابلہ اور دوسرا مالکیہ کی طرح ہے راجح قول مالکیہ کی طرح ہے۔

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ کیا قسموں کی جنس الگ ہونا قسموں کے متعدد ہونے کا سبب ہے یا گنتی اور عدد میں ایک سے زیادہ ہونا معتبر ہے لہٰذا جنہوں نے ''عدد'' کا اختلاف معتبر مانا تو ان کے نزدیک ہر قسم پر الگ کفارہ ہے جب مکرر ہو اور جس نے جنس کے الگ ہونے کا اعتبار کیا تو ان کے ہاں ایک ہی کفارہ ہے اس مسئلہ میں کیونکہ جنس ایک ہی ہے۔

---

❶...... البدائع ص ۱۰ الفتاوی الھندیۃ: ۵۳/۲، تحفۃ الفقھاء ۴۴۶/۲ ومابعدھا۔❷المغنی ۷۰۵/۸۔❸المھذب ۱۳۱/۲ مغنی المحتاج ۳۲۳/۴۔

تیسری بحث قسم کے صحیح ہونے کی شرائط......قسم کے صحیح ہونے کے لئے حنفیوں نے چند شرائط لگائی ہیں: قسم اٹھانے والے کے لئے دوشرطیں ہیں: ایک یہ کہ قسم اٹھانے والا عقلمند اور بالغ ہو اور قسم کے نیت کرسکتا ہو لہٰذا بچے، پاگل اور سوئے ہوئے کی قسم معتبر نہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ حالف مسلمان ہو لہٰذا کافر کی قسم نہ ہوگی کیونکہ قسم کا کفارہ عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے۔ کفارے کے عبادت ہونے پر دلیل یہ ہے: کہ کفارہ نیت کے بغیر ادا نہیں ہوتا اسی طرح حانث کے علاوہ کوئی اور ادا کرے تو بھی ادا نہ ہوگا یہ دونوں حکم عبادات کے ساتھ خاص ہیں کیونکہ عبادت کے علاوہ میں نیت شرط نہیں اور قرض، غصب وغیرہ دوسرے کے ادا کرنے سے ادا ہو جاتے ہیں: لہٰذا کافر عبادت کا اہل نہیں تو اس کی قسم سے کفارہ لازم نہ ہوگا۔ حنفیوں کے علاوہ باقی حضرات فرماتے ہیں❶ کہ کافر کی قسم بھی درست ہے اور اس پر کفارہ لازم ہوگا خواہ کفر میں حانث ہو یا اسلام لانے کے بعد۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں اعتکاف کریں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا❷ نیز کافر اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھانے کا اہل ہے ”ارشاد ربانی دلیل ہے“ پس وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھاتے ہیں۔ المائدہ ۵/۱۰۶

البتہ آزاد ہونا شرط نہیں لہٰذا غلام کی قسم بھی درست ہے اور غلامی کی حالت میں وہ صرف روزوں کا کفارہ ادا کرسکتا ہے اسی طرح حنفیوں اور مالکیوں کے ہاں اپنے اختیار سے قسم اٹھانا بھی شرط نہیں لہٰذا جس پر جبر کیا جائے اس کی قسم بھی درست ہے کیونکہ ان تصرفات میں سے ہے جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے لہٰذا جبر قسم میں کوئی اثر نہیں ڈالے گا جس طرح طلاق نذر وغیرہ میں۔

امام شافعی واحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حالف کا مختار ہونا شرط ہے لہٰذا مکرہ (جس پر جبر کیا جائے) کی قسم منعقد نہ ہوگی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس پر قہر و جبر کیا جائے اس کی قسم نہیں ہے❸ اور اس لئے بھی کہ اس بات پر اس کو ناحق مجبور کیا گیا لہٰذا درست نہیں جس طرح کفر کا کلمہ زبردستی کہلوایا جائے جیسا کہ اس کا بیان قسم کی قسموں میں گزر چکا۔

جس چیز پر قسم اٹھائی جائے اس کی شرطیں......امام ابوحنیفہ ومحمد وزفر رحمہم اللہ کے ہاں جس چیز پر قسم اٹھائی جائے (محلوف علیہ) کے لئے ایک ہی شرط ہے کہ اس کا پایا جانا ممکن ہو❹ قسم کے وقت حقیقت میں پائی جائے اور قسم کی باقی رہنے کی حالت میں بھی۔ یا آئندہ کسی کام پر قسم اٹھانے اور قسم کے باقی رہنے کی بھی شرط ہے لہٰذا جس کا پایا جانا محال ہو اس کام کی قسم منعقد نہ ہوگی اسی طرح اگر وہ کام قسم کے بعد ایسا ہو جائے کہ اس کا پایا جانا محال ہو تو قسم باقی نہ رہے گی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ قسم کے منعقد ہونے اور باقی رہنے کے لئے شرط نہیں ہے بس شرط یہ ہے کہ قسم آئندہ کسی کام کی اٹھائی جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اس بات پر متفق ہیں کہ قسم کے منعقد ہونے کے لئے اس کام کا عادت کے اعتبار سے پایا جانا ضروری نہیں البتہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ضروری قرار دیا ہے کہ اس کے بغیر قسم منعقد نہ ہوگی۔ یہ اختلاف حقیقی محال اور عادی محال کی مثالوں سے واضح ہو جائے گا اس کی بعض مثالیں قسم کی اقسام میں گزر چکی ہیں:
پہلی قسم کی مثالیں یعنی حقیقی محال کی مثالیں اگر کوئی آدمی کہے: ”بخدا میں اس برتن میں موجود پانی پیؤں گا اور پتہ چلا کہ اس میں پانی نہیں ہے تو یہ قسم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ومحمد رحمۃ اللہ علیہ وزفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں منعقد نہ ہوگی کیونکہ قسم کے تحقق کی شرط نہیں پائی گئی (یعنی اس برتن میں موجود پانی کے پینے کا متصور ہونا) اور امام ابو یوسف کے ہاں قسم منعقد ہوگی کیونکہ ان کی رائے کے مطابق شرط پائی گئی یعنی محض مستقبل کی طرف اس کام کا منسوب ہونا اگر قسم اٹھانے والا جانتا ہو کہ برتن میں پانی نہیں تو یہ محال عادی ہے لہٰذا حنفی آئمہ ثلاثہ کے ہاں قسم منعقد ہو جائے گی

---

❶......مغنی المحتاج ۴/۳۲۰ المغنی ۸/۶۷۶ المیزان للشعرانی ۲/۱۳۰۔ ❷ صحاح ستہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں: یا رسول اللہ! میں نے جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک دن اعتکاف کروں گا۔ فرمایا: اپنی نذر پوری کرو، بخاری نے اضافہ فرمایا: ”ایک رات کا اعتکاف کرو“ امر کے صیغہ کے ساتھ۔ جامع الاصول ۱۲/۱۸۵۔ الالمام ص ۳۱۲ سبل السلام ۴/۱۱۵، نیل الاوطار ۸/۲۴۹ نصب الرایہ ۳/۳۰۰۔ ❸ یہ حدیث ضعیف ہے اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ ❹ یعنی اس قسم کو پورا کیا جاسکتا ہے۔

سوائے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اختلاف اس صورت میں بھی ہوگا جب قسم کو وقت کے ساتھ بیان کرے کہ بخدا میں آج اس برتن میں موجود پانی پیوں گا اگر حالف نے کہا: ''بخدا میں فلاں کو قتل کروں گا'' اور فلاں آدمی مر چکا تھا لیکن حالف کو اس کے مرنے کی خبر نہیں تو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و محمد رحمۃ اللہ علیہ و زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قسم منعقد نہ ہوگی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں منعقد ہوگی۔ یہ اختلاف اس صورت میں بھی ہوگا جب کوئی کہے: ''بخدا میں فلاں کا قرض کل ادا کروں گا'' پھر اسی دن ادا کر دیا یا صاحب قرض نے کل آنے سے پہلے ہی اسے معاف کر دیا تو طرفین و زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حانث نہ ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ و الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حانث ہو جائے گا۔ اسی طرح شوہر نے طلاق کی قسم میں کہا: اگر میں یہ پانی آج نہ پیؤں تو میری بیوی کو طلاق ہے پھر وہ دن ختم ہونے سے پہلے ہی پانی گرا دیا گیا تو طرفین و زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حانث نہ ہوگا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ و الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہاں حانث ہو جائے گا۔

دوسری قسم یعنی جو عادۃً محال ہو اس کی مثالیں...... اگر کوئی کہے: ''اللہ کی قسم میں آسمان کو ضرور چھوؤں گا'' ''یا آسمان پر چڑھوں گا'' اس پتھر کو سونا بناؤں گا، اس کا حکم یہ ہے کہ تینوں حنفی ائمہ کے ہاں سوائے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قسم منعقد ہو جائے گی۔

دلائل...... محال حقیقی پر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قسم اٹھانے والے نے اپنے حانث ہونے کے لئے شرط لگائی کہ مذکورہ کام قتل، پانی پینا وغیرہ نہ پائے جائیں جب شرط پائی جائے تو حانث ہو جائے گا۔ جس طرح محال عادی میں ہوتا ہے طرفین اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قسم منعقد ہوتی ہی اسی لیے ہے کہ اس کو پورا کیا جائے اور کفارہ اس لیے لازم ہوتا ہے کہ قسم توڑنے سے لازم ہونے والے گناہ کو چھپایا جائے پس جب اس قسم کو پورا کرنا ممکن ہی نہیں تو قسم کے منعقد کرنے میں بھی کوئی فائدہ نہیں اس لئے منعقد نہ ہوگی اس کے برخلاف جو محال عادی ہے اس میں قسم کا پورا کرنا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو آسمان پر چڑھنے کی قدرت عطا فرمائیں جس طرح انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کو یہ قدرت عطا فرمائی ہے لیکن عادت کے اعتبار سے چونکہ وہ شخص عاجز ہے لہٰذا عادۃً قسم کو پورا نہ کرسکنے کی وجہ سے حانث ہو جائے گا۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے محال عادی میں قسم کے منعقد نہ ہونے کی یہ دلیل دی ہے کہ محال عادی محال حقیقی کی طرح ہے تو جس طرح محال حقیقی میں قسم منعقد نہیں ہوتی اسی طرح محال عادی میں بھی نہ ہوگی۔ محال عادی میں قسم کے منعقد ہونے پر جمہور حنفیوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی بھی چیز کی حقیقت اور عادت دونوں کی رعایت رکھنی چاہئے جب تم نے قسم کا منعقد ہونا ثابت کیا تو گویا حقیقت اور عادت دونوں کا اعتبار کیا اور یہ صرف عادت کا اعتبار کرنے سے بہتر ہے یا حقیقت کو بالکل لغو کر دینے سے جس طرح کہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے۔

خلاصہ...... یہ ہے کہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے محال حقیقی اور عادی دونوں کا ایک ہی حکم رکھا ہے کہ قسم منعقد نہیں ہوگی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو برابر قرار دیا کہ قسم منعقد ہوگی اور طرفین نے محال حقیقی میں قسم کو غیر منعقد اور محال عادی میں منعقد قرار دے کر دونوں قسموں میں فرق کیا۔

باقی ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے بھی محال عادی میں جمہور حنفیوں کی رائے کی موافقت کی ہے البتہ محال عقلی میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حنابلہ میں سے قاضی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ متفق ہیں جس طرح کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابوالخطاب حنبلی طرفین اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اس سب کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

قسم کے رکن کی شرط...... جو لفظ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ قسم میں استعمال ہو وہ مقسم بہ اور مقسم علیہ سے مرکب ہوتا ہے۔ مقسم بہ کی بحث قسم کے صیغوں کے عنوان کے تحت ہو چکی ہے۔ ''قسم میں استثناء'' جمہور فقہاء کرام نے شرط لگائی ہے کہ قسم استثناء سے خالی ہونی چاہئے مثلاً ''انشاء اللہ'' اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا، یا ''ماشاء اللہ'' وغیرہ الفاظ نہ کہے یا اگر اس کے علاوہ کوئی اور بات ظاہر ہو جائے یا اگر اس کے علاوہ دیکھوں یا اس کے علاوہ پسند کروں یا کہے اگر اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی یا اگر یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہو یا اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ یا اس کے آسان

کرنے کے ساتھ وغیرہ الفاظ استعمال نہ کرے۔ اگر قسم اٹھانے والے نے اوپر ذکر کردہ الفاظ میں سے کوئی قسم کے ساتھ ملا کر کہا تو اس کی قسم نہ ہوگی یعنی استثناء کو قسم میں بالاتفاق دخل حاصل ہے البتہ اگر استثناء دیر سے کیا تو قسم منعقد ہوجائے گی۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قسم اٹھائی اور انشاء اللہ کہا تو حانث نہیں ہوگا❶ اور ابوداؤد کی روایت ہے کہ جس نے قسم اٹھائی اور استثناء کیا تو اگر چاہے تو رجوع کرے اگر چاہے تو چھوڑ دے❷ اس حدیث میں **من حلف فاستثنی** کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ استثناء متصل ہو (کیونکہ ''فاء'' تعقیب بلاتراخی کے لئے ہے)۔

استثناء اگر ان شاء اللہ سے یا ''الا'' سے تو اس سے قسم کے غیر منعقد ہونے کے لئے مالکی حضرات نے تین شرطیں ذکر فرمائی ہیں اور وہ یہ ہیں: پہلی شرط یہ ہے کہ انشاء اللہ وغیرہ کا تلفظ زبان سے کیا جائے صرف اس کی نیت کافی نہیں ہے۔ دوسری شرط یہ کہ انشاء اللہ وغیرہ قسم کے ساتھ ملے ہوئے ہوں البتہ کھانسی، چھینک یا جمائی وغیرہ سے فرق نہیں پڑے گا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر تھوڑا سا وقفہ یاد دھانی یا سانس لینے یا آواز کے ختم ہونے کی وجہ سے ہو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ استثناء سے مقصود قسم کو ختم کرنا ہو اگر اس کا مقصد قسم کو پکا کرنا یا اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا یا ان الفاظ سے ادب یا برکت حاصل کرنا ہو تو استثناء کے باوجود قسم ہوجائے گی تاہم نذر اور منت میں انشاء اللہ کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ باقی فقہاء کرام پہلی دو شرطوں میں ان حضرات کے ساتھ متفق ہیں۔❸ اگر حالف یہ کہے: ''اگر فلاں چاہے'' تو اگر اس کی چاہت کا علم نہ ہو اس وجہ سے کہ وہ موجود نہیں یا پاگل ہے یا فوت ہوچکا ہے تو قسم ختم ہوگئی کیونکہ شرط نہیں پائی گئی اور اگر اس کی چاہت کا پتہ چل جائے اور وہ چاہے تو حالف پر وہ کام لازم ہوجائے گا۔

چوتھی بحث......وہ افعال اور کام جن پر قسم اٹھائی جاتی ہے

اس قسم کے احوال کا ذکر ہے۔ عام طور پر انسان ان کاموں پر قسم اٹھاتا ہے جو اس کو اکثر پیش آتے ہیں۔ مثلاً کھانا، پینا گھر میں داخل ہونا، نکلنا، بیٹھنا، سوار ہونا، کپڑے پہننا، گفتگو کرنا اور مارنا وغیرہ اور اس کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ان افعال پر اپنے آپ کو ابھارا جائے یا نفس کو ان سے روکا جائے تو اگر وہ اپنی قسم کے خلاف کرے تو حانث ہوگا اور کفارہ لازم ہوگا۔ اس لئے مناسب ہے کہ اس بحث کو یہ نام دیا جائے۔ ''جن کاموں کا لوگوں میں کثرت سے پایا جانا ہے جن پر گفتگو گیارہ مقاصد میں ہوگی ان افعال کی قسم کے حالات کا بیان، ان مقاصد کو شروع کرنے سے پہلے فقہاء کرام رحمہم اللہ کے اختلافی مسائل کو ثابت کرتا ہوں نیز وہ مسائل جن کے جاننے پر اصل مقاصد موقوف ہیں ان کو ذکر کرتا ہوں۔ کیا قسموں کا مدار عرف پر ہے یا نیت پر یا قسم کی لفظ پر؟ احناف فرماتے ہیں کہ قسمیں عرف اور عادت و رواج پر مبنی ہیں نہ کہ نیت اور مقصد پر کیونکہ حالف کا مقصد اس کے نزدیک متعارف معاملہ ہے لہٰذا اس کی قسم اس کی غرض کے ساتھ مقید ہوگی یہی اصول حنفیوں کے ہاں اکثر ہے اور کبھی ان کے ہاں قسموں کا مدار الفاظ پر بھی ہوتا ہے نہ کہ مقاصد پر۔❹

شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ قسموں کا تعلق لفظ کے صیغہ سے ہے کیونکہ حقیقت زیادہ حق دار ہے کہ اس کا ارادہ کیا جائے البتہ کسی چیز کی نیت کرے تو اس کی نیت پر عمل کیا جائے گا۔ مثلاً اس نے قسم اٹھائی کہ ''سروں'' کو نہیں کھائے گا اور مچھلی کے ''سر'' کھائے تو جس نے عرف کا

---

❶......رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (راجع جامع الاصول ۱۲/ ۲۹۸ نصب الرایۃ ۳/۳۰۲)❷رواہ اصحاب السنن الاربعۃ (راجع، مجمع الزوائد ۴/۱۸۲، الالمام ص ۴۲۷، نیل الاوطار ۸/۲۱۹ سبل السلام ۴/۱۰۳ والمرجعان السابقان۔❸المغنی ۸/۷۱۶ وما بعدھا۔❹ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل میں فرمایا (۱/ ۳۰۴) کہ یہ دونوں قاعدے دوسرے مقید ہیں پس یہ قاعدہ کہ قسموں کا مدار عرف پر ہے تو اس سے مراد وہ عرف ہے جو لفظ سے بھی ثابت ہو سکے اور یہ قاعدہ کہ قسموں کا تعلق الفاظ سے ہے اس سے مراد بھی عرفی الفاظ ہیں جب ان دونوں میں تعارض ہو تو عرف کو ترجیح ہوگی۔

لحاظ رکھا اس کے ہاں حانث نہ ہوگا اور جس نے لفظ کے لغوی معنی کی دلالت کا لحاظ رکھا تو ان کے یہ شخص حانث ہوگا اسی طرح جس نے قسم اٹھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا اور اس نے چربی کھائی تو لفظ کی رعایت والوں کے ہاں حانث ہوگا دوسروں کے ہاں حانث نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اکثر وبیشتر لغت کی دلالت کا اعتبار کرتے ہیں جب لغت ظاہر اور شامل ہو اور کبھی عرف کی اتباع کرتے ہیں جب عرف مشہور اور جامع ہو۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی مشہور روایت یہ ہے: کہ وہ معاملات جن کا تعلق لوگوں سے نہیں ہے۔ ❶ تو ان میں نیت کا اعتبار ہوگا (یعنی دعووں میں نیت معتبر نہ ہوگی بلکہ اس میں قسم دلوانے والے کی نیت معتبر ہے۔)

اگر نیت نہ ہو تو قرینہ حالیہ کا اعتبار ہوگا اگر قرینہ بھی نہ ہو تو لوگوں کے ہاں اس لفظ سے جو مراد ہو اس کا اعتبار ہوگا اگر عرف بھی نہ ہو تو لغت کی دلالت کا اعتبار ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ نیت یا لفظ کا لغوی معنی مراد لیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ نیت اور قسم کے سبب کا اعتبار ہوگا ❷ جیسے علم معانی میں مقام یا سیاق کا قرینہ کہا جاتا ہے اور نذر ومنت میں ان شاء اللہ وغیرہ کا استثناء مفید نہ ہوگا۔ رہی وہ قسمیں جن میں قسم اٹھانے والے کے خلاف عدالتی فیصلہ ہوتا ہے تو فتویٰ کے میدان میں ترتیب کے ساتھ ان شرائط کا اعتبار کیا جائے گا تو اگر اس کے خلاف ہو تو اس میں صرف لفظ کی ہی رعایت کی جائے البتہ اس کی نیت کی تائید اگر قرینہ یا عرف سے ہو تو نیت معتبر ہوگی۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں دلیل کو عرف کی وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے تو انہوں نے قسموں کو عرف کی طرف لوٹایا ہے اگرچہ الفاظ میں عرف کے خلاف معنی ہو جس طرح کسی نے قسم اٹھائی کہ گھر میں داخل نہ ہوگا تو مسجد میں داخل ہونے سے قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ عرف میں اس کو "بیت" نہیں کہا جاتا۔ ❸ حنبلی حضرات فرماتے ہیں کہ قسموں میں حالف کی نیت کا اعتبار ہے اگر وہ اپنی قسم سے لفظ کا احتمالی معنی مراد لے تو اس کی قسم کو اسی طرف پھیرا جائے گا چاہے اس کا مراد لیا ہوا معنی لفظ کے ظاہر کے موافق ہو یا مخالف ہو۔ ❹

کیونکہ حدیث پاک ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔ ❺ اگر اس کی کوئی بھی نیت نہ ہو تو اس سبب کی طرف لوٹیں گے جس نے اس کو قسم پر ابھارا ہے کیونکہ وہ سبب نیت پر دلالت کرے گا۔ اگر اس نے قسم اٹھائی کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اس گھر میں رات نہیں گزارے گا، تو اس قسم کا سبب گھر کی نفرت ہو کسی تنگی تکلیف کی وجہ سے جو اس گھر کی وجہ سے لاحق ہوئی تو قسم اس گھر کے ساتھ خاص ہوگی اور اگر اس قسم کی وجہ عورت ہے کہ اس نے کوئی تکلیف پہنچائی ہے اور اس میں گھر کا کوئی دخل نہ ہو تو اس قسم کا تعلق عورت کے ساتھ رات گزارنا ہے جس گھر میں ہو۔ ہم پہلے جان چکے ہیں کہ یہ بحث گیارہ مسائل پر مشتمل ہے:

۱: پہلا مسئلہ: داخل ہونے پر قسم اٹھانا...... میں شروع کرتا ہوں ان افعال سے جن کے کرنے پر قسم اٹھائی جاتی ہے ان میں پہلا گھر یا کسی جگہ میں داخل ہونا ہے کیونکہ یہ ان اہم اسباب میں سے ہے جو مشکلات پیدا کرتے ہیں اور تقاضہ کرتے ہیں کہ اٹھائی ہوئی قسم کو ختم کیا جائے کیونکہ انسان خود یا کوئی اور کسی جگہ میں داخل ہونے سے رکا ہوا ہوتا ہے۔ "دخول کا معنی" باہر سے اندر منتقل ہونے کو دخول کہا جاتا ہے۔ اگر

---

❶ ......جن چیزوں کا تعلق حقوق العباد وغیرہ سے ہے تو اس میں میں حالف کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔ ❷ حدود ابن عرفہ ص ۱۳۷ ❸ الاعتصام ۱۴۱/۲۔ ❹ تبیین الحقائق ۱۱۶/۳، البدائع: ۳۸/۳، الفتاویٰ الهندیہ ۶۳/۲ الدرالمختار ۷۸/۳ رسائل ابن عابدین ۲۹۲/۱، الاشباه والنظائر لابن نجیم ص ۸۲، بدایة المجتهد ۳۹۸/۱، ۴۰۲ وما بعدها الشرح الکبیر للدردیر ۱۳۵/۲، ۱۳۹، مغنی المحتاج ۳۳۵/۴، المغنی، ۷۶۳/۸ القوانین الفقهیة ص ۱۶۱۔۱۷۱۔ ❺ رواه البخاری ومسلم عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه یہ متواتر حدیث ہے تیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ (شرح مسلم ۵۳/۱۳ الاربعین النوویة ص ۱۶، النظم المتناثر من الحدیث المتواتر للسید جعفر الکتانی ص ۱۷۔

کسی نے قسم اٹھائی کہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا حالانکہ وہ اس میں تھا پھر قسم کے بعد اس میں ٹھہرا رہا تو استحساناً حانث نہ ہوگا قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حانث ہو جائے یہی قول ہے حنفیوں کے علاوہ حضرات کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فعل پر باقی رہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ نئے سرے سے فعل کیا ہے اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ دخول کا معنی اس میں نہیں پایا جا رہا کیونکہ دوام ٹھہرنا ہے اور ٹھہرنا انتقال نہیں ہے (جب کہ دخول کا معنی باہر سے اندر منتقل ہونا ہے لہٰذا دوام میں نہیں پایا جا رہا) اگر قسم اٹھائی کہ گھر، مسجد یا حمام میں داخل نہیں ہوگا تو جس طرح بھی داخل ہو چاہے دروازے سے داخل ہو یا کسی اور طرح سے حانث ہو جائے گا کیونکہ داخل ہونا پایا گیا اگر اس کی چھت پر اترا تو شوافع کے علاوہ باقی جمہور کے ہاں حانث ہوگا کیونکہ چھت بھی گھر کا حصہ ہے اسی طرح اگر اس کی کسی دیوار پر کھڑا ہو جائے تو بھی حانث ہوگا کیونکہ وہ بھی گھر میں داخل ہے لہٰذا دیوار چھت کی طرح ہوگی یہی مذہب مالکی اور حنبلی حضرات کا ہے کہ چھت گھر کا حصہ ہے اس کا بھی وہ حکم ہے۔

شوافع فرماتے ہیں کہ اگر باہر سے چھت پر چڑھ جائے تو حانث نہ ہوگا کیونکہ چھت کو لغت اور عرف میں گھر کے اندر شمار نہیں کیا جاتا کیونکہ چھت ایک رکاوٹ ہے جو گھر کو گرمی، سردی وغیرہ سے بچاتی ہے لہٰذا یہ دیواروں کی طرح ہے۔

اگر گھر کے سائبان پر کھڑا ہوا تو اگر ان کے کھلنے کا رخ گھر کی طرف ہے تو حانث ہوگا کیونکہ اس کی نسبت گھر کی طرف کی جاتی ہے اس لئے گھر کا حصہ ہوگا اگر وہ باہر کی طرف رخ ہو تو حانث نہ ہوگا۔ اگر دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑا ہو جائے تو اگر دروازہ بند ہونے کی صورت میں چوکھٹ باہر رہتی ہو تو حانث نہ ہوگا اگر اندر کی طرف ہو تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ دروازہ گھر میں شامل چیزوں پر بند کیا ہے نہ کہ گھر سے باہر کی چیزوں پر۔ اگر گھر کی دہلیز میں داخل ہوا تو حنفی شافعی حضرات کے اتفاق سے حانث ہے کیونکہ دہلیز گھر میں داخل ہے۔ اگر گھر کے دروازے کے پیچھے میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ سائبان گھر سے خارج ہے۔ اگر حالف نے اپنی ایک ٹانگ گھر میں داخل کی اور دوسری داخل نہ کی تو بالاتفاق حانث نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں داخل ہونا نہیں پایا گیا (یعنی مکمل منتقل ہونا) کیونکہ دخول بعض کا ہوا ہے اسی طرح اگر سر داخل کرے اور قدموں کو داخل نہ کرے۔ ❶

اگر قسم اٹھائی کہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا پھر اس کے گرنے کے بعد داخل ہوا اور تعمیر باقی نہیں تو حانث نہ ہوگا اگر اس نے جس پر قسم اٹھائی اس کو متعین کیا اور کہا کہ اللہ کی قسم میں اس گھر میں داخل نہ ہوں گا پھر اس کی قسم کے بعد تعمیر ختم ہوگئی پھر داخل ہوا تب بھی حانث ہوگا دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے: کہ جب حالف گھر کو متعین کئے بغیر ذکر کیا تو اس سے مراد عرف میں تعمیر شدہ گھر ہوتا ہے تو جب تعمیر نہ پائی گئی حانث نہ ہوگا اور جب گھر کو متعین کیا تو یہ متعین چیز کی طرف اشارہ ہے تو اس سے متعین چیز کی ذات مراد ہے صفت مراد نہیں ہے کیونکہ صفت تو پہچان کے لئے ہوتی ہے اور اشارہ پہچان کے لئے کافی ہے اور گھر کی ذات گرنے کے باوجود قائم ہے کیونکہ ''دار'' تو خالی کھلی جگہ کو کہا جاتا ہے: کہا جاتا ہے یہ دار تعمیر شدہ ہے اور یہ دار غیر تعمیر شدہ ہے عربی کے اشعار اس کی گواہی دیتے ہیں:

اور کھلی جگہ عمارت کے گرنے کے بعد بھی موجود ہے۔ اگر تعمیر دوبارہ کر دی گئی اور اس میں داخل ہوا تو حانث ہوگا خواہ لفظ دار نکرہ ہو یا معرفہ ❷ شافعی اور مالکی حضرات فرماتے ہیں: اگر اس نے گھر کو متعین کیا تھا اور وہ گر گیا پھر خالی میدان رہا یا اس میں کوئی دکان، مسجد، باغ یا حمام وغیرہ بنا دیا گیا اور وہ شخص اس میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اس سے ''دار'' کا لفظ ختم ہو چکا ہے پھر اس کی تعمیر نئے پتھروں اور سیمنٹ وغیرہ سے کی تو اس میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا۔

---

❶..... البدائع ۳/ ۳۶، المبسوط ۸/ ۱۶۸، الفتاویٰ الهندیه ۲/ ۶۴، تبیین الحقائق ۳/ ۱۱۸، فتح القدیر ۴/ ۲۹، ۳۴، الدرالمختار: ۳/ ۸۰، المغنی ۸/ ۷۷۲، ۷۷۵، ۷۷۸۔ مغنی المحتاج ۴/ ۳۳۲، المهذب ۲/ ۱۳۲ القوانين الفقهية ص ۱۶۲ الشرح الکبیر ۲/ ۱۵۴۔ ❷ البدائع ص ۳۷ الدر المختار ۳/ ۸۱، فتح القدیر ۴/ ۳۰، ۳۲ شاعر نے کہا: دار دار ہے اگرچہ اس کی دیواریں گر جائیں اور بیت گر جانے کے بعد بیت نہیں ہے۔

کیونکہ وہ اس گھر کا غیر ہے اور اگر کسی پرانی حالت پر تعمیر کیا گیا تو اس میں دو روایتیں ہیں صحیح یہ ہے کہ حانث ہوگا دوسری یہ کہ حانث نہ ہوگا۔

مسجد میں داخل نہ ہونے پر قسم......اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ اس مسجد میں داخل نہ ہوگا اگر وہ گر کر صحراء ہوگئی پھر داخل ہوا تو بھی حانث ہوگا کیونکہ وہ مسجد ہے اگر چہ تعمیر شدہ نہیں اور اگر مسجد کی چھت پر گیا تو بھی حانث ہوگا کیونکہ وہ مسجد ہے۔

بیت میں داخل نہ ہونے کی قسم......اگر قسم اٹھائی کہ فلیٹ یا اس فلیٹ میں داخل نہ ہوں گا پھر اس کے گرنے کے بعد داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ ''بیت'' اس کو کہتے ہیں جس میں رات گزاری جائے اور رات تو تعمیر شدہ میں گزاری جاتی ہے اسی طرح بیت کا لفظ صرف تعمیر شدہ چھت والی عمارت پر ہی بولا جاتا ہے۔ ''خیمے میں داخل نہ ہونے کی قسم اٹھانا'' اگر قسم اٹھائی کہ اس خیمے میں داخل نہ ہوں گا اور وہ کسی جگہ میں لگایا گیا تھا پھر اکھاڑ کر کسی دوسری جگہ لگا دیا گیا پھر اس میں داخل ہوا تو حانث ہوجائے گا کیونکہ قسم اس چیز کی ذات پر ہوتی ہے اور جگہ بدلنے سے اس کی ذات نہیں بدلی۔

دیوار یا ستون سے ٹیک لگا کر نہ بیٹھنے کی قسم......اگر قسم اٹھائی کہ اس دیوار یا ستون سے ٹیک لگا کر نہ بیٹھوں گا پھر وہ دیوار یا ستون گر گئے پھر اسی ملبے سے ان کو تعمیر کیا گیا پھر وہ شخص بیٹھا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ نئی چیز پرانی کا غیر ہے کیونکہ دیوار جب گر گئی تو اس کا نام ختم ہوگیا اسی طرح ستون ہے۔

قلم، چاقو وغیرہ پر قسم اٹھانا......اگر قسم اٹھائی کہ اس قلم سے نہیں لکھوں گا پھر قلم توڑ دیا کہ اس کی صورت بدل گئی پھر اسے چھیل کر اس سے لکھا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ جب اس کو توڑا تو اس پر سے قلم کا نام ختم ہوگیا لہٰذا قسم باطل ہوگئی اسی طرح اگر چاقو، چھری یا تلوار پر قسم اٹھائی پھر اس کو توڑ دیا اور دوبارہ بنایا تو بھی حانث نہ ہوگا کیونکہ توڑ دینے سے چیز کا نام بدل جاتا ہے۔ اگر حالف نے چاقو یا چھری کے دستہ کی جگہ دوسرا لگا دیا تو حانث ہوگا کیونکہ اس کا نام ختم نہیں ہوا صرف ترکیب کی صفت بدلی ہے۔

قسم اٹھائی کہ گھر میں داخل نہ ہوگا پھر اس کو باغ یا مسجد وغیرہ بنایا گیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ نفع اور استعمال کے اعتبار سے الگ چیز ہے۔

اگر قسم اٹھائی کہ ''بیت'' میں داخل نہ ہوگا پھر مسجد، چرچ، مندر میں داخل ہوا یا کعبہ میں داخل ہو یا حمام میں، یا دہلیز یا سائبان میں داخل ہوا تو بالاتفاق حانث نہ ہوگا کیونکہ بیت اس کو کہتے ہیں جس کو رات گزارنے کے لئے بنایا گیا ہو اور یہ جگہیں رات گزارنے کے لئے نہیں بنائی گئیں نیز عرف میں ان کو بیت نہیں کہا جاتا اور یہ بات معلوم ہے کہ حنفیوں کے ہاں قسموں کا مدار عرف پر ہے اسی طرح ہمارے عرف میں چبوترے میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ اس کو بھی عرف میں بیت نہیں کہا جاتا۔ یہی ثابت شدہ حکم ہے شوافع کے ہاں کیونکہ یہ چیزیں ''بیت'' میں شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ ''بیت'' کا لفظ اس کے لئے ہے جس میں رہائش اور ٹھکانا اختیار کیا جائے اور یہ چیزیں نہ تو اس کے لئے بنائی گئی ہیں نہ عرف میں ان پر گھر کا لفظ بولا جاتا ہے اور ان کے ہاں قسم ٹوٹ جائے گی جس رہائش کے لئے بنائی ہوئی چیز میں داخل ہو خواہ وہ گارے کی ہو یا پتھر، اینٹ کی یا خیمہ ہو یا کھال یا اون وغیرہ سے بنایا ہوا ہو کیونکہ لغت کے لحاظ سے ان پر بھی بیت کا لفظ بولا جاتا ہے قسم اٹھانے والا شہری ہو یا دیہاتی مالکی حضرات نے ان کی مخالفت کی ہے اور فرمایا کہ اگر قسم اٹھائی کہ فلاں کے پاس بیت میں داخل نہیں ہوگا پھر حمام میں اس کے پاس داخل ہوا تو حانث ہوگا البتہ مسجد میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا۔

''گھر کے دروازے سے داخل نہ ہونے کی قسم''......اگر قسم اٹھائی کہ اس گھر کے دروازے سے داخل نہ ہوگا پھر دروازے کے علاوہ کسی جگہ سے داخل ہوا تو بالاتفاق حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ شرط یعنی دروازے سے داخل ہونا نہیں پائی گئی۔ اگر اس گھر میں ایک اور دروازہ بنایا اور اس سے داخل ہوا تو حانث ہوجائے گا کیونکہ قسم اس دروازے کی تھی جو بھی اس گھر کی طرف منسوب ہو لہٰذا پرانا اور نیا دونوں برابر ہیں تاہم

اگر اس نے اپنی قسم میں دروازہ بھی متعین کیا ہو تو حانث نہ ہوگا۔ اگر اس نے نیت کی لیکن الفاظ میں متعین نہ کیا تو آخرت کے معاملہ میں اس کی تصدیق کر دی جائے گی کیونکہ لفظ میں اس کا احتمال ہے لیکن عدالتی کاروائی میں اس کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ وہ مطلق سے مقید مراد لے رہا ہے۔

اگر قسم اٹھائی کہ گھر کے دروازے سے داخل نہ ہوگا تو جس دروازے سے بھی داخل ہو حانث ہوگا البتہ اگر اس نے کوئی خاص دروازہ مراد لیا تو فتوئ میں اس کی تصدیق کی جائے گی عدالتی فیصلے میں تصدیق نہ ہوگی۔ ❶

کسی خاص آدمی کے گھر میں داخل نہ ہونے کی قسم......اگر قسم اٹھائی کہ فلاں کے گھر میں داخل نہ ہوگا اور پھر اس گھر میں داخل ہو جس میں وہ فلاں اور کوئی بھی رہتے ہیں تو فلاں شخص اس میں کرایہ پر رہتا ہو تو قسم ٹوٹ جائے گی اسی طرح اگر فلاں آدمی اس گھر کے بعض حصہ کا مالک ہو تو بھی یہ حانث ہو جائے گا۔ اگر وہ اس میں نہ رہتا ہو تو حانث نہ ہوگا کیونکہ گھر دو کی طرف منسوب کیا گیا ہے ملکیت کی اضافت کے ساتھ اور پورا گھر کسی ایک کا بھی نہیں ہے کیونکہ کچھ حصہ کو گھر تو نہیں کہا جاتا۔ گھر کا مسئلہ اس صورت سے مختلف ہے جب قسم اٹھائی کہ فلاں کی زمین کو کاشت نہیں کروں گا پھر ایسی زمین کاشت کی جو فلاں اور کسی اور کے درمیان مشترک ہو اس صورت میں حانث ہوگا کیونکہ زمین کا ہر حصہ زمین کہلاتا ہے جبکہ گھر کا بعض گھر نہیں کہلاتا۔ مالکی حضرات اور شوافع کی بھی راجح روایت یہ ہے۔ ❷ جس نے قسم اٹھائی کہ زید کی پاس داخل نہیں ہوگا پھر داخل ہوا ایسے گھر میں جس میں زید تھا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ اس پر داخل ہونے کی صورت پائی گئی، لیکن اگر قسم اٹھائی کہ فلاں کو سلام نہیں کروں گا پھر ایک مجمع کو سلام کیا جس میں زید بھی تھا لیکن اس نے زید کا استثناء کیا تو حانث نہ ہوگا۔ اگر زید کا استثناء نہ کیا تو ظاہر روایت یہ ہے کہ حانث ہوگا جس طرح داخل ہونے کے مسئلہ میں ہے۔

فلاں کے گھر میں داخل نہ ہونے کی قسم......اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ فلاں کے گھر میں داخل نہ ہوگا اس کی کوئی خاص نیت نہ تھی پھر اس کے رہائشی گھر کے صحن میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ صحن کو گھر نہیں کہا جاتا گھر تو وہ ہے جس میں رات گزاری جائے اور صحن میں رات نہیں گزاری جاتی اگر اس نے نیت کی تو حانث ہوگا کیونکہ اس نے اپنے اوپر زیادہ سختی کی ہے۔

گھر میں داخل نہ ہونا مگر صرف گزرتے ہوئے......اگر قسم اٹھائی کہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا مگر صرف بطور راستے کے گزرتے ہوئے پھر داخل ہوا اور بیٹھنے کا ارادہ نہ تھا تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ وہ اپنی استثناء کردہ صفت پر داخل ہوا ہے۔ اگر کسی بیمار کی عیادت کے لئے اس گھر میں داخل ہوا اور اس کے پاس بیٹھنے کا ارادہ بھی تھا تو قسم ٹوٹ گئی کیونکہ وہ اپنی استثنائی صفت کے علاوہ داخل ہوا۔ اگر بیمار کے پاس بیٹھنے کا ارادہ نہ تھا لیکن اندر داخل ہونے کے بعد خیال آیا اور بیٹھ گیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ صرف داخل ہونے سے تو حانث نہ ہوا تو پھر دخول پر باقی رہنا تو دخول نہیں ہے۔ اگر اس شخص نے اپنے اس استثناء سے ''مگر صرف بطور راستے کے گزرتے ہوئے'' پھر مراد لیا تھا کہ اس میں دوام اور ہمیشگی نہ ہوگی تو صرف بیٹھنے سے قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ ''عابر سبیل'' اس کو کہا جاتا ہے جو دائمی اور لمبا قیام نہ کرے۔ ❸

فلاں پر داخل نہ ہونے کی قسم......اگر قسم اٹھائی کہ فلاں پر داخل نہ ہوگا پھر اس کے گھر میں اس پر داخل ہوا تو اگر گھر میں ہونے سے اس کے پاس جانے کی نیت تھی تو حانث ہوگا اگر اس کا ارادہ نہ تھا تو حانث نہ ہوگا اس طرح اگر کسی اور کے گھر اس کے پاس گیا تو اگر اس گھر میں جاتے ہوئے اس شخص پر داخل ہونے کی نیت نہ تھی تو حانث نہ ہوگا اس کے پاس داخل ہونے میں نیت کا اعتبار اس لئے کیا گیا کہ انسان جب قسم اٹھاتا ہے کہ فلاں پر داخل نہ ہوگا تو اس کی وجہ اس شخص کی بے اکرامی ہوتی ہے اور کسی کی تعظیم نہ کرنا اور بے اکرامی کرنا یہ صرف نیت اور ارادہ

❶..... البدائع ص ۳۸، فتح القدیر ص ۳۴ المرجع السابق۔ المغنی ۸/۷۷۳۔ ❷ مغنی المحتاج ۴/۳۳۴، الشرح الکبیر ۲/۱۴۵ وما بعدھا ❸ البدائع ص ۳۹

سے ہی ہوتا ہے۔

امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سماعہ سے اس کے خلاف قول ذکر کیا ہے: ایک شخص کے بارے میں فرمایا جس نے یہ قسم اٹھائی کہ اللہ کی قسم میں فلاں کے پاس گھر میں نہیں جاؤں گا، پھر گھر میں ایک مجمع کے پاس داخل ہوا ان میں وہ فلاں بھی تھا جس کا قسم اٹھانے والے کو پتہ نہ تھا تو یہ حانث ہو جائے گا محض داخل ہونے سے۔ اس میں ابن سماعہ رحمۃ اللہ علیہ نے نیت اور ارادہ کا اعتبار نہیں کیا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نے حانث ہونے کی شرط فلاں کے پاس داخل ہونا بنائی جو کہ پائی گئی اور حانث ہونے کے لئے حانث ہونے کی شرط کا معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ جیسے کسی نے قسم اٹھائی کہ زید سے بات نہ کروں گا پھر اس نے اس سے بات کی اور اسے پتہ نہ تھا کہ یہ زید ہے تب بھی حانث ہوگا لیکن حنفی مذہب میں فتویٰ پہلے قول پر ہے۔ اگر حالف کو پتہ ہے کہ ان لوگوں میں زید بھی ہے پھر وہ داخل ہوا جس میں نیت فلاں کے علاوہ باقی لوگوں کی تھی تو دیانۃً حانث نہ ہوگا کیونکہ جب دوسروں کی نیت کی تو فلاں پر داخل نہ ہوا لیکن قضاءً اس کی تصدیق نہ ہوگی کیونکہ بظاہر پورے افراد پر داخل ہونا ہے اور اس کی نیت کو قاضی نہیں جانتا۔ اگر اس کے پاس داخل ہو مسجد میں یا خیمہ، سائبان یا دہلیز میں تو حانث نہ ہوگا کیونکہ داخل ہونے سے رائج داخل ہونا ہے جو صرف گھر میں داخل ہونے سے ہوتا ہے۔ اگر اس کے پاس خیمہ وغیرہ میں داخل ہوا تو تب حانث ہوا جب فلاں شخص دیہاتی ہو کیونکہ وہ اس کو بھی گھر کہتے ہیں اور اس معاملے پر مدار عرف اور رواج کا ہے۔ اگر وہ اس کے احاطہ میں گیا اور فلاں شخص اپنی رہائش گاہ میں تھا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اس پر داخل نہیں ہوا اگر وہ گھر کے صحن میں تھا تو حانث ہوگا اگر اس کو دیکھ لے، کیونکہ اس صورت میں اس پر داخل ہونا پایا گیا۔ اگر وہ اس کے پاس داخل ہوا مسجد، کعبہ یا حمام میں تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اس قسم سے مقصود یہ ہے کہ ایسی جگہ نہ جائے گا جس میں لوگوں کا جانے کی صورت میں اعزاز کیا جاتا ہے اور یہ جگہیں ان میں نہیں ہیں۔ اگر حالف گھر میں داخل ہوا لیکن فلاں شخص اس میں نہ تھا پھر وہ فلاں داخل ہوا تو بھی حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ فلاں پر داخل نہیں ہوا بلکہ فلاں اس پر داخل ہوا ہے۔ ❶ مالکی حضرات نے فرمایا:

جس نے قسم اٹھائی کہ ”فلاں کے گھر داخل نہ ہوگا“ پھر اس کے کرایے والے گھر میں داخل ہوا تو حانث ہوگا جب کہ حنفیوں اور حنبلیوں کے ہاں حانث نہ ہوگا اگر ملکیت والے گھر کی نیت نہ کی ہو کیونکہ گھر رہنے والے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جس نے قسم اٹھائی کہ فلاں کے گھر داخل نہ ہوگا پھر اس کی ملکیت ختم ہوگئی پھر داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا اگر اشارہ کرکے ”اس گھر میں“ کہا تھا تو حانث ہوگا اور شوافع فرماتے ہیں کہ صرف اس کے ملکیتی گھر میں ہی داخل ہونے سے حانث ہوگا کیونکہ نسبت مالک کی طرف ہے۔ اور فقہاء کرام رحمہم اللہ کا اتفاق ہے۔ ❷ کہ جس نے قسم اٹھائی کہ گھر میں داخل نہ ہوگا پھر اس کو اس میں داخل ہونے پر مجبور کیا جائے اور انکار ممکن نہ تھا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ داخل ہونا اس کی طرف سے نہیں پایا گیا اور نہ اس کی طرف سے منسوب ہوگا۔

دوسرا مقصد نکلنے پر قسم اٹھانا......نکلنا داخل ہونے کے مخالف ہے یعنی اندر سے باہر منتقل ہونا پس نکلنے کے بعد ٹھہرنا نکلنا نہیں ہے جس طرح داخل ہونے کے بعد ٹھہرنا داخل ہونا نہیں ہے۔ نکلنا جس طرح علاقوں، احاطوں اور گھروں سے ہوتا ہے اسی طرح کیموں کشتیوں وغیرہ سے بھی ہوتا ہے کیونکہ نکلنے کی تعریف پائی جاتی ہے جس طرح داخل ہونا۔ رہائشی گھروں سے نکلنا یہ ہے کہ حالف اپنے نفس، سامان اور عیال کو نکال دے جس طرح قسم اٹھائی کہ اس میں رہائش اختیار نہیں کرے گا اور علاقوں اور بستیوں سے نکلنا یہ ہے کہ حالف خود نکل جائے۔ اس کی بنیاد بھی عرف پر ہے اگر گھر سے نکلا اور اس کی بیوی بچے اور سامان اسی میں ہو تو اس کو نکلنے والا شمار نہیں کیا جائے گا اور جو شہر سے نکلے تو نکلنے والا شمار ہوگا اگرچہ اس کا سامان اور بیوی، بچے اسی شہر میں ہوں۔ ❸ یہی مذہب حنابلہ کا بھی ہے۔ ❹ پس نکلنے کی قسم کا تقاضا ہے کہ اہل وعیال سمیت نکل جائے جس طرح رہائش رکھنے کی قسم میں ہے۔ جس نے قسم اٹھائی کہ اس علاقے سے نکلے گا تو اسکی قسم صرف اس کے نکلنے کو

---

❶ البدائع ۳/ ۴۱۔ ❷ القوانين الفقهية ص ۱۶۲ المغني ۸/ ۷۷۳ الشرح الكبير ۲/ ۱۵۴۔ ❸ البدائع ۳/ ۴۲، فتح القدير ۴/ ۳۸ الدر المختار ۳/ ۸۵، الفتاوى الهندية ۲/ ۶۹، ۷۳۔ ❹ المغني ۸/ ۷۷۰۔

شامل ہے حنابلہ کے ہاں کیونکہ گھر سے تو انسان دن میں کئی مرتبہ نکلتا ہے پس بظاہر اس نے یہ نکلنا مراد نہیں لیا اور شہر سے نکلنا اس کے برخلاف ہے۔ اور شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ اگر منتقل ہونے کی نیت سے قسم اٹھانے والا خود نکل جائے تو بھی نکلنا پایا گیا اگرچہ اس کے اہل وعیال اسی میں ہوں۔❶ حنفی مذہب میں آنے والی گفتگو مرتب ہوگی۔❷

گھر سے نکلنے پر قسم...... اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق ہے پھر وہ گھر سے صحن تک نکلی تو قسم ٹوٹ گئی کیونکہ اس نے وہی نیت کی ہے جس کا اس کے الفاظ میں احتمال ہے یعنی اندر سے باہر آنا، نیز گھر احاطہ کا غیر ہے، کیونکہ ''بیت'' ایک چھت والی جگہ کو کہا جاتا ہے جب کہ ''احاطہ'' ''کمپاؤنڈ'' کئی گھروں اور فلیٹوں کو شامل ہے اسی طرح اگر کہا کہ فلاں شخص تیرے گھر میں داخل ہوا تو تجھے طلاق ہے، پھر وہ شخص صحن میں داخل ہوا گھر کے اندر نہیں گیا تو حانث نہ ہوگا۔ ان دونوں مثالوں کا حکم مجتہدین حضرات کے زمانے کے عرف اور رواج پر مبنی ہے جبکہ متاخرین کے ہاں لفظ بیت ''گھر'' دار، منزل'' سب کو شامل ہے لہٰذا دوسری مثال میں حانث ہوگا پہلی میں نہیں۔

گھر سے نکلنے پر قسم...... اگر کہا: تو اس گھر سے نکلی تو تجھے طلاق ہے تو وہ اس گھر سے جس طرح بھی نکلے جس دروازے، جس جگہ سے خواہ دیوار پر سے خواہ چھت سے یا دیوار میں سوراخ کر کے بہرصورت قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ حانث ہونے کی شرط یعنی گھر سے نکلنا پایا گیا۔

دروازے سے نکلنا...... اگر کہا: اگر تو اس گھر کے دروازے سے نکلی تو تجھے طلاق ہے، تو جس دروازے سے نکلے پرانے سے یا قسم کے بعد جو نیا بنایا ہے اس سے۔ قسم ٹوٹ گئی کیونکہ شرط پائی گئی یعنی گھر سے نکلنا لیکن اگر دیوار پر سے یا چھت سے یا دیوار میں سوراخ کر کے نکلی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ دروازہ نہیں ہے۔

اگر اس نے اپنی قسم میں دروازہ متعین کر دیا کہ ''اس دروازے سے نکلی'' تو حانث نہ ہوگا جب تک اس خاص دروازے سے نہ نکلے اگر دوسرے سے نکلے تو حانث نہ ہوگا کیونکہ کبھی ''خاص'' کرنے سے کوئی مقصد ہوتا ہے۔ تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

کسی خاص کام کے لئے نکلنا...... اگر کہا: ''اگر تو اس گھر سے نکلی مگر فلاں کام کے لئے تو تجھے طلاق ہے'' پھر وہ ایک مرتبہ اس کام کے لئے نکلی پھر کسی کام کے لئے نکلی تو حانث ہو جائے گا کیونکہ اس نے اس عورت پر تمام صورتوں میں نکلنا منع کر دیا تھا سوائے اس خاص کام کے لئے پس جب اس کام کے لئے نکلنا پایا جائے تو قسم نہ ٹوٹے گی اگر کسی اور کام کے لئے نکلنا پایا جائے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

اگر اس نے اپنی قسم سے ایک مرتبہ نکلنا مراد لیا تو بھی صحیح ہے۔ اس صورت میں ''الا''، ''حتی'' کے معنی میں ہوا مجازاً گویا اس نے یوں کہا ''اگر تو اس گھر سے نکلی تو تاوقتیکہ تو فلاں خاص کام کے لئے نکلے'' تو جب اس کام کے لئے نکلی تو قسم ختم ہو جائے گی کیونکہ قسم کی انتہاء پائی گئی لیکن یہ صرف اس کے اور پروردگار کے درمیان کا معاملہ ہے عدالت میں یہ مراد لینا درست نہ ہوگا کیونکہ یہ لفظ کی حقیقت کے خلاف ہے۔

فلاں کے ساتھ نکلنا...... اگر کہا: ''اگر تو گھر سے فلاں کے ساتھ نکلی تو تجھے طلاق ہے'' پھر وہ اکیلی یا کسی اور کے ساتھ نکلی پھر فلاں آدمی آ ملا تو قسم نہ ٹوٹی کیونکہ وہ اس کے ساتھ تو نہیں نکلی اور نکلنے پر دوام نکلنا نہیں ہے۔

گھر سے نکلنے کے متعلق بعض صورتیں...... اگر کہا: ''اگر تو اس گھر سے نکلی تو تجھے طلاق ہے۔'' پھر وہ گھر کے صحن یا اوپر والی منزل یا مین روڈ کی طرف نکلنے والے راستے میں داخل ہوئی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ صورتیں گھر سے نکلنے میں شمار نہیں ہیں۔

کیا کسی چیز پر ہمیشگی اس چیز کی ابتداء کے حکم میں ہے؟...... اگر وہ گھر سے باہر تھی اور شوہر نے کہا: ''اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق'' تو حانث نہ ہوگا اسی طرح اگر وہ گھر میں تھی اور کہا: ''اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق'' تو حانث نہ ہوگا اور یہ قسم نئے نکلنے یا داخل

---

❶...... مغنی المحتاج ۳۲۹/۴۔ ❷البدائع ۴۲/۳ وما بعدھا المبسوط ۱۷۳/۸ وما بعدھا۔

ہونے پر ہوگی لیکن اگر اس نے کہا اگر تو کھڑی ہوئی، یا بیٹھی، یا کپڑے پہنے یا سوار ہوئی تو تجھے طلاق، اور وہ کھڑی تھی یا بیٹھی تھی یا کپڑے پہنے ہوئے تھے یا سوار تھی پھران حالتوں پر پرتھوڑی دیر رہی تو قسم ٹوٹ گئی۔ یہ حنفی مذہب ہے، کیونکہ نکلنا اندر سے باہر آنے کو کہتے ہیں اور داخل ہونا اس کا عکس ہے تو اس معنی میں دوام نہیں ہے لہٰذا نکلنے پر باقی رہنے کو نکلنا شمار نہیں کیا جائے گا البتہ سوار ہونا اور بیٹھنا، کھڑا ہونا وغیرہ یہ ایسے کام ہیں جن میں دوام ہے یعنی ان میں تجدد ہے لہٰذا ان کے لئے ابتداء کا حکم ہوگا۔

اس فرق کی دلیل یہ ہے کہ کہا جاتا ہے: میں سوار ہوا کل اور آج، میں نے کپڑا پہنا کل اور آج اور یہ نہیں کہا جاتا میں داخل ہوا کل اور آج مگر جب نئے سرے سے داخل ہوا ہو۔ ❶ حنفیوں کا خیال ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک نکلنے اور داخل ہونے پر باقی رہنے کو بھی نکلنا اور داخل ہونا شمار کیا جاتا ہے اس لئے اس کو فعل کی ابتداء کا حکم دیا جاتا ہے، لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی صریح عبارتیں بتلاتی ہیں کہ اگر ایک انسان نے قسم اٹھائی کہ وہ گھر میں داخل نہ ہوگا جب کہ وہ اس میں تھا یا اس گھر سے نہ نکلے گا جب کہ وہ باہر ہی تھا تو دونوں صورتوں میں قسم نہ ٹوٹی کیونکہ داخل ہونا باہر سے اندر جانے کو کہتے ہیں اور نکلنا اس کا عکس ہے اور یہ معنی دوام کی صورت میں نہیں پایا جاتا اس لئے اس کو داخل ہونا یا نکلنا نہیں کہا جائے گا لیکن پہننے، سوار ہونے، کھڑے ہونے اور بیٹھنے پر دوام کے لئے ابتداء کا حکم ہے تو ان صورتوں میں دوام پر قسم ٹوٹ جائے گی ❷ جیسا کہ حنفی مذہب میں اس کا بیان ہوا۔

سوار ہونے والے مسئلہ کی طرح کھانا اور مارنا ہے..... پس جب عورت کھا رہی تھی یا مار رہی تھی تو شوہر نے کہا اگر تو نے کھایا یا مارا تو تجھے طلاق ہے پھر وہ اس پر باقی رہی تو قسم پڑ جائے گی تو ان کاموں کا ہر حصہ کھانا اور مارنا شمار کیا جاتا ہے۔

داخل ہونے اور نکلنے کی طرح ماہواری اور بیماری ہے..... پس جب ماہواری میں تھی یا بیمار تھی اور شوہر نے یہ کہا: اگر تجھے ماہوار آئی یا تو بیمار ہوئی تو تجھے طلاق ہے تو قسم نئی ماہواری اور بیماری پر پڑے گی جس طرح لوگوں کا عرف ہے۔ اگر اس نے اسی ماہواری یا بیماری میں اضافے کی نیت کی تو بھی صحیح ہے کیونکہ ماہواری اجزا والی ہے جو لمحے لمحے نئی ہوتی ہے تو اس کی نیت صحیح ہے اگر اس نے کہا اگر تجھے آئندہ کل حیض آیا اور اسے پتہ نہ تھا کہ وہ ماہواری میں ہے تو یہ قسم آئندہ نئے حیض پر ہوگی اور اگر اسے اس کی ماہواری کا پتہ تھا تو یہ قسم اسی ماہواری پر ہوگی بشرطیکہ تین دن تک آتا رہے حنفیوں کے ہاں کیونکہ جب اسے پتہ ہے کہ وہ ماہواری میں ہے پھر اس نے قسم اٹھائی تو کیونکہ اسی حیض کا جاری رہنا مراد لیا تو جب تک تین دن نہ ہو تو وہ حیض نہیں ہوتا۔

بغیر اجازت نکلنے پر قسم..... کبھی انسان قسم اٹھاتا ہے اپنی بیوی کے طلاق کی جب وہ نکلنے کی اجازت نہ دے آنے والی صیغوں میں سے کسی ایک سے:

۱.....وہ یہ کہے تجھے طلاق ہے اگر تو اس گھر سے نکلی مگر یہ کہ میری اجازت کے ساتھ۔

۲.....تجھے طلاق ہے اگر تو اس گھر سے نکلے تاوقتیکہ میں تجھے اجازت دوں یا تاوقتیکہ میں راضی ہو جاؤں۔

۳.....تجھے طلاق ہے اگر تو اس گھر سے نکلے مگر یہ کہ میں اجازت دوں یا راضی ہو جاؤں۔

میں پہلی صورت سے ابتداء کرتا ہوں:

۱: مگر میری اجازت یا رضامندی سے..... جب اپنی بیوی سے کہا: تجھے طلاق ہے اگر تو میری اجازت، رضامندی، میرے حکم یا میرے علم کے بغیر نکلی تو ان صورتوں میں اگر وہ اس کی اجازت کے بغیر نکلی تو حانث ہو جائے گا اور ہر مرتبہ اجازت لینا ضروری ہوگا یہاں تک کہ اگر اس نے ایک مرتبہ اجازت دی اور وہ نکلی پھر واپس آئی پھر بلا اجازت نکلی تو بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔

---

❶.....البدائع ۳/۳۶۔ ❷ مغنی المحتاج ۴/۳۲۱۔

اسی طرح اگر اس نے ایک مرتبہ اجازت دی پھر اس کے نکلنے سے پہلے اس نے نکلنے سے روک دیا پھر وہ نکل گئی تو بھی قسم ٹوٹ گئی اور اگر اجازت سے نکلنا پایا جائے تو یہ استثنائی صورت ہوگی جو کہ قسم میں داخل نہیں ہے لہٰذا حانث بھی نہ ہوگا۔ اس میں وجہ یہ ہے کہ اس نے ہر نکلنے کو طلاق کے واقع ہونے کی شرط بنا دیا پھر ایک خاص نکلنے ''یعنی اجازت کے ساتھ ملا ہوا ہو'' کو مستثنیٰ کیا کیونکہ ''باء'' الصاق یعنی ملانے کے لئے آتا ہے مثلاً میں نے قلم کے ساتھ لکھا یعنی لکھنا قلم سے ملایا پس جو نکلنا اس صفت کے ساتھ نہ ہو وہ قسم میں داخل ہوگا اور قسم ٹوٹنے کی شرط بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم کے ساتھ۔ (مریم ۱۹/ ۶۴) یعنی اترنا اس صفت کے ساتھ ہی پایا جاتا ہے اس کی نظیر یہ ہے: جب اس نے اپنی بیوی سے کہا ''اگر تو نکلی مگر چادر یا نقاب کے ساتھ یا مگر سوار ہو کر تو تجھے طلاق ہے'' پھر اگر مستثنیٰ نکلنا پایا گیا قسم نہ ٹوٹے گی اور اگر نکلنا اس صورت کے علاوہ پایا جائے تو قسم ٹوٹ جائے گی، کیونکہ مستثنیٰ صورت قسم میں داخل نہیں اور غیر مستثنیٰ داخل ہے پس قسم کے پائے جانے کی وجہ سے حانث ہوگا۔ اگر وہ ''مگر میری اجازت کے ساتھ'' سے ایک مرتبہ اجازت مراد لے تو صحیح ہے اور اس کے اور پروردگار کے درمیان اس کی تصدیق کر دی جائے گی البتہ عدالتی کارروائی میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، محمد رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ہے کہ نیت کے مطابق عمل کیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ نیت پر قضاءً عمل نہ ہوگا، کیونکہ اس نے ظاہر کے خلاف نیت کی ہے، کیونکہ اس لفظ کا ظاہر ہر مرتبہ اجازت لینے کا تقاضا کرتا ہے جس طرح یہ بات گزری اور حنفیوں کے ہاں یہی راجح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے طرفین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ لفظ کے ظاہر سے اجازت کا تکرار ثابت نہیں ہوتا یہ تو لفظ ''خروج'' تو پوشیدہ ماننے سے ثابت ہو رہا ہے تو اگر ایک مرتبہ اجازت کی نیت کی تو اس نے وہ نیت کی جس کا تقاضا اس کے کلام کا ظاہر کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کلام کا ظاہرا اجازت کا تکرار ہے اگر قسم سے ایک مرتبہ اجازت مراد لی تو اس کا کلام میں صرف احتمال ہے اسی لئے فتویٰ اسی پر ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے رائے ہے لہٰذا قسم اٹھانے والا ایک مرتبہ اجازت لینے کی نیت میں دیانۃً سچا کہلائے گا عدالت میں نہیں، کیونکہ اس نے اپنے لئے آسانی کی نیت کی لہٰذا فیصلے میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ یہ قسم جو تکرار چاہتی ہے اس میں حیلہ اور تدبیر یہ ہے کہ وہ شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ میں نے پورے زمانے یا ہمیشہ یا جب نکلنا چاہے تو تجھے اجازت دے دی لہٰذا ہر نکلنے کے وقت اس کے لئے اجازت ثابت ہوگی کیونکہ ''کلما'' (جب بھی) عموم اور تکرار کو واجب کرتا ہے (لہٰذا اجازت دینا ہمیشہ کے لئے ہو گیا)۔

اسی طرح حانث نہ ہوگا اگر شوہر کہے میں نے تجھے دس دن کے لئے اجازت دے دی پھر وہ دس دنوں میں کئی بار نکلی۔

اگر ''مگر میری اجازت کے ساتھ کے جملے کے بعد شوہر نے ایک مرتبہ اجازت دی اور پھر منع کر دیا اس خاص اجازت کے بعد تو اس کا منع کرنا ٹھیک ہے یہاں تک کہ اس کے بعد وہ بلا اجازت نکلی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

کیونکہ اس کا اپنی اجازت میں رجوع درست ہے اور قسم باقی ہے گویا اس نے اجازت ہی نہیں دی۔

لیکن جب شوہر نے اپنی بیوی کو عام اجازت دی پھر اس کے بعد تمام حالتوں میں اس نے نکلنے سے منع کر دیا تو کیا یہ منع کرنا کارآمد ہوگا؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کی ممانعت پر عمل کیا جائے گا اور دی ہوئی اجازت ختم ہو جائے گی یہاں تک کہ اس کے بعد اگر وہ بلا اجازت نکلی تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ اگر ایک مرتبہ اجازت دے کر منع کرتا تو درست تھا تو اسی طرح اگر اس نے ہر مرتبہ کی اجازت دی اور منع کر دیا تو منع کرنا درست ہے اور اجازت ممانعت سے ختم ہو جائے گی۔

اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پہلی اجازت پر اس کی ممانعت کا کوئی اثر نہ ہوگا کیونکہ عام اجازت دینا قسم کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ اس نے اجازت سے طلاق کے واقع ہونے کی شرط کو اٹھا دیا پس جب اب جب نکلنے سے عام روکنا پایا گیا تو کوئی اثر نہ کرے گا، کیونکہ یہاں کوئی قسم ہی نہیں۔ اس کے برخلاف جب ایک مرتبہ اجازت کی خاص اجازت تھی تو اس سے قسم ختم نہیں ہوئی اور قسم کے باقی رہتے ہوئے

ممانعت آئی اس لئے نہیں درست ہوئی۔

۲: تاوقتیکہ میں تجھے اجازت دوں...... جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا ''اگر تو اس گھر سے نکلی تو تجھے طلاق ہے تاوقتیکہ میں تجھے اجازت یا حکم دوں'' یا ''میں راضی ہو جاؤں'' یا ''جب میں جان لوں'' تو ایک مرتبہ اجازت کافی ہے اور قسم ختم ہو جائے گی یہاں تک کہ اگر ایک مرتبہ اجازت دی پس وہ نکلی پھر واپس آئی اور بلا اجازت نکلی تو حانث نہ ہوگا اسی طرح اگر ایک مرتبہ اجازت دی اور نکلنے سے پہلے منع کر دیا اور وہ اس کے بعد نکلی تو بھی حانث نہ ہوگا کیونکہ ''**حتی**'' غایت کا فائدہ دیتا ہے یہ ''**الٰی**'' کے معنی میں ہے اور ''**الٰی**'' غایت کی انتہاء کے لئے ہے۔ پس ''**حتی**'' کے مابعد کی انتہاء سے قسم بھی ختم ہو جائے گی پس قسم اٹھانے والے کی طرف سے اجازت یہ نکلنے کی ممانعت کی غایت ہوگی اور غایت کے پائے جانے کے بعد قسم باقی نہ رہے گی پس جب اس کے بعد نکلنا پایا جائے گا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ قسم باقی ہی نہیں وہ تو اجازت سے ختم ہو چکی ہے پس اس کے بعد ممانعت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا لیکن اجازت سے پہلے قسم باقی ہے اس لئے بلا اجازت نکلنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اگر وہ ''یہاں تک کہ میں تجھے اجازت دوں'' سے ہر مرتبہ اجازت دینا مراد لے تو صرف دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ اس نے اپنے اوپر سختی کی ہے۔

۳: الّا یہ کہ میں تجھے اجازت دوں...... اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے اگر تو اس گھر سے نکلی الّا یہ کہ میں تجھے اجازت دوں یا ''حکم دوں'' یا ''جان لوں یا میں راضی ہوں'' تو یہ جملہ ''**حتی آذن**'' نمبر ''۲'' کی طرح ہے عام علماء کرام کے نزدیک اگر ایک مرتبہ اجازت دی وہ نکلی پھر دوبارہ اگر بلا اجازت نکلی تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ ''**الاان**'' غایت کا فائدہ دیتا ہے۔

پس قسم اجازت سے ختم ہو جائے گی جس طرح کہ ''**حتی اذن لك**'' کہتا۔ ''**الاان**'' کے غایت کا معنی دینے کا سبب یہ ہے (حالانکہ وہ حروف استثناء میں سے ہے) کہ ''**الا**'' سے پہلے کلام کا شروع اجازت کی جنس میں سے نہیں کہ اس سے اجازت کو علیحدہ کیا جائے پس اس کو ''**حتی**'' کے معنی میں مجازاً کیا جائے گا کیونکہ ان میں مناسبت ہے کہ غایت کے مابعد کا حکم ماقبل کے مخالف ہوتا ہے۔

جس طرح استثناء کے مابعد کا حکم ماقبل کے مخالف ہوتا ہے۔ نحوی علماء میں سے فراء نے فرمایا:

''**الاان اذن لك**'' کہنے والا ''**الی باذنی**'' کہنے والے کی طرح ہے جس میں ہر نکلنے پر اجازت لینے کا تقاضا ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ''مگر وہ نکلنا جو میری اجازت کے ساتھ متصل ہو'' کیونکہ ''**ان**'' اور اس کے بعد مضارع مصدر کی تاویل میں ہوتے ہیں۔ پس کلام کی تقدیری عبارت یہ ہوگی اگر تو گھر سے نکلی۔ ''مگر نکلنا جو میری اجازت سے متصل ہو''...... اور ''باء'' کو لفظوں سے گرا کر معنی میں موجود رکھنا لغت میں جائز ہے جس طرح رؤبۃ بن عجاج سے روایت ہے کہ ان سے کہا گیا آپ نے کیسے صبح کی؟ تو انہوں نے کہا ''**خیر**'' ''**عافاك الله**'' یعنی خیر کے ساتھ۔ اسی طرح قسم کے ساتھ باء کو حذف کر دیتے ہیں۔

پس ''**الله**'' کہتے ہیں ''**باللہ**'' کی جگہ پس جب باء کا حذف جائز ہے تو کلام کو درست کرنے کے لئے اس کو مقدر مانا جائے گا اس پر دلیل فرمان ربانی ہے: اے ایمان والو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر میں داخل نہ ہو مگر یہ کہ تمہیں اجازت دی جائے۔ (الاحزاب ۳۳/ ۵۳) یعنی اجازت کے ساتھ جو اجازت ہر داخل ہونے کے ساتھ مکرر ہوگی۔ اور حنفیوں نے اس بات کو کیا کیونکہ **الا** کو **حتی** یا **الٰی** کے معنی میں کرنا اولیٰ اور بہتر ہے اس سے جس طرح فراء نے کلام کو درست کیا ہے کیونکہ ایک موجود کلمہ کو دوسرے کے معنی میں کرنا بہتر ہے اس سے جس طرح فراء نے کلام کو درست کیا ہے کیونکہ پہلی صورت میں تبدیلی صرف صفت کی ہے اور دوسری صورت میں اصل کلام کو ثابت کرنا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وصف میں تبدیلی بہتر ہے اصل کلام کو ثابت کرنے سے۔ رہی آیت پاک (الاحزاب ۳۳/ ۵۳) تو اس میں تکرار کا تقاضا لفظ کے اعتبار سے نہیں بلکہ دوسری دلیل سے ہے وہ یہ کہ دوسرے کے گھر میں بلا اجازت جانا حرام ہے نیز اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ

بات نبی کو تکلیف دیتی ہے۔ الاحزاب ۵۳/۳۳

اور تکلیف کا معنی ہر وقت پایا جا سکتا ہے اس لئے اجازت ہر مرتبہ شرط ہے ❶

احناف کے علاوہ بقیہ فقہاء...... احناف کے علاوہ حضرات فرماتے ہیں ❷ کہ پچھلے تینوں الفاظ میں حکم ایک ہی ہے وہ یہ کہ جب بلا اجازت نکلے گی طلاق پڑ جائے گی اور قسم ختم ہو جائے گی کیونکہ لفظ ''اگر'' (ان) تکرار کا اقتضا نہیں کرتا لہٰذا جب ایک مرتبہ حانث ہوا قسم ختم ہو گئی کیونکہ اس نے طلاق کو شرط پر معلق کیا اور شرط پائی گئی پس طلاق پڑ جائے گی جس طرح وہ بلا اجازت نکل جاتی۔ لیکن حنابلہ کے نزدیک ہر مرتبہ اجازت ضروری ہے جیسا کہ اس کا بیان آئے گا۔

فلاں کی اجازت کے ساتھ نکلنے کو معلق کرنا...... اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا ''اگر تو نکلی مگر فلاں کی اجازت کے ساتھ'' اور فلاں شخص اجازت سے پہلے ہی مر گیا تو طرفین رحمہما اللہ کے ہاں قسم باطل ہو جائے گی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قسم باقی ہے یہاں تک کہ اگر اس کے بعد نکل گئی تو بھی حانث ہو جائے گا یہ اختلاف مبنی ہے اس اختلاف پر جو ان حضرات کا اس مسئلہ میں ہے'' میں ضرور پانی پیوں گا جو اس برتن میں ہے'' اور اس برتن میں پانی نہ ہو تو طرفین کے ہاں قسم منعقد نہ ہو گی کیونکہ قسم پورا کر سکنے کا تصور قسم کے منعقد ہونے کے لئے شرط ہے اسی طرح مستقبل میں باقی رہنے کے لئے بھی شرط ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قسم منعقد ہو جائے گی کیونکہ ان کے ہاں یہ شرط نہیں ہے بس صرف یہ شرط ہے کہ قسم آئندہ کے معاملہ پر ہو۔

نکلنے کی اجازت دے اور عورت نہ سن سکے...... جس عورت پر قسم اٹھائی تھی اس کو شوہر نے ایسی جگہ سے اجازت دی جس جگہ سے عادۃً سن نہ سکتی تھی پس وہ اجازت کے بغیر نکل گئی تو طرفین کے ہاں حانث ہو جائے گا کیونکہ ''اذن'' اعلان اطلاع کا نام ہے، ارشاد ربانی ہے۔
''اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان ہے''۔ (التوبۃ ۳/۹) اور ایسی اجازت اعلان نہیں جو سنی نہ جا سکے لہٰذا یہ اجازت نہیں پس جس کی اجازت ضروری تھی وہ نہ پایا گیا اس لئے حانث ہو جائے گا نیز اس نے اس پر ہر نکلنا حرام کیا صرف وہ نکلنا جو اجازت کے ساتھ ملا ہوا ہو اس طور پر کہ وہ اجازت دے اور عورت سن سکے اور وہ نکلنا جس میں اجازت سنی نہ گئی تو یہ مستثنیٰ میں داخل نہ ہوا لہٰذا حرمت کے تحت داخل ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حانث نہ ہو گا کیونکہ حانث ہونے کی شرط مطلقاً بلا اجازت کے نکلنا ہے اور وہ نکلنا جو حاصل ہوا اس میں اجازت کسی نہ کسی درجے میں ہے لہٰذا حانث ہونے کی شرط نہیں پائی گئی اس لئے شک سے حانث نہ ہو گا۔

قسم مقید ہو گی ذمہ داری کے باقی رہنے کے ساتھ...... اگر کسی شخص نے قسم اٹھائی اپنی بیوی پر کہ وہ گھر سے نہ نکلے یا بادشاہ نے کسی کو قسم دی کہ وہ شہر سے اس کی اجازت کے ساتھ نکلے، پھر وہ عورت شوہر سے جدا ہو گئی یا بادشاہ اپنے عہدے سے معزول ہو گیا پھر وہ عورت نکلی یا مرد اجازت کے بغیر نکلا تو قسم اٹھانے والا حانث نہ ہو گا اور قسم ساقط ہو جائے گی کیونکہ قسم اس حالت پر واقع ہوتی جس کا قسم اٹھانے والا مالک ہوتا ہے اور وہ اس کی ذمہ داری کا باقی رہنا ہے پس جب ''ولایت'' ختم ہوئی تو قسم زائل ہو جائے گی یہ قاعدہ اس صورت پر بھی منطبق ہو گا جب قرض دینے والے نے مقروض کو قسم دی کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر شہر علاقے سے نہ نکلے پس یہ قسم قرض کے باقی رہنے تک ہے اگر وہ نکلا جب کہ قرض باقی تھا تو قسم ٹوٹ گئی اور قرض کی ادائیگی یا معافی کے بعد نکلا تو حانث نہ ہو گا کیونکہ قسم ساقط ہو چکی ہے یہ قسم قرض کے باقی رہنے کے ساتھ مقید تھی یہ یمین فور کی صورتوں میں سے ہے، جو دلالت حال کے ساتھ مقید ہوتی ہے اور اسی پر مرتب ہے کہ اگر اس نے دوبارہ قرض دیا یا کسی اور نے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ ❸

---

❶...... المراجع السابقہ المغنی ۷۹۶/۸، الشرح الکبیر ۱۴۸/۲، ۱۵۷۔ ❷ البدائع: ۴۵/۳۔ ۴۶۔ ❸ المغنی ۷۹۶/۸ الشرح الکبیر للدردیر ۱۴۸/۳، ۱۵۷ المیزان ۱۳۲/۲۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفی مذہب میں ’’الا باذنی ‘‘ والے جملے میں ہر نکلنے کی الگ اجازت ضروری ہے البتہ ’’الاان اذن‘‘یا’’حتٰی اذن‘‘ اجازت کے تکرار کا تقاضا نہیں کرتا صرف ایک مرتبہ اجازت کافی ہے پھر قسم ختم ہوجائے گی۔

ان الفاظ میں غیر حنفی مسلک، مالکی اور شافعی فرماتے ہیں کہ ان تینوں صورتوں میں ایک مرتبہ اجازت کافی ہے پس اگر حالف ایک مرتبہ اجازت دے تو قسم ختم ہوجائے گی اس کے بعد بلا اجازت نکلنے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ قسم ایک نکلنے کے ساتھ متعلق ہوئی ایسے حرف کے ذریعے جو تکرار کا تقاضا نہیں کرتا پس بلا اجازت نکلنے سے حانث ہوجائے گا اور جب وہ اجازت سے نکلی تو اس کی قسم پوری ہوگئی کیونکہ قسم کا پورا ہونا اسی سے متعلق ہے جس سے ٹوٹنا متعلق تھا۔ حنابلہ فرماتے ہیں: کہ ان تینوں الفاظ میں ہر حالت میں ہر نکلنے پر الگ الگ اجازت ضروری ہے کیونکہ قسم اٹھانے والے نے طلاق کو شرط کے ساتھ معلق کیا جب شرط پائی جائے گی طلاق واقع ہوگی البتہ قسم ختم ہوجائے گی اگر ایک مرتبہ حانث ہوگیا۔

تیسرا مقصد کلام پر قسم اٹھانا...... انسان سے کلام کا واقع ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ اپنے دل کی بات دوسروں تک پہنچانے میں ضرورت مند ہے تاکہ اپنے مقاصد اور اغراض تک پہنچ سکے۔ دو انسانوں میں جوڑ یا جھگڑے میں کلام کا اہم دخل ہے اور اکثر انسان اپنے نفس کو یا دوسرے کو کلام کرنے یا گفتگو سے رکنے پر ابھارنے پر کا محتاج ہوتا ہے۔ گفتگو پر قسم کے اہم حالات کو میں ذکر کروں گا۔ گفتگو یا مطلق ہوگی یا وقت کے ساتھ مقید ہوگی۔ رہی مطلق تو وہ ہے کہ فلاں سے گفتگو نہیں کرے گا پس یہ ہمیشہ کے لئے ہوگا یہاں تک کہ اگر سلام کے ساتھ ہی ہو جس جگہ، جس وقت اور جس حال میں ہو حانث ہوجائے گا ان حالات میں آنے والی صورتیں ہیں:

فلاں کے ساتھ بات نہ کرنے پر قسم...... اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ فلاں کے ساتھ بات نہیں کرے گا پھر اس کو پکارا اگرچہ دور ہی سے ہو اور وہ آدمی ایسی جگہ ہو کہ اگر کان لگائے تو سن سکتا ہو تو حنفیہ اور حنبلی حضرات کے نزدیک اور مالکیہ کے ایک قول پر حانث ہوجائے گا اگرچہ اس نے نہ سنا ہو اور اگر وہ ایسی جگہ ہو کہ عادۃً سن نہ سکتا ہو جگہ کی دوری کی وجہ سے تو حانث نہ ہوگا اسی طرح اگر وہ شخص ایسا بہرا ہو کہ کان لگانے کے باوجود نہ سن سکے تو بھی حالف حانث نہ ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ فلاں سے بات کرنا اس کو اپنی آواز سنانا ہے لیکن اسماع تو باطنی چیز ہے پس ظاہری سبب کو اس کے قائم مقام کردیا گیا وہ یہ کہ جگہ نزدیک ہونے کی وجہ سے سننے کا ممکن ہونا۔ (اگر قسم اٹھائی کہ فلاں سے بات نہیں کرے گا پھر بات کی اس حال میں کہ وہ سویا ہوا تھا اور اس کو جگادیا) تو حانث ہوجائے گا کیونکہ اس سے بات کی اور اس کو جگادیا اور اگر نہ جگایا تو حانث نہ ہوگا یہ حنفی مشائخ کے ہاں پسندیدہ ہے اس کے برخلاف جو قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ اگر وہ سن سکے اگر سویا ہوا نہ ہو تو حانث ہوگا کیونکہ اس نے گفتگو کی جو اس کے کان تک پہنچی مگر وہ نیند کی وجہ سے نہ سمجھ سکا یہ ایسا ہے جیسے اس کو آواز دی اور وہ ایسی جگہ میں تھا کہ سن سکتا تھا لیکن کسی کام میں مصروفیت کی وجہ سے نہ سن سکا اور عام مشائخ کی رائے ہی راجح ہے کیونکہ جب اس کو نہ جگایا تو ایسا ہے جیسے دور سے آواز دی اور سن ہی نہ سکتا ہو نیز انسان جب سوئے ہوئے سے بات کرے اور وہ بیدار نہ ہو اس کی بات سے تو یہ شخص بات کرنے والا نہیں شمار کیا جاتا جس طرح غائب کے ساتھ بات کرنے والا شمار نہیں ہوتا۔

اگر قسم اٹھانے والا ایک جماعت کے پاس سے گزرا اور سلام کیا ان میں وہ شخص بھی تھا جس سے بات نہ کرنے کی قسم اٹھائی تھی تو حانث ہوجائے گا کیونکہ اس سے اور دوسروں سے سلام کے ذریعے بات کرلی اور اگر سلام سے دوسروں کی ہی نیت کی اس کی نہ کی تو دیانۃً اس کی نیت صحیح ہے اور حانث نہ ہوگا کیونکہ اس نے اپنے کلام کی تخصیص کی نیت کی اور کل بول کر بعض مراد لینا جائز ہے لیکن یہ دعویٰ فیصلے میں قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کے کلام کے ظاہر کے خلاف ہے۔ ❶

❶ ..... البدائع ۴۷/۳۔ الفتاویٰ الهندیه ۸۹/۲، تبیین الحقائق ۱۳۶/۳، فتح القدیر ۶۳/۴ الدر المختار ۱۱۲/۳، المغنی ۸۲۲/۸

اگر نماز میں سلام کیا اور محلوف علیہ اس کے ساتھ نماز میں تھا تو قسم اٹھانے والا یا امام ہوگا یا مقتدی اگر حالف امام ہو تو دیکھا جائے گا اگر محلوف علیہ اس کے پیچھے ہو اور اس نے سلام پھیرا تو پہلے سلام سے حانث نہ ہوگا اسی طرح اگر وہ دائیں طرف بھی ہو کیونکہ پہلا سلام نماز میں کلام ہے کیونکہ نمازی اس کے ذریعے نماز سے نکل رہا ہے تو یہ لوگوں کے کلام سے نہ ہوا اس وجہ سے کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اگر وہ بائیں طرف ہو تو مشائخ کا اختلاف ہے بعض نے فرمایا حانث ہوگا اور بعض نے فرمایا نہیں ہوگا۔ اگر قسم اٹھانے والا مقتدی ہو تو شیخین کے ہاں حانث نہ ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک امام کے سلام سے مقتدی نماز سے خارج نہیں ہوتا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حانث ہو جائے گا کیونکہ مقتدی امام کے سلام سے نماز سے خارج ہو جاتا ہے پس اس نے نماز سے باہر فلاں کے ساتھ سلام کیا لہٰذا حانث ہو جائے گا۔ اگر قسم اٹھائی کہ فلاں کے ساتھ کلام نہیں کرے گا پھر اس کو خط لکھا اور وہ اس تک پہنچ گیا یا کوئی قاصد بھیجا پس پیغام پہنچ گیا یا انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ گفتگو تو نہیں ہے اس پر سب حنفیوں کا اتفاق ہے اور شوافع کا نیا قول بھی یہی ہے اور حنابلہ نے اور راجح قول پر مالکیہ نے فرمایا کہ حانث ہو جائے گا الا یہ کہ اس نے ارادہ کیا ہو کہ براہ راست بات نہیں کرے گا۔ ❶

گفتگو نہ کرنے پر قسم......جس نے قسم اٹھائی کہ آج بات نہیں کروں گا'' پھر قرآن پاک کی تلاوت کی یا نماز پڑھی یا تسبیح کی تو استحسانا حانث نہ ہوگا اسی طرح کلمہ یا تکبیر کہنے سے بھی حانث نہ ہوگا یہ تسبیح وتلاوت دوران نماز اور نماز سے باہر دونوں صورتوں کو شامل ہے کیونکہ عرف میں اس کو کلام نہیں کہا جاتا اور نماز میں تو عرفاً اور شرعاً دونوں طرح کلام نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہماری اس نماز میں لوگوں کی گفتگو میں سے کوئی بھی درست نہیں بس یہ تو کلمہ ہے پاکی بیان کرنا اور قرآن کی تلاوت ہے ❷ اسی طرح فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں جو چاہتے ہیں نیا فرماتے ہیں اور نئے حکموں میں سے ایک یہ ہے کہ ہم نماز میں گفتگو نہ کریں۔ ❸ اور نیز گفتگو نماز کو توڑنے والی ہے اگر یہ چیزیں لوگوں کی گفتگو میں سے ہوتیں تو نماز کو فاسد کر دیتیں۔ اور نماز کے علاوہ تو حانث نہ ہوگا کیونکہ ہمارے عرف میں اس کو گفتگو کرنے والا نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کو تلاوت کرنے والا یا تسبیح کرنے والا کہا جاتا ہے۔ اور قسموں کا مدار تو عرف پر ہے۔ ❹ اسی طرح شافعی اور حنبلی حضرت نے فرمایا کہ نماز میں تلاوت کرے یا اس سے باہر بالکل حانث نہ ہوگا کیونکہ گفتگو عرف میں لوگوں کی گفتگو پر بولا جاتا ہے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اس کے برخلاف جو حنفیوں نے سمجھا کہ شافعی مسلک ان کے خلاف ہے کیونکہ شوافع نے فرمایا: اگر اس نے قسم اٹھائی کہ گفتگو نہیں کرے گا پھر پاکی اللہ تعالیٰ کی بیان کی یا اس کی تعریف کی یا کلمہ پڑھا یا اس کی بڑائی بیان کی یا دعا مانگی یا نماز میں یا اس کے باہر تلاوت کی اگرچہ اس پر غسل لازم تھا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ محاورے میں گفتگو آدمیوں کی گفتگو کی طرف لوٹتی ہے۔ ❺

گفتگو پر وقت کی قید کے ساتھ قسم اٹھانا......اس کی دو قسمیں ہیں: معیّن اور مبہم غیر واضح۔ معیّن تو یہ ہے کہ ایک آدمی رات کے وقت قسم اٹھائے کہ فلاں سے دن میں بات نہ کروں گا تو قسم اٹھانے سے لے کر اگلے دن سورج غروب ہونے تک اس سے بات کرنے سے حانث ہو جائے گا، اس کی قسم میں رات کا باقی حصہ بھی داخل ہوگا۔ اسی طرح دن کو قسم اٹھائے کہ فلاں سے رات میں بات نہیں کرے گا تو قسم کے وقت سے فجر کے طلوع ہونے تک اس کے ساتھ بات کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اگر دن کے بعض حصہ میں قسم اٹھائی کہ ایک دن اس سے بات نہیں کروں گا تو اس کی قسم اس دن کے باقی حصہ، اگلی رات اور اگلے دن اس وقت تک جس وقت قسم اٹھائی تھی تک ہوگی۔ اگر دن کے بعض حصہ میں اس نے کہا اللہ کی قسم میں آج بات نہیں کروں گا تو قسم اسی دن کے باقی حصہ پر ہوگی جب سورج غروب ہوگا قسم ختم ہو جائے گی

---

❶ ......البدائع ۴۸/۳۔ تبیین الحقائق ۱۳۶/۳، القوانین الفقهیه ص ۱۶۴ مغنی المحتاج ۳۴۵/۴ المغنی ۸۲۰/۸ الشرح الكبير ۱۴۶/۲۔ ❷ رواه احمد ومسلم والنسائی وابو داؤد (نصب الرایه ۲/ ۶۶ نیل الاوطار ۲/ ۳۱۵) ❸ رواه احمد والنسائی وابو داؤد (نیل الاوطار والمرجع السابق ص ۳۱۴/) ❹ البدائع ۴۸/۳، فتح القدیر ۲۵/۴، تبیین الحقائق ۱۳۷/۳ الدر المختار ۱۱۴/۳، المغنی ۸۲۴/۸۔ ❺ مغنی المحتاج ۳۴۵/۴۔

اسی طرح اگر رات میں کہا اللہ کی قسم میں آج رات بات نہیں کروں گا تو جب فجر طلوع ہوگی قسم ختم ہو جائے گی۔

اگر قسم اٹھائی کہ اس سے ایک مہینے تک بات نہیں کروں گا تو قسم کے وقت سے آگے تیس دن کے لئے قسم ہوگی اور اگر ''اس مہینے'' یا ''اس سال'' کہا تو قسم اس مہینے یا سال کے باقی حصہ پر ہوگی۔ اگر کہا کہ اللہ کی قسم میں اس سے ایک اور دو دن بات نہیں کروں گا تو طرفین کے ہاں یہ ایسا ہے جیسا اس نے یہ کہا کہ میں اس سے تین دن بات نہیں کروں گا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی یہی ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں ذکر فرمایا کہ قسم دو دنوں پر ہوگی۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ قسم ہے پس ہر قسم کے لیے علیحدہ مدت ہوگی۔

تو اس طرح پہلے دن کی دو قسمیں اور دوسرے دن ایک قسم ہوگی۔ اور پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ قسم اٹھانے والے نے دو دنوں کا عطف ایک دن پر کیا ہے اور معطوف، معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے پس معطوف نے اول کے علاوہ دو دنوں کا تقاضا کیا۔

مبہم یہ ہے کہ یوں کہے...... میں فلاں سے ایک زمانے تک بات نہیں کروں گا'' تو یہ قسم چھ مہینے پر ہوگی کیونکہ ''زمانہ'' بول کر تھوڑا وقت بھی مراد لیا جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

پس اللہ کی ذات پاک ہے جس وقت (زمانے) تم شام کرتے ہو اور جس وقت تم صبح کرتے ہو۔ الروم ۳۰/۱۷

اور کبھی لمبا وقت مراد لیا جاتا ہے اور وہ چالیس سال ہیں: ارشاد ربانی ہے:

انسان پر زمانے میں سے ایک زمانہ آیا ہے۔ الدھر ۷۶/۱

اور کبھی درمیانہ وقت مرد لیا جاتا ہے وہ چھ مہینے ہیں: ارشاد ربانی ہے:

وہ اپنا پھل دیتی ہے ہر زمانے میں اپنے رب کی اجازت کے ساتھ۔ ابراہیم ۱۴/۲۵

کہا گیا کہ چھ مہینے۔ پس قسم میں چھ مہینے پر محمول کیا گیا کیونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس نے تھوڑا مراد لیا ہے یا زیادہ۔ اگر اس نے ''**دھـــر**'' کا لفظ معرفہ یا نکرہ استعمال کر کے قسم اٹھائی تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر اس کی کوئی خاص نیت ہو تو وہی مراد ہے ورنہ میں نہیں جانتا کہ ''**دھـــر**'' کیا ہے (کتنی مدت مراد ہے) اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نکرہ سے چھ مہینے ہوں گے اور معرفہ ہمیشہ کے لئے ہوگا۔ بعض حنفی مشائخ نے فرمایا کہ ''**الــدھـــر**'' معرفہ ہو تو کوئی اختلاف نہیں کہ ہمیشہ کے لئے ہوگا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا کہ ''**دھر**'' کی مدت میں نہیں جانتا وہ جب ہے کہ ''**دھراً**'' نکرہ ہو۔ شافعی اور حنبلی حضرات فرماتے ہیں کہ اگر اس نے کہا کہ اس سے زمانے، وقت، **دھر**، عمر میں بات نہیں کروں گا تو یہ تھوڑے اور زیادہ وقت پر واقع ہوگی پس تھوڑے اور زیادہ سے قسم پوری ہو جائے گی کیونکہ ان ناموں کی لغت میں کوئی حد نہیں ہے لہٰذا تھوڑے زیادہ سب پر بولے جائیں گے۔ اس لئے اس کی کم سے کم مقدار پر محمول کرنا واجب ہوا اگر ان الفاظ کو معرفہ ذکر کرے تو ہمیشہ کے لئے قسم ہوگی کیونکہ الف لام استغراق (سب کو شامل ہونا) کے لئے ہے اس لئے سارے زمانے کا تقاضا کرے گا۔ اگر کہے کہ اللہ کی قسم میں تجھ سے جمعہ کے دن بات نہیں کروں گا تو جمعہ کے علاوہ اس کے لئے اس سے بات کرنا درست ہوگا کیونکہ جمعہ خاص دن کا نام ہے اسی طرح اگر نکرہ جمع ذکر کرے تو بھی جمعہ کے علاوہ بات کر سکتا ہے کیونکہ جمع جمعہ کی جمع ہے اور یہ جمعہ کا دن ہے جو کسی اور دن کو شامل نہیں اس کے برخلاف اگر کہے کہ میں اس سے کئی دن بات نہیں کروں گا تو اس میں راتیں بھی شامل ہوں گی۔ پھر جب اس نے کہا کہ میں اس سے کئی جمعے بات نہیں کروں گا تو تین جمعے مراد ہوں گے کیونکہ جمع صحیح کا کم از کم عدد تین ہے اس لئے اس پر محمول کیا جائے گا اور اگر الجمع معرفہ ذکر کیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دس جمعے مراد ہوں گے اسی طرح **الایــام، الازمنــہ الاحــایین، الشھور** اور **السنین** معرفہ کے ساتھ دس دن، دس زمانے، دس مہینے اور دس سال پر قسم ہوگی کیونکہ ''الایام'' کا لفظ زیادہ سے زیادہ دس دنوں کو شامل ہے کیونکہ دس کے بعد کو ایام نہیں **احد عشــر یــومــاً** کہا جاتا ہے اسی طرح سو دن، ہزار دن کہا جاتا ہے حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ الجمع اور السنین معرفہ ہوں تو

ساری زندگی کے لئے قسم ہوگی اسی طرح الاحیین اور الازمنہ بھی۔اور''الایام''میں سات دن اور''الشھور''میں بارہ مہینے مراد ہوں گے کیونکہ اسماء جمع میں جس پر حرف تعریف داخل ہوتو ان کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ اگر وہ کوئی جانا پہچانا عدد تو وہ مراد ہوگا جیسے ایام میں سات ہفتے کے دن اور مہینوں میں بارہ مہینے، اور اگر کوئی معہود عدد نہ ہوتو کلام کو پورے جنس کی طرف پھیرا جائے گا تو یہ پوری عمر کو شامل ہوگا جیسے السنین، الاحیین اور الازمنہ۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصل جیسے کہ ہم نے دیکھ لی یہ ہے کہ اسم کو جمع کے عدد کے آخری حصہ کی طرف پھیرا جائے جب وہ عدد کے ساتھ ملا ہوا ہو اور وہ دس کا عدد ہے جو آخری ہے۔ ❶ جس نے قسم اٹھائی کہ اس کے ساتھ زمانے تک بات نہیں کروں گا پھر چھ مہینے سے پہلے بات کر لی تو حنفیوں اور حنابلہ ❷ کے ہاں حانث ہوجائے گا کیونکہ مطلق حین سے کلام اللہ میں چھ مہینے مراد ہیں ارشاد ربانی ہے''وہ اپنا پھل لاتی ہے ہر زمانے میں۔(ابراہیم ۱۴/۲۵)

ایک جماعت نے''حین''کی تفسیر چھ مہینے سے کی ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ''حین''ایک سال ہے کیونکہ انہوں نے اس کی تفسیر سال سے کی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس کی کوئی مقدار نہیں لہٰذا تھوڑے سے وقت میں بھی اس کی قسم پوری ہوجائے گی کیونکہ''حین''مبہم اور غیر واضح ہے جو تھوڑے اور زیادہ پر واقع ہوتا ہے۔اگر قسم اٹھائی کہ اس سے''ایام''میں بات نہیں کروں گا تو تین دن مراد ہیں یہ صحیح قول ہے کیونکہ جمع کا لفظ نکرہ ذکر کیا ہے تو جمع سالم کے کم سے کم عدد پر واقع ہوگا جو تین ہے اور ایک قول میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دس اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سات دن مراد ہوں گے۔اور اگر کہا کہ میں تجھ سے سالوں (سنین) بات نہیں کروں گا تو حنفی، مالکی اتفاق سے تین سال ہوں گے کیونکہ جمع کا کم عدد تین ہے اس پر محمول کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ''نکرہ''جمع کی صورت میں فرماتے ہیں کہ جمع کا کم عدد جو کہ تین ہے مراد ہوگا اور جمع معرفہ کی صورت میں امام صاحب کے ہاں اگر عدد کے ساتھ ملا ہوا ہوتو انتہائی آخری مراد ہوگا جو دس ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں اگر معہود ہوتو وہی مراد ہے ورنہ پورے جنس پر واقع ہوگا۔

اگر قسم اٹھائی کہ''عمر میں''اس سے بات نہ کروں گا، تو اگر نیت نہ ہوتو ساری عمر مراد ہوگی اور اگر''عمر''نکرہ استعمال کیا تو امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دو روایتیں ہیں ایک جو زیادہ ظاہر ہے کہ چھ مہینے حین کی طرح اور ایک روایت میں ایک دن پر قسم ہوگی۔اگر قسم اٹھائی کہ فلاں سے بہت دنوں میں بات نہیں کروں گا تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دس اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں سات مراد ہوں گے۔اگر قسم اٹھائی کہ دور تک بات نہیں کروں گا تو ایک مہینے اور اس سے زیادہ تک کے لئے قسم ہوگی۔اگر قسم اٹھائی کہ قریب تک بات نہیں کروں گا تو ایک مہینے سے کم پر قسم ہوگی۔اگر قسم اٹھائی کہ عاجل یا آجل (جلدی یا تاخیر) بات نہیں کروں گا تو عاجل ایک مہینے سے کم پر ہوگا کیونکہ مہینہ کثیر کے حکم میں ہے کیونکہ قرضوں میں تاخیر کا وقت مہینہ بنایا جاتا ہے اس لئے بعید ہوگا اور لفظ''آجل''مہینہ اور اس سے زیادہ پر واقع ہوا۔اگر قسم اٹھائی کہ اس سے بات نہیں کرے گا تو مہینہ یا اس سے زائد پر واقع ہوگی۔اگر قسم اٹھائی کہ سردیوں میں اس سے بات نہیں کروں گا تو جب سے لوگ سردی کے کپڑے پہنیں گے اس وقت سے لے کر جب سردی کے کپڑے اتاریں گے اس وقت تک کے لئے قسم ہوگی اور گرمی کی قسم اس کے برعکس ہوگی یعنی سردیوں کے کپڑے اتارنے سے لے کر پہننے تک۔اور موسم خزاں اور بہار لغت میں معروف ومعلوم ہیں اس کے مطابق مراد ہوں گے۔

جس نے قسم اٹھائی کہ فلاں کام نہیں کروں گا پھر کچھ کر لیا تو حانث ہوگا الّا یہ کہ پورے کا ارادہ کیا ہوتو جس نے قسم اٹھائی کہ دو آدمیوں کی زیارت نہیں کروں گا یا ان دونوں سے بات نہیں کروں گا پھر ایک کی زیارت کی یا ایک سے بات کی تو حانث ہوگا البتہ اگر اس نے یہ نیت کی ہو کہ اس کا عمل ان دونوں کے ساتھ جمع نہ ہوگا تو پھر حانث نہ ہوگا۔ ❸

---

❶ البدائع ۳/۵۰، فتح القدیر ۴/۷۲۔ ❷ المغنی: ۸/۷۸۹۔ ❸ المغنی ۸/۷۸۲۔

چوتھا مقصد.....کھانے، پینے، چکھنے وغیرہ پر قسم

کھانا.....جو چیز چبائی جاسکے اس کو منہ سے پیٹ تک پہنچانے کو کہتے ہیں چاہے چبائے یا نہ چبائے: جیسے روٹی، گوشت اور پھل وغیرہ۔

پینا.....جو چیز چبائی نہ جاسکے اس کو پیٹ تک پہنچانا جیسے سب بہنے والی چیزیں مثلاً پانی، نبیذ، دودھ، پانی ملا ہوا شہد وغیرہ۔ ❶

چکھنا.....چکھی جانے والی چیز کو منہ تک پہنچانا نگلے یا نہ نگلے جب کہ اس کا ذائقہ پالیا ہو کیونکہ پانچ حواس میں سے چکھنا بھی ایک ہے جس سے چیزوں کو پہچانا جاتا ہے اسی وجہ سے ذائقے کا علم ہوجاتا ہے خواہ چکھی جانے والی چیز کو حلق سے اتارے یا پھینک دے۔ پس ہر کھانے میں چکھنا داخل ہے لیکن ہر چکھنے میں کھانا شامل نہیں۔ (مثلاً منہ سے نکال کر پھینک دے)

چکھنے پر قسم.....اس اصول کی بنیاد پر اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ کھائے، پیئے گا نہیں پھر کوئی چیز چکھی تو حانث نہ ہوا۔ اگر قسم اٹھائی کہ نہیں کھانا اور پانی وغیرہ چکھے گا پھر لے کر منہ میں ڈالا اور ذائقہ محسوس ہوا تو حانث ہوجائے گا کیونکہ چکھنا پایا گیا اور جو معنی ذکر کیا گیا وہ بھی ثابت ہوا۔ اگر قسم اٹھائی کہ کوئی چیز نہیں چکھے گا اور اس نے نیت کھانے، پینے کی کرلی تو دیانۃً تصدیق کردی جائے گی لیکن عدالت میں تصدیق نہیں کی جائے گی اور چکھنے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ لوگوں کے عرف میں ''چکھنے'' سے کھانا، پینا مراد لیا جاتا ہے انسان کہتا ہے: میں نے آج کوئی چیز نہیں چکھی اور میں نے صرف پانی ہی چکھا ہے'' تو اس سے کھانا اور پینا مراد ہوتا ہے۔ دیانۃً تو اس لئے تصدیق کی جائے گی کہ اس نے وہ نیت کی ہے جس کا احتمال اس کے الفاظ میں ہے اور قضاءً اس لئے تصدیق نہ ہوگی کہ اس نے کلام کو ظاہری معنی سے دوسرے معنی کی طرف پھیرا ہے۔ اگر قسم اٹھائی کہ پانی نہیں چکھے گا، پھر وضوء میں کلی کی تو اپنی قسم میں حانث نہ ہوگا اگرچہ اس کو پانی کا ذائقہ محسوس ہوا ہو، کیونکہ عرف ورواج میں اس کو چکھنا نہیں سمجھا جاتا کیونکہ اس کی نیت پاکی حاصل کرنے کی ہے نہ کہ اس کا ذائقہ چکھنے کی، ❷ اگر قسم اٹھائی کہ کوئی چیز نہیں سونگھے گا تو سونگھنا حنبلی حضرات کے ہاں ہر گھاس اور پھول جس کی خوشبو اچھی ہو (جیسے گلاب، بنفشہ اور نرگس کا پھول ہے) کو شامل ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صرف ریحان فارسی کے سونگھنے سے ہی حانث ہوگا کیونکہ یہی متعارف ہے۔ ❸

کھانے پر قسم.....قسم اٹھائی کہ انار اور انگور نہیں کھائے گا پھر اس کو چوس کر اسے پھینک کر پانی حلق سے اتار لیا تو کھانے یا پینے جس کی قسم ہو حانث نہ ہوگا کیونکہ ''چوسنا'' کھانا پینا نہیں ہے اگر انگور یا انار چبائے بغیر نگل لئے تو حانث ہوگا کیونکہ یہ کھانا ہے۔

کھانا کھانے کا مطلب.....جس نے قسم اٹھائی کہ کھانا نہیں کھائے گا تو کھانا بالاتفاق روٹی، گوشت، حلوہ، پھل اور جو چیزیں روٹی کے ساتھ بطور سالن کھائی جاتی ہیں کو شامل ہوگا کیونکہ کھانا لغت میں ان چیزوں کا نام ہے جو کھائی جاتی ہیں۔

ارشاد ربانی کی وجہ سے: (ہر کھانے کی چیز بنی اسرائیل کے لئے حلال تھی مگر وہ چیز جو بنی اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کی (آل عمران ۳/ ۹۳)

لیکن عرف میں خاص ہے اس کے لئے جو خود یا دوسرے کے ملاکر کھایا جائے اسی طرح اگر قسم اٹھائی کہ فلاں کے کھانے میں سے نہیں کھاؤں گا پھر مذکورہ چیزیں فلاں کے کھانے سے کھائیں تو حانث ہوگا۔ اگر اس نے فلاں کی نبیذ یا پانی لے کر اپنی روٹی کے ساتھ کھایا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اس کو طعام نہیں کہا جاتا کیونکہ یہ روٹی کے ساتھ استعمال نہیں کیا جاتا عادۃً نیز ایسی صورت میں اپنا کھانا کھانا ہی شمار کیا اور کہا جاتا ہے۔ اگر قسم اٹھائی کہ نہیں کھائے گا پھر روٹی، چھوارے کشمش، گوشت یا دودھ کھایا تو حانث ہوگا کیونکہ بعض علاقوں میں اسی کو بطور غذا استعمال کیا جاتا ہے۔

---

❶ ...المبسوط ۸/ ۱۷۵، البدائع ۳/ ۵۶، تبیین الحقائق ۳/ ۱۲۴، فتح القدیر ۴/ ۴۴، الدر المختار ۳/ ۹۴ الفتاوی الهندية ۲/ ۷۵۔ ❷المبسوط ۸/ ۱۷۵، البدائع ۳/ ۶۷، تبیین الحقائق ۳. ۱۲۵، الدر المختار ۳/ ۷۳ الفتاوی الهندية ۲/ ۷۵، ۸۴.

❸المغنی ۸/ ۸۱۳ وما بعدها.

دودھ اور سرکہ کھانے کی صورت......اگر قسم اٹھائی کہ یہ دودھ نہیں پیئے گا پھر روٹی یا چھواروں کے ساتھ کھایا یا قسم اٹھائی کہ یہ سرکہ نہیں کھائے گا پھر روٹی کے ساتھ کھایا تو حنفیوں اور شافعیوں کے نزدیک بالاتفاق حانث ہو جائے گا کیونکہ دودھ کا کھانا عادۃً اسی طرح ہوتا ہے اسی طرح سرکہ بھی کیونکہ وہ بھی سالن میں سے ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سرکہ اچھا سالن ہے۔ ❶ اگر اس کو پی لیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ کھانا نہیں ہے۔ ❷

قسم اس چیز کے باقی رہنے کے ساتھ متعلق ہے نہ کہ اس میں تبدیلی آنے کے بعد اگر قسم اٹھائی کہ یہ دودھ نہیں کھائے گا تو دودھ سے بنی ہوئی چیزیں جیسے پنیر وغیرہ کھانے سے بالاتفاق حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ بدل چکا ہے اس پر دودھ کا نام نہیں بولا جاتا اسی کی مثل ہے اگر قسم اٹھائے کہ اس انڈے سے نہیں کھائے گا پھر اس سے چوزا نکلا اور اس نے چوزے میں سے کھایا یا قسم اٹھائی کہ اس شراب میں سے نہیں پئے گا پھر وہ سرکہ بن گیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اس کی اصل تبدیل ہوگئی ہے۔ حنابلہ نے ذکر کیا ہے ❸ کہ لبن یعنی دودھ جانوروں، شکار اور عورتوں کے دودھ کو شامل ہے کیونکہ لفظ ان پر حقیقت اور عرف میں بولا جاتا ہے پھر برابر ہے کہ وہ دودھ ہو یا دہی ہو، بہنے والا ہو یا جم گیا ہو کیونکہ سب کے سب دودھ ہیں۔

اسی طرح اگر قسم اٹھائی کہ اس کچی کھجور سے نہیں کھاؤں گا پھر وہ پک گئی یا پکی ہوئی کھجور نہ کھاؤں گا پھر وہ خشک ہوگئی یا اس انگور سے نہیں کھاؤں گا پھر وہ کشمش بن گئی اور اس نے کھائی تو ان سب صورتوں میں حنفی، شافعی، مالکی اتفاق کے ساتھ حانث نہ ہوگا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب قسم کسی چیز کے ساتھ متعلق ہو تو اس کی ذات کے باقی رہنے کے ساتھ قسم باقی رہے گی اور ذات کے ختم ہونے سے قسم ختم ہو جائے گی، اگرچہ کھجور کی ذات چھوارا بننے کی صورت میں نہیں بدلی لیکن بعض حصہ ختم ہو گیا (یعنی سوکھنے سے پانی) جب کھجور سوکھ گئی تو پانی ختم ہو گیا تو جس کی طرف اشارہ کیا اس کا بعض کھایا اس لئے حانث نہ ہوگا اسی طرح اگر قسم اٹھائی کہ یہ چپاتی نہیں کھاؤں گا پھر اس کا بعض حصہ کھایا تو حانث نہ ہوگا۔ حنبلی حضرات فرماتے ہیں ❹ اگر قسم اٹھائی کہ یہ کھجور نہیں کھائے گا پھر اس کو سوکھنے کے بعد کھایا تو حانث ہوگا جس طرح حانث ہوگا اس کھجور سے جو چیز بھی پیدا ہو لیکن اگر قسم اٹھائی کہ چھوارا نہیں کھاؤں گا اور کھجور کھائی تو حانث نہ ہوگا اسی طرح اگر قسم اٹھائی کہ انگور نہیں کھائے گا پھر کشمش یا اس سے بنی کوئی چیز کھائی، یا قسم اٹھائی کہ جوان سے بات نہیں کرے گا پھر بوڑھے سے بات کی یا قسم اٹھائی کہ بکری کا بچہ نہیں خریدے گا پھر خریدا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ قسم صفت کے ساتھ تھی نہ کہ ذات کے ساتھ اور صفت نہیں پائی گئی۔ جس نے قسم اٹھائی کہ جس کھانے کو فلاں خریدے گا وہ نہیں کھاؤں گا پھر فلاں نے اور کسی اور نے مل کر خریدا اور اس نے کھالیا نیت نہ تھی تو مالکی، حنفی اور حنبلی ❺ حضرات کے ہاں حانث ہو جائے گا کیونکہ فلاں اس کے آدھے کا خریدار ہے وہ بھی کھانا ہی ہے جس کو اس نے کھایا تو حانث ہوگا جس طرح فلاں شخص خرید کر کسی اور کے خریدے ہوئے کے ساتھ ملا دے اور یہ سب کو کھائے۔ شافعی حضرات فرماتے ہیں کہ حانث نہ ہوگا کیونکہ ہر جز کو کسی ایک نے بھی علیحدہ نہیں خریدا تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے قسم اٹھائی کہ جس کپڑے کو زید نے خریدا وہ نہیں پہنوں گا پھر وہ کپڑا پہنا جس کو زید اور کسی اور نے مل کر خریدا تھا یہ مسئلہ آنے والی صورتوں کے خلاف ہے۔ اگر قسم اٹھائی کہ اس بھیڑ کے بچے یا بکری کے بچے کے گوشت سے نہیں کھائے گا پھر اس کے مینڈھا وغیرہ بننے کے بعد گوشت کھایا تو حنفیوں کے ہاں حانث ہوگا کیونکہ ذات باقی ہے تبدیل نہیں ہوئی اور قسم معین ذات پر تھی۔

اگر قسم اٹھائی کہ جوان سے بات نہیں کرے گا پھر بوڑھا ہونے کے بعد اس سے بات کی تو بھی قسم ٹوٹ گئی کیونکہ ذات باقی ہے تبدیل صرف صفت ہوئی ہے اس کی ذات کا بعض حصہ تبدیل نہیں ہوا۔

---

❶ ......رواہ احمد واصحاب السنن الاربعة عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ (نیل الاوطار ٢٢١/٨) ❷ البدائع ص ٥٦ تبیین الحقائق ١٣٢٥/٣، الشرح الکبیر ١٤٤/٢، مغنی المحتاج ٣٣٨/٤، ٣٤٠، ٣٤٢، المغنی ٨٠٦/٨۔ ❸ المغنی ٨٠٣/٨۔ ❹ ٨٠٠/٨، ٨٠٢۔ ❺ القوانین الفقہیة ص ١٦٣، مغنی المحتاج ٣٥٢/٤ المغنی ٧٨٠/٨۔

اگر قسم اٹھائی کہ جوان سے بات نہیں کرے گا پھر بوڑھے سے کی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ قسم غیر معین جوانی کی صفت والے انسان پر ہے اور صفت کو ذکر کرنا شرط لگانے کے درجے میں ہے اور یہ بات واضح ہے کہ جوانی بوڑھے پر صادق نہیں آتی۔

دودھ کو پانی کے ساتھ ملانے کے حکم میں حنفی حضرات کا اختلاف......اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ اس دودھ سے کچھ بھی نہیں چکھے گا پھر اس میں پانی ڈالا اور چکھا یا پی لیا تو دیکھا جائے اگر دودھ زیادہ ہے تو قسم ٹوٹ گئی کیونکہ اس کو دودھ کہا جاتا ہے۔ اور اگر پانی زیادہ ہے تو حانث نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ چھواروں کے پانی (نبیذ) پر بھی منطبق ہوتا ہے جب اس کو سرکہ میں ڈال دیا یا نمکین پانی کو میٹھے پانی میں ملایا تو اعتبار کثرت کا ہوتا اس میں صاحبین کا اتفاق ہے البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ رنگ اور ذائقے میں کثرت کا اعتبار کرتے ہیں نہ کہ اجزاء میں اگر دودھ کا رنگ اور ذائقہ باقی ہو تو قسم ٹوٹ جائے گی اگر چہ دودھ پانی سے کم ہو، اگر رنگ اور ذائقہ ختم ہو جائے تو حانث نہ ہوگا اگر چہ دودھ کے اجزاء زیادہ ہوں، کیونکہ جب رنگ اور ذائقہ باقی ہو تو چیز کا نام باقی رہتا ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اجزاء کے زیادہ ہونے کا اعتبار کیا ہے اگر جس چیز پر قسم اٹھائی ہے اس کے اجزاء زیادہ ہوں تو قسم ٹوٹ جائے گی اگر کم ہوں تو نہ ٹوٹے گی، کیونکہ حکم اکثر پر لگتا ہے اور کم مقدار والی چیز اس کے تابع بن جاتی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا کہ اگر کسی ستو میں واضح ہوں اور گھی کا ذائقہ پایا جا رہا ہو تو قسم ٹوٹ گئی۔ اگر ذائقہ نہ پایا جا رہا ہو اور نہ اجزاء نظر آ رہے ہوں تو حانث نہ ہوگا کیونکہ جب نظر آ رہا ہو تو دوسرے کے ماتحت ہو کر ختم نہیں ہوا تو گویا اس نے صرف گھی ہی کھایا ہے، اور اگر اجزاء نظر نہ آ رہے ہوں تو دوسرے میں ختم ہو چکا ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

کسی چیز کو اسی کی جنس سے ملانا......اگر جس پر قسم اٹھائی ہے اس کو اسی کی جنس سے ملا دیا جس طرح دودھ کو کسی اور دودھ سے ملا دیا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں پانی کے ساتھ ملانے کی صورت کی طرح کثرت کو دیکھا جائے گا اگر غلبہ دوسرے دودھ کا زیادہ ہو تو قسم نہ ٹوٹے گی، کیونکہ اس صورت میں غیر میں ہلاک ہونے کی طرح ہو گیا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس صورت میں بہر حال قسم ٹوٹے گی، کیونکہ کوئی چیز اپنی جنس میں ملنے سے ختم نہیں ہوتی وہ تو صرف غیر میں ملنے سے ختم ہوتی ہے اس وقت کثرت کا اعتبار کیا جاتا ہے لہٰذا اپنی جنس میں یوں سمجھا جائے گا گویا مغلوب نہیں ہے۔ لیکن یاد رہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جنس کے ساتھ ملانے کی صورت میں اس کو ختم ہونا قرار نہیں دیا جب جنس، نوع اور صفت ہر ایک میں ایک طرح کی ہو اگر قسم بدل جائے جیسے بکری اور بھیڑ کا دودھ یا صفت بدلے جیسے میٹھا اور کڑوا پانی تو ان کے ملنے کی صورت میں کثرت کو دیکھا جائے گا جس طرح دو علیحدہ جنسوں کے ملنے کے وقت ہوتا ہے۔

سالن پر قسم......اگر قسم اٹھائی کہ سالن نہیں کھائے گا تو سالن سے ہر وہ چیز مراد ہے جو رواج میں روٹی کے ساتھ کھائی جاتی ہو جیسے دودھ، زیتون کا تیل، شوربہ، سرکہ، شہد وغیرہ اور جن میں روٹی بھگو کر نہیں کھائی جاسکتی تو یہ اس میں شامل نہیں ہے جیسے گوشت، پنیر، انڈے وغیرہ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت یہی ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ اور باقی فقہاء......امام محمد رحمہ اللہ اور باقی فقہاء کہتے ہیں نیز امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت ہے کہ ہر وہ چیز جو روتی کے ساتھ کھائی جائے وہ سالن ہے، جیسے گوشت، انڈے، پنیر وغیرہ۔

دلیل......''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی گئی ہے کہ جنتیوں کے سالن کا سردار گوشت ہے۔''

عقلی دلیل ہے کہ سالن کو عربی میں ''ادام'' کہتے ہیں اور ادام ''ائتدام'' سے ماخوذ ہے ائتدام موافقت کے معنی میں ہے، چنانچہ کھانے میں روٹی اور ان اشیاء کے درمیان پائی جانے والی موافقت بالکل ظاہر ہے۔

نیز لوگ ان اشیاء کو عرف عام میں (رواجاً) سالن سمجھتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک اسی پر فتویٰ ہے۔

(ا)..... اگر کوئی چیز سالن سمجھ کر کھائی گئی ہے جیسے زیتون کا تیل، سرکہ تو بالا تفاق قسم ٹوٹ جائے گی، چونکہ یہ اشیاء روٹی کے تابع ہوتی ہیں اور انہیں مقصود بنا کر نہیں کھایا جاتا، اور یہی سالن کا اصل نکتہ ہے۔

(ب)..... اگر روٹی کے ساتھ پنیر، گوشت اور انڈے کھائے تو مختار قول کے مطابق قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، جب کہ قول مرجوح کے مطابق قسم نہیں ٹوٹے گی، اور یہ مرجوح قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

اگر روٹی کے ساتھ چاول کھائے..... اگر کسی کھانے میں چاول سالن سمجھ کر روٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہو تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی، اور اگر چاول مقصود بنا کر کھائے گئے جیسا کہ مشرقی ممالک (پاکستان، بھارت، کشمیر، بنگلہ دیش، برما وغیرہ) میں عرف عام میں چاول مقصد بنا کر (روٹی کی طرح) کھائے جاتے ہیں تو اس صورت میں حانث نہیں ہوگا۔ چونکہ اہل مشرق کے ہاں چاول کو سالن نہیں سمجھا جاتا۔

(ج) اگر روٹی کے ساتھ انگور، میوہ جات یا سبزیاں کھائیں..... اگر روٹی کے ساتھ انگور کھائے یا پھل کھائے یا سبزی کھائی تو بالا تفاق قسم نہیں ٹوٹے گی۔ چونکہ یہ چیزیں انفرادی بھی کھائی جاتی ہیں اور سالن کے مقصد سے نہیں کھائی جاتیں، بلکہ یہ تو سالن کے ساتھ کھانے کے تابع ہیں، البتہ اگر کسی جگہ اکثر طور پر روٹی کے تابع بنا کر (بطور سالن) کھائی جاتی ہوں تو قسم ٹوٹ جائے گی چونکہ عرف کی رعایت اسی کی متقاضی ہے۔[1]

۶: گوشت نہ کھانے کی قسم..... اگر کسی نے قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا تو مچھلی کے سوا جس حیوان (جانور) کا گوشت کھائے گا قسم ٹوٹ جائے گی، اگر مچھلی کھائی تو حانث نہیں ہوگا۔ اگرچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو ''لحم'' (گوشت) سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

لَحۡمًا طَرِيًّا..... فاطر ۳۵/۱۲ ''یعنی تازہ گوشت'' چونکہ عرف عام میں مچھلی کی گوشت نہیں کہا جاتا، نیز جب مطلق گوشت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد مچھلی نہیں ہوتی، چنانچہ جب کوئی شخص کہے: ''میں نے فلاں دن گوشت نہیں کھایا'' اگرچہ اس نے مچھلی کھائی ہو تب بھی وہ درست کہتا ہے۔

قرآن مجید میں مچھلی کو صرف گوشت کا نام دیا گیا ہے۔[2] یہی شافعیہ کا مذہب ہے۔[3] گوشت کا لفظ دنبے کی چکی، کلیجی، تلی اور دل کو شامل نہیں ہوگا یہی شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح قول ہے۔ البتہ سری گوشت، زبان، پیٹھ اور پہلو کی چربی گوشت میں شامل ہوگی۔

مالکیہ اور حنابلہ..... مالکی اور حنبلی حضرات فرماتے ہیں: پیٹھ اور پہلو کی چربی کھانے سے، مچھلی کھانے سے حانث ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لحم فرمایا ہے ارشاد ربانی ہے:

وَ هُوَ الَّذِىۡ سَخَّرَ الۡبَحۡرَ لِتَاۡكُلُوۡا مِنۡهُ لَحۡمًا طَرِيًّا..... النحل ۱۶/۱۴

اور وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کیا تا کہ تم تازہ گوشت کھاؤ۔

اور فرمایا:

---

[1] ..... مزید تفصیل کے لئے دیکھئے المبسوط ۸/۱۷۷، البدائع ۳/۵۷، الدر المختار ۳/۱۰۳، فتح القدير ۴/۵۴ تبيين الحقائق ۳/۱۳۱ المغنی ۸/۸۰۵۔ [2] یعنی گوشت کے لفظ کا اطلاق مچھلی پر کیا گیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مچھلی فی الواقع اور عرف میں بھی گوشت ہو۔

[3] دیکھئے المہذب ۲/۱۳۴ مغنی المحتاج ۴/۳۳۶ یعنی مچھلی کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔

وَ مِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا ......فاطر ۳۵/ ۱۲

نیز یہ بھی حیوان کے جسم کا حصہ ہے۔ حنابلہ کے ہاں گوشت چربی، مغز اور دماغ کو شامل نہیں، البتہ اگر اس نے چکنائی سے بچنے کا ارادہ کیا تو چربی کھانے سے حانث ہو جائے گا۔ اگر پیٹھ کی چربی کھائی تو حنفیوں کے ہاں حانث ہوگا، کیونکہ یہ موٹا گوشت ہے۔ اگر پیٹ اور چکی کی چربی کھائی تو حانث نہ ہوگا، کیونکہ اس کو لحم یعنی گوشت نہیں کہا جاتا، اور گوشت کے ساتھ اس کو بیچا بھی نہیں جاتا، اگر نیت کی ہو تو حانث ہو جائے گا، کیونکہ اس نے اپنے اوپر سختی کی، نیز اس میں کسی نہ کسی درجے میں گوشت کا معنی یعنی چکنائی پایا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر مچھلی کے گوشت کی نیت کی تو بھی حانث ہوگا کیونکہ اس میں بھی ناقص لحمیت پائی جاتی ہے۔

اگر اس نے پیٹ کی زائد اشیاء مثلاً اوجڑی، پھیپھڑے، دل، انتڑیاں یا تلی وغیرہ کھالی تو امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں اہل کوفہ کی عادت کے مطابق حانث ہوگا، کیونکہ اس کو گوشت کے ساتھ بیچا جاتا ہے، البتہ وہ جگہ جس میں گوشت کے ساتھ اس کو نہیں بیچا جاتا جس طرح ہمارے زمانے میں تو حانث نہ ہوگا۔

اگر مچھلی کے علاوہ حیوانات میں سے کسی کے سر کا گوشت کھایا: تو حانث ہوگا، کیونکہ سر بھی حیوان کے اعضاء میں سے ہے تو اس کو کھانا باقی اعضاء کے کھانے کی طرح ہے، اس کے برخلاف اگر قسم اٹھائی کہ گوشت نہیں خریدے گا، پھر سری خریدی: تو حانث ہوگا؟

سری خریدنے والا گوشت کا خریدار نہیں سمجھا جاتا، بلکہ کہا جاتا ہے: اس نے سری خریدی۔ (۱)

۷: چربی نہ کھانا...... اگر قسم اٹھائی کہ چربی نہیں کھائے گا پھر پیٹھ کی چربی خریدی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حانث نہ ہوگا، کیونکہ عرف اور عادت و رواج میں اس کو چربی نہیں کہا جاتا، بلکہ اس کو پلا ہوا گوشت کہا جاتا ہے، لہٰذا مطلق ہونے کی صورت میں چربی کا لفظ اس کو شامل نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے اگرچہ اس کو چربی فرمایا ہے لیکن اس سے قسم میں داخل ہونا لازم نہیں آتا اگر رواج میں نہ ہو، کیونکہ قسموں کا مدار رواج و عرف پر ہے، حانث صرف پیٹ اور آنتوں کی چربی سے ہوگا۔

صاحبینؒ اور مالکیؒ...... حضرات کے ہاں پیٹھ کی چربی سے بھی حانث ہوگا، کیونکہ ارشاد باری ہے:

وَمِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ ......الانعام: ۶/ ۱۴۷

اور گائے اور بکریوں میں سے ہم نے ان پر چربیوں کو حرام کیا مگر وہ چربیاں جن کو ان کی پیٹھوں نے اٹھایا۔

مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ پیٹھ کی چربی بھی حقیقۃً چربی ہے۔ (۲)

آج کل رواج بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ یہ چربی ہے۔

۸: سری کا نہ کھانا اور نہ خریدنا...... اگر قسم اٹھائی کہ سری نہ کھاؤں گا، نہ خریدوں گا پھر تمام سریوں کی نیت کی تو درست ہے اور اس کا کلام اسی طرف پھرے گا، کیونکہ اس نے اپنے کلام کی حقیقت کی نیت کی اور اس میں سختی کی۔ اگر اس کی نیت نہ ہو تو اس کے علاقے میں جو سری بیچی جاتی ہوں وہ مراد ہوں گی۔

امام صاحب کا مسلک...... امام صاحب رحمہ اللہ پہلے فرماتے تھے کہ اس میں اونٹ، گائے اور بکری کی سریاں داخل ہیں، پھر رجوع فرمایا اور فرمایا کہ اس میں صرف گائے اور بکری کی سری شامل ہے۔

(۱)......دیکھئے فتح القدیر ص ۴۸ تبیین الحقائق ص ۱۲۸، الدر المختار ص ۱۰۰ مغنی المحتاج ۴/ ۳۳۷ الشرح الکبیر ۲/ ۱۴۴۔ (۲) مبسوط وفتح القدیر المراجع السابقہ، تبیین الحقائق ص ۱۳۰۔

صاحبین کا مسلک.....حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف بکری کی سری میں ہی حانث ہوگا۔

متأخرین احناف نے فرمایا.....یہ زمانے اور عادت ورواج کی تبدیلی کا اختلاف ہے دلیل کا اختلاف نہیں، کیونکہ قسموں کے مسائل رواج پر مبنی ہیں اس لئے رواج کے ساتھ ہی بدلتے رہیں گے۔ ❶

شافعیہ.....کہتے ہیں: جس شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ سریاں نہیں کھائے گا اور اس کی کوئی اور نیت بھی نہ ہو تو وہ اسی سریاں کھانے سے حانث ہو جائے گا جو تنہا فروخت کی جاتی ہیں۔ اس سے بھیڑ بکری کی سریا اونٹ اور گائے کی سریاں، مراد ہوں گی، چونکہ عرف میں یہی سریاں مراد لی جاتی ہیں، تاہم پرندوں کی سریاں، مچھلیوں کی سریاں شکار اور گھوڑوں کی سریاں کھانے سے حانث نہیں ہوگا ہاں البتہ جن شہروں میں یہ سریاں فروخت ہوتی ہوں ان میں کھانے سے حانث ہوگا۔

۹: انڈا نہ کھانے کی قسم.....اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ انڈا نہیں کھائے گا: اگر اس نے ہر پرندے کسی کے انڈے کی نیت کی تھی تو حنفیہ کے نزدیک قسم اسی کے مطابق واقع ہوگی۔ اس لئے کہ اس نے اپنی بات کے حقیقی معنی مراد لیے ہیں۔ اور اپنے آپ پر سختی کی ہے۔ اور اگر اس کی کوئی نیت نہیں تھی تو اس سے مراد وہ انڈا ہوگا جس کا چھلکا ہے۔ ایسا انڈا پرندے، مرغی اور بطخ کا ہوتا ہے۔ عرف عام میں یہی معنی مراد ہوتا ہے۔ ❷

شافعیہ.....شافعیہ کے نزدیک انڈے کا اطلاق ہر اس انڈے پر ہوتا ہے جو انڈا دینے والے جانور سے زندگی کی حالت میں جدا ہو جیسے، مرغی، شتر مرغ اور کبوتر نہ کہ مچھلی اور ٹڈی۔ ❸

۱۰: پکی ہوئی چیز نہ کھانے کی قسم.....اگر قسم کھائی کہ پکی ہوئی چیز نہیں کھائے گا: اگر اس نے گوشت وغیرہ کی نیت کی ہو تو یہی مراد ہوگا۔ اس لئے کہ یہ حقیقت میں پکی ہوئی چیز ہے۔ اس نے اپنے آپ پر سختی کی ہے۔ اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو عرف عام مراد ہوگا۔ یعنی پانی سے پکی ہوئی ہر چیز۔ سابقہ عرف میں پکی ہوئی چیز سے مراد ایسا گوشت ہوتا تھا جو پانی سے پکایا گیا ہوتا کہ اس کا کھانا آسان ہو۔ اسی طرح ایسے گوشت سے بنا ہوا شوربا بھی مراد ہوتا تھا۔ اس لئے کہ اس میں گوشت کے اجزاء ہوتے ہیں۔

۱۱: بھنا ہوا نہ کھانے کی قسم.....اگر قسم کھائی کہ بھنا ہوا نہیں کھائے گا اور بھنا ہوا گوشت کھانے کی نیت کی تو ہر بھنا ہوا کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ اس نے اپنی بات کے حقیقی معنی مراد لئے ہیں۔ اور اگر اس کی کوئی نیت نہیں تھی تو اس سے خاص طور پر گوشت ہی مراد ہوگا۔ اس لئے کہ گزشتہ زمانے کا عرف یہی تھا۔ باقی آج کل بھی لوگوں کا عرف مراد ہوگا۔

۱۲: میٹھا نہ کھانے کی قسم.....اگر قسم کھائی لایأکل حلواء او حلواً او حلاوۃ کہ میٹھا یا مٹھائی نہیں کھائے گا: تو اس بارے میں علماء سابقین کا اصول یہ ہے کہ میٹھے سے مراد ایسی چیز ہے جس کی جنس کھٹی نہ ہو۔ اور جس کی جنس میں کھٹاس ہو وہ میٹھا نہیں ہے (غیر الحلو) ہے۔ اور اس کا دارومدار عرف پر ہے۔ لہٰذا کھجور گھی کا حلواء، شہد، چینی، کھجور، چھوارہ، انجیر وغیرہ کے کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ ان چیزوں کی جنس میں کھٹاس نہیں پائی جاتی۔ اور میٹھے انگور، میٹھا خربوز، میٹھا انار، میٹھا آلو بخارہ، میٹھا سیب اور کشمش کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ یہ چیزیں کبھی کبھار میٹھی نہیں ہوتیں۔ لہٰذا ان میں مٹھائی والے معنی خالص نہ ہوئے۔

حلوا.....حلوا کا اطلاق میٹھے پر ہوتا ہے چاہے وہ صرف میٹھی چیزوں سے بنا ہو یا کوئی اور چیز بھی ساتھ ملائی ہو جیسے کھجور گھی کا حلواء اور

---

❶.....مغنی المحتاج ۳۳۵/۴۔ ❷ البدائع: ۵۹/۳۔ ❸ مغنی المحتاج: ۳۳۶/۴۔

ریوڑی جو کہ آٹے اور چینی سے بنائی جاتی ہے۔ ❶

حقیقت یہ ہے کہ میٹھے وغیرہ کی تفسیر کا دارومدار عرف پر ہے جیسا کہ فقہاء فرماتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے عرف میں میٹھے اور میٹھائیوں سے لوگوں کا جو مقصود ہے اس کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارے زمانے میں میٹھے (الحلو) سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے مٹھاس حاصل کی جاتی ہو۔ چاہے وہ پھل ہو یا اس کے علاوہ کوئی چیز ہو جیسے انجیر، انگور، کھجور گھی کا حلواء، کیک وغیرہ۔ رہا الحلاوۃ اور الحلوی تو اس سے مراد ایک مخصوص قسم ہے۔ جیسے اخروٹ سے بنی ہوئی ایک خاص مٹھائی اور تل سے بنی ہوئی مٹھائی۔ اسی طرح جو چیزیں چینی یا شہد سے آٹے میں بنائی جاتی ہیں وہ بھی اسی میں شامل ہیں۔ ❷

۱۳: پھل نہ کھانے کی قسم...... پھل (فاکھۃ) نہ کھانے کی قسم کے بارے میں فقہاء حنفیہ نے اپنے سابقہ عرف کے مطابق جو بحث کی ہے وہ تین قسموں پر مشتمل ہے۔ ان کو میں یہاں ترتیب سے بیان کروں گا۔ اور پھر دائمی فقہی حکم ذکر کروں گا۔

پہلی قسم...... اس قسم کے پھلوں سے حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق قسم ٹوٹ جائے گی۔ انگور، کھجور، اور انار کے علاوہ تمام پھل اس قسم میں شامل ہیں۔

تازہ ہوں یا خشک...... اس لئے کہ ان پر "فاکھہ" کا لفظ بولا جاتا ہے۔ فاکھۃ سے مراد ہر وہ چیز جس کو کھانے سے پہلے یا بعد لطف اندوز ہونے کے لئے کھایا جائے۔ یعنی اس سے معمول سے زیادہ لذت حاصل کی جائے۔

دوسری قسم...... اس قسم سے بالاتفاق قسم نہیں ٹوٹتی: وہ یہ کہ ککڑی، کھیرا اور گاجر کھائے۔ ان میں عادۃً تفکہ والے معنی نہیں پائے جاتے۔ اس لئے کہ یہ خرید وفروخت اور استعمال میں سبزیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

تیسری قسم...... اس قسم میں اختلاف ہے۔ اس میں انگور، کھجور اور انار شامل ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان سے قسم نہیں ٹوٹتی۔ اس لئے کہ **فاکھۃ تفکہ** سے ہے۔ اس کا مطلب ہے ایسی چیز سے لذت حاصل کرنا جس کے ساتھ بقا کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اور وہ عام معمول کے کھانے سے زائد ہو۔ اور جو غذا بن سکے نہ دوا۔

اور یہ چیزیں ایسی ہیں جن کے غذاء اور دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ انگور اور کھجور کو غذا کے طور پر کھایا جاتا ہے۔ ان سے جسم کی بقاء کا تعلق ہے۔ بعض علاقوں کے لوگ انہی کے کھانے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

اور انار دواء کے طور پر کھایا جاتا ہے۔ اس لئے ان چیزوں میں **تفکہ** کے معنی پورے طور پر نہ پائے گئے۔ لہٰذا یہ **فاکھۃ** میں شامل نہیں ہوں گے۔

اسی بات کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

سورہ عبس، آیت ۲۷-۳۲

پھر ہم نے اس سے غلے اگائے، اور انگور اور ترکاریاں، اور زیتون اور کھجور، اور گھنے گھنے باغات، اور میوے اور چارہ، سب کچھ تمہارے اور

---

❶...... المبسوط: ۱۷۸/۸، البدائع: ۵۹/۳، فتح القدير: ۵۲/۴، تبيين الحقائق: ۱۲۹/۳۔ ❷ رد المحتار: ۱۰۳/۳۔

تمہارے مویشیوں کی خاطر! آسان ترجمہ قرآن از مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

یہاں اللہ تعالیٰ نے فاکھة کا عطف انگور پر کیا ہے۔ اور یہ بات تو مسلم ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ الگ الگ ہوتے ہیں۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما......صاحبین فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کے کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ عرف کے اعتبار سے ان میں تفکہ اور لذت والے معنی موجود ہیں۔ بلکہ یہ سب سے شاندار پھل ہیں۔ اور ان میں دوسرے پھلوں سے کہیں زیادہ لذت پائی جاتی ہے۔

یہ پھلوں کے بارے میں حنیفہ کا مسلک ہے۔ اب اعتبار عرف کا ہے۔ عرف میں جس کو فاکھہ کہا جاتا ہے اس سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ رہا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان کہ انگور، کھجور اور انار پھل نہیں ہیں تو یہ عرف اور زمانے کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ ان کے زمانے میں یہ چیزیں فاکھہ میں شمار نہیں کی جاتی تھیں۔ تو انہوں نے اپنے زمانے کے عرف کے مطابق فتویٰ دیا۔ اور صاحبین کے زمانے میں عرف بدل گیا اس لئے ان کا فتویٰ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے سے مختلف ہو گیا۔

اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ وہ خشک پھل نہیں کھائے گا پھر اس نے اخروٹ، بادام، یا انجیر وغیرہ کھالئے تو گزشتہ زمانے کے عرف کے مطابق قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ فاکھة کا اطلاق خشک اور تر دونوں پر ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے عرف میں اخروٹ اور بادام سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ ان سے تفکہ اور لذت حاصل نہیں ہوتی۔ ❶

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ...... مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ رحمۃ اللہ علیہ ❷ فرماتے ہیں کہ پختہ کھجور، انگور، انار، نارنجی، لیموں، بیر (جو بیری کے درخت پر لگے ہوں)؛ خربوز، پستہ اور چلغوزہ کی گری اور اس کے علاوہ دوسری گریاں جیسے بادام اور اخروٹ صحیح قول کے مطابق یہ سب فاکھہ میں شامل ہیں۔ ککڑی، کھیرا، گاجر اور بینگن فاکھہ میں شامل نہیں ہیں۔

۱۴: گندم نہ کھانے کی قسم......اگر قسم کھائی کہ میں اس گندم میں سے نہیں کھاؤں گا تو یہ قسم گندم کو بعینہ بھون ❸ کر یا پکا کر کھانے پر واقع ہوگی۔ کچی گندم پر واقع نہیں ہوگی۔ الا یا کہ اس نے کچی گندم کی نیت کی ہو۔ اسی طرح روٹی اور آٹے سے بننے والی دوسری چیزوں پر بھی واقع نہیں ہوگی۔ ہاں اگر اس نے اس سب کچھ نیت کی ہو تو ان سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اس لئے کہ لفظ گندم کا اطلاق روٹی پر حقیقتاً نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کا روٹی پر اطلاق مجازاً ہوگا۔ اور حقیقی معنی اولیٰ ہوتے ہیں۔

شافعیہ......شافعیہ ❹ کے نزدیک گندم کو پکا کر، بھون کر یا کچی کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ لیکن اس کا آٹا، ستو، گوندھا ہوا آٹا اور روٹی کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اسی طرح پختہ کھجور ❺ چھوارے اور گدر کھجور کو شامل نہیں ہوگی۔ اور انگور کشمش کو شامل نہیں ہوں گے۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اور مالکیہ رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ گندم کی روٹی بنا کر کھانے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی جیسا کہ ثابت گندم کو کھانے سے۔ اس لئے کہ عرف میں گندم کھانے سے گندم سے بنی ہوئی چیز کھانا مراد ہوتا ہے۔ اور وہ روٹی ہے نہ کہ بعینہ گندم کا کھانا۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے فلاں گندم کھائی۔ یعنی اس کی روٹی کھائی۔ اور مطلق کلام کو لوگوں کے عرف پر محمول کیا جاتا ہے۔ اس لئے مسئلے میں اختلاف

---

❶ المبسوط: ۱۷۹/۸، البدائع: ۶۰/۳، فتح القدیر: ۵۳/۴، تبیین الحقائق: ۱۳۰/۳، الدر المختار: ۱۰۳/۳۔ ❷ مغنی المحتاج: ۳۴۰/۴، القوانین الفقھیة: ۱۶۳، المغنی: ۸۰۴/۸۔ ❸ المقلیة: "یعنی جس کو لوگ آگ پر جوش دیتے ہیں اور دانتوں سے چبا کر کھاتے ہیں۔ اس کو ہمارے علاقے کے عرف میں بلیلة کہا جاتا ہے۔" ❹ مغنی المحتاج: ۳۳۸/۴۔ ❺ اہل لغت فرماتے ہیں: کھجور کا پھل شروع میں طلع اور کافور کہلاتا ہے پھر خلال، پھر بلح، پھر بُسر (گدر کھجور)، پھر رطب (پختہ کھجور)، پھر تمر۔

دراصل اصول فقہ کے ایک مسئلے کے اختلاف سے پیدا ہوا ہے۔اور وہ یہ کہ اگر کسی کلام کی حقیقت مستعملہ اور مجاز متعارف دونوں ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حقیقت مجاز متعارف سے بہتر ہے۔صاحبین کے نزدیک مجاز متعارف مراد لینا اولیٰ ہے۔لہٰذا اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ دریائے فرات سے نہیں پئے گا یا اس نہر سے نہیں پیئے گا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قسم منہ لگا کر ❶ پینے پر واقع ہوگی۔لہٰذا اگر اس نے برتن بھر کے یا چلو بھر کے پانی پیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دونوں صورتوں میں قسم واقع ہوجائے گی۔اس لئے کہ وہ اس موقع پر عموم مجاز مراد لیتے ہیں۔

عموم مجاز..... عموم مجاز کا مطلب یہ ہے کہ مجاز کے بہت سے افراد ہوں اور ان تمام افراد میں سے ایک فرد حقیقت بھی ہو۔اس طرح حقیقت مجاز کے تحت داخل ہوجائے گی۔جیسے کسی نے قسم کھائی کہ فلاں آدمی کے گھر میں داخل نہیں ہوگا۔اس کے مجازی معنی رہائش کے ہیں۔اس کے حقیقی معنی ہیں فلاں آدمی کا مملوکہ گھر۔لہذا قسم میں اس کی رہنے کی جگہ مراد ہوگی چاہے وہ کرائے پر ہو،عاریت پر ہو یا اس کی مملوکہ ہو۔اس لئے کہ یہاں بالاتفاق عموم مجاز مراد ہے۔

آٹا نہ کھانے کی قسم..... اگر قسم کھائی کہ اس آٹے میں سے نہیں کھائے گا پھر اس نے وہ چیز کھائی جو اس آٹے سے بنتی ہے یعنی روٹی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔اس لئے کہ آٹے کو بعینہ نہیں کھایا جاتا۔عادۃً اس کی روٹی بنا کر کھائی جاتی ہے۔اس کو پھانک کر کھانا نادر ہے۔اور نادر نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔اگر اس نے نیت یہ کی تھی کہ بعینہ آٹے کو نہیں کھائے گا تو اس سے بنی ہوئی روٹی کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔اس لئے کہ اس نے اپنی بات کے حقیقی معنی مراد لیے ہیں۔

روٹی نہ کھانے کی قسم..... اگر قسم کھائی کہ روٹی نہیں کھائے گا تو اس کی قسم اس علاقے والوں کی عادت کے مطابق ہوگی کہ وہ کس کے کھانے کو روٹی سمجھتے ہیں۔اور وہ گندم اور جو کی روٹی ہے۔اس لئے کہ اکثر علاقوں میں اسی کی عادت ہے۔❷

شافعیہ..... شافعیہ کے نزدیک ❸ روٹی نہ کھانے کی قسم میں روٹی سے مراد ہر طرح کی روٹی ہوگی جیسے گندم،جو،چاول،لوبیا،مکئی اور چنا۔

آٹے کے مسئلے کی بنیاد پر یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی وہ اس درخت سے نہیں کھائے گا پھر اس نے اس درخت کا پھل کھالیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔اس لئے کہ درخت کو بعینہ نہیں کھایا جاتا۔

۱۵: نہ کھانے کی قسم کھا کر کسی خاص کھانے کا ارادہ کرنا..... اگر قسم کھائی کہ کھائے گا نہیں یا پیئے گا نہیں یا پہنے گا نہیں۔اور کسی خاص کھانے،خاص پینے اور اور کپڑے کی نیت کی تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔اس لئے کہ اس نے مقتضائے کلام کے خلاف نیت کی ہے اور وہ عام نہیں ہے لہٰذا تخصیص کا احتمال بھی نہیں۔نیت منہ سے نکلی ہوئی بات کے مختلف احتمالات میں سے بعض کو متعین کرنے میں کام آتی ہے۔لیکن اگر اس نے کہا کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا یا کپڑا نہیں پہنوں گا اور پھر خاص کھانے یا کپڑے کی نیت کی تو دیانۃً اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی لیکن قاضی کی عدالت میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

اور دیانۃً تصدیق اس لئے کہ جائے گی کہ اس نے ایسے کلام کو خاص کرنے کی نیت کی ہے جو بظاہر عام ہے لیکن تخصیص کا احتمال رکھتا ہے۔❹

مالکیہ..... مالکیہ ❺ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ چپاتی نہیں کھائے گا پھر اس نے چپاتی کا کچھ حصہ کھالیا تو قسم ٹوٹ جائے

---

❶..... کرع فی الماء والاناء: اپنی گردن لمبی کی اور پانی یا برتن سے منہ لگا کر پانی پیا۔۱۳۔ ❷ دیکھئے المبسوط: ۱۸۱/۸، البدائع، سابقہ حوالہ ص ۶۱ وما بعدها، فتح القدیر: ۵۰/۴ و مابعدها، تبیین الحقائق: ۱۲۹/۳، الدر المختار: ۱۰۰/۳ وما بعدها، الشرح الکبیر: ۱۴۵/۲۔ ❸ مغنی المحتاج: ۳۳۹/۴۔ ❹ البدائع: ص ۶۶، تبیین الحقائق: ۱۳۳/۳، الدر المختار ۱۰۵/۳ وما بعدها ❺ القوانین الفقهیه: ص ۱۶۴ وما بعدها

گی۔ یہ ان کا مشہور قول ہے۔ اور اگر اس نے قسم کھائی کہ وہ چپاتی کھائے گا تو پوری چپاتی کھائے بغیر قسم پوری نہیں ہوگی۔ ان کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ جس نے کسی فعل کی قسم کھائی اس کو لفظ کے محتمل کے اکثر حصے پر محمول کیا جائے گا۔ یہ مشہور قول ہے۔ اسی طرح جس نے کسی شئی کے کرنے کی قسم کھائی تو اس سے نکلنے والی چیز کھانے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ جس نے قسم کھائی کہ وہ گندم نہیں کھائے گا تو اس کی روٹی کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ جس نے قسم کھائی کہ دہی نہیں کھائے گا تو پنیر کے کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ جس نے قسم کھائی کہ انگور نہیں کھائے گا تو کشمش کے کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔

۱۶: **پینے کی قسم**......ہم پینے کے معنی جان چکے ہیں: وہ یہ کہ ایسی مائع چیزیں جو چبائی نہیں جاسکتیں ان کو پیٹ تک پہنچاتا۔ اگر قسم کھائی کہ نہیں پیئے گا پھر کھالیا تو اس سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے قسم کھائی کہ کھائے گا نہیں اور پھر پی لیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ کھانا اور پینا دو الگ الگ فعل ہیں۔ اگر قسم کھائی کہ پیئے گا نہیں اور اس کی کوئی نیت نہیں تھی پانی یا اس کے علاوہ جو بھی مشروب پیئے گا قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو ہر طرح کے پینے سے روک دیا۔ چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اس لئے کہ تھوڑے پینے کو بھی پینا کہتے ہیں۔

اگر قسم کھائی کہ دجلہ یا فرات سے نہیں پیئے گا......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک منہ لگا کر نہیں پیئے گا قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اگر اس نے ہاتھ یا برتن سے پانی لیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ منہ لگا کر برتن سے یا چلو بھر کر جس طرح بھی پیئے قسم ٹوٹ جائے گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ لفظ جب مطلقا بولا جائے تو اس سے وہ معنی مراد ہوں گے جو اہل لغت کے ہاں معروف ہوں۔ اور ہاتھ یا برتن کے ذریعے نہر سے پانی پینے والے کو اہل لغت کے ہاں نہر سے پانی پینے والا کہا جاتا ہے۔ لہٰذا مطلق کلام کو معنی عرفی پر محمول کیا جائے گا۔ اگر چہ یہ معنی مجازی ہیں مگر یہ مجاز متعارف بن چکا ہے۔ جیسا کہ ابھی گزرا کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس درخت سے نہیں کھائے گا تو اس سے درخت کا پھل مراد ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مطلق کلام سے اس کے معنی حقیقی مراد ہوتے ہیں۔ اور نہر سے پانی پینے کے حقیقی معنی یہی ہیں کہ منہ لگا کر پیا جائے۔

کنویں سے پینا......اگر قسم کھائی کہ اس جُبّ [1] (گہرا کنواں) یا بئر (کنواں) کا پانی نہیں پیئے گا پھر پہلے سے ہاتھ یا برتن کے ذریعے پانی لیا اور دوسرے سے پانی کھینچ کر نکالا اور پی لیا تو بالاتفاق قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ یہاں منہ لگا کر پینا ممکن ہی نہیں۔ اگر قسم کھائی کہ اس کنویں (جب) سے نہیں پیئے گا تو اس میں وہی اختلاف ہے جو ابھی میں نے دجلہ اور فرات والے مسئلہ میں بیان کیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب تک منہ لگا کر پانی نہ پیئے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور صاحبین کے نزدیک مطلقاً قسم ٹوٹ جائے گی۔ [2]

صبح، شام اور سحری کے کھانے کی قسم......غدا (صبح کا کھانا)، عشاء (شام کا کھانا) اور مسحور (سحری) سے مراد ایسی چیز کھانا جس سے عام طور پر پیٹ بھرنا مقصود ہوتا ہے۔ ہر علاقے کا صبح کا کھانا وہاں کے عرف کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر وہ روٹی ہے تو روٹی اور اگر گوشت ہے تو گوشت۔ یہاں تک کہ شہری آدمی اگر صبح کا کھانا نہ کھانے کی قسم کھالے اور پھر دودھ پی لے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ دیہاتی کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس لئے کہ دیہات میں دودھ کھانا شمار ہوتا ہے۔

یعنی اعتبار قسم کھانے والے کے اہل علاقہ کی عادت کا ہوگا کہ ان کے ہاں صبح کے کھانے میں کیا استعمال ہوتا ہے۔

---

[1]......الجب جیم کے ضمہ کے ساتھ: گہرا کنواں۔ [2] المبسوط: ۱۸۶/۸ وما بعدھا، البدائع: ۶۶/۳، فتح القدیر: ۵۸/۴ ومابعدھا تبیین الحقائق ۱۳۴/۳۔

صبح، شام اور سحری کے کھانے میں اتنا کھانا ضروری ہے کہ نصف سے زائد شکم سیر ہو جائے۔

گزشتہ زمانے میں صبح کا کھانا...... طلوع فجر سے لے کر ظہر تک کا کھانا صبح کا کھانا (غداء) شمار ہوتا تھا۔

گزشتہ زمانے میں شام کا کھانا...... ظہر سے آدھی رات تک کا کھانا شام کا کھانا (عشاء) شمار ہوتا تھا۔ اس لئے کہ زوال کے بعد کے وقت کو عشاء (شام) کہا جاتا ہے۔ اس لئے حدیث میں ظہر کو عشاء (شام) کی دو نمازوں میں سے ایک کہا گیا ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی دو نمازوں میں سے ایک کی دو رکعتیں پڑھیں۔ راوی نے یہاں ظہر یا عصر مراد لی ہے۔

آج کل کا عرف...... آج کل ہمارے عرف میں طلوع فجر سے چاشت تک کے وقت کے کھانے کو فطور (ناشتہ) سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد غداء (دوپہر کا کھانا) کا وقت شروع ہو جاتا ہے جو عصر کے وقت ختم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ہمارے عرف میں یہ شام کا ابتدائی وقت ہے۔ اس وقت عشاء (شام کا کھانا) کا وقت داخل ہوتا ہے۔ یعنی عصر کے بعد آج کل اسی عرف کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔

سحری...... سحور آدھی رات سے طلوع فجر تک کے کھانے کو کہتے ہیں۔ یہ سحر سے ماخوذ ہے جو رات کے آخری تہائی کو کہتے ہیں۔ کبھی کبھی اس کا اطلاق رات کے نصف اخیر پر بھی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ رات کی آخری تہائی کے قریب ہے۔

التضحی...... یہ چاشت کے وقت کے کھانے کو کہتے ہیں۔ چاشت کا وقت: سورج طلوع ہونے کے بعد جب نماز پڑھنا جائز ہوتا ہے اس وقت سے آدھے دن تک کا وقت چاشت کا وقت ہے۔ اس لئے کہ یہ نماز چاشت کا وقت ہے۔

التصبیح...... یہ طلوع شمس اور چاشت کے وقت کے درمیانی وقت میں کھائے جانے والے کھانے کو کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ اصباح سے ہے۔ اس کی پہچان اہل لغت کے نام رکھنے سے ہوتی ہے۔

اگر کسی نے قسم کھائی "لیاتینه غدوة" کہ وہ صبح کے وقت ضرور آئے گا تو یہ طلوع فجر کے بعد آدھے دن تک ہوگا۔ ❶

اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ کوئی چیز نہیں کھائے گا پھر اس کو پی لیا یا قسم یہ کھائی کہ اس کو پیئے گا نہیں پھر اس کو کھا لیا تو جمہور کے نزدیک قسم نہیں ٹوٹے گی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ کسی چیز کو نہ کھانے یا نہ پینے کی قسم کھانے سے عرف میں اس چیز سے اجتناب مقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا قسم کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ الّا یہ کہ وہ نیت کر لے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ افعال کی مختلف انواع اشیاء کی انواع کی طرح الگ الگ ہوتی ہیں۔ ❷

پانچواں مطلب...... پہننے اور پہنانے کی قسم

جس نے قسم کھائی کہ کپڑا نہیں پہنے گا حالانکہ وہ کپڑا اس نے پہنا ہوا ہے تو اس کو اسی وقت اتار دے۔ اگر اس نے نہ اتارا تو بالاتفاق قسم ٹوٹ جائے گی۔ ❸

جب کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ قمیص، شلوار یا چادر نہیں پہنے گا اور پھر اس کا تہبند بنا لیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی اسی طرح اگر ان چیزوں میں سے کسی کا عمامہ بنا لیا تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔ اس لئے کہ مطلق میں عادت کا اعتبار ہوتا ہے اور ان چیزوں سے تہبند اور عمامے کی عادت نہیں لہٰذا قاسم بھی نہیں ٹوٹے گی۔

اور اگر قسم کھائی کہ یہ قمیص اور یہ چادر نہیں پہنے گا تو جس طرح بھی اس کو پہنے قسم بالاتفاق ٹوٹ جائے گی۔ ❹ یہاں تک کہ تہبند اور عمامہ

❶...... البدائع: ۶۹/۳، فتح القدير: ۵/۴، تبيين الحقائق ۱۳۲/۳، الدر المختار ۱۰۵/۳ ❷ المغنی: ۸۱۶/۸ ❸ المغنی ۷۷۷/۸ ❹ المغنی: ۷۷۹/۸، الشرح الكبير ۱۵۴/۲۔

بنانے سے بھی۔اس لئے کہ قسم کا تعلق جب کسی چیز کی ذات سے ہوتو اس میں اس ذات کے نام کے پائے جانے کا اعتبار ہوتا ہے۔عرف اور عادت کے وصف کا اعتبار نہیں ہوتا۔

اگر قسم کھائی کہ میں فلاں عورت کا کاتا ہوا استعمال نہیں کروں گا اور پھر ایسا کپڑا پہن لیا جس کو اس عورت نے کاتا تھا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔اس لئے کہ کاتے ہوئے کو بعینہ نہیں پہنا جاتا لہٰذا اس سے بننے والی چیز مراد ہوگی جو کہ کپڑا ہے اور اگر کسی نے بعینہ کاتے ہوئے کو پہننے کی نیت کی تو کپڑا پہننے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔اس لئے کہ اس نے کلام کے حقیقی معنی مراد لئے ہیں۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں عورت کے کاتے ہوئے کا کپڑا نہیں پہنے گا تو اس سے کپڑا مراد ہوگا۔اگر کاتے ہوئے کو پہننے کی نیت کی تو تصدیق نہیں کی جائے گی۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں عورت کے کاتے ہوئے کا کپڑا نہیں پہنے گا پھر اس عورت اور کسی دوسری عورت کے کاتے ہوئے سے بنا ہوا کپڑا پہن لیا تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک بالاتفاق قسم نہیں ٹوٹے گی۔اس لئے کہ کپڑا ایک متعین چیز کا نام ہے۔اس کے بعض حصے پر قسم واقع نہیں ہوگی۔

حنابلہ کے ہاں اس مسئلے میں دو روایتیں ہیں۔پہلی یہ کہ بعد میں آنے والی صورت میں قسم ٹوٹ جائے گی۔دوسری یہ کہ قسم نہیں ٹوٹے گی۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں عورت کے کاتے ہوئے میں سے نہیں پہنے گا پھر اس عورت اور کسی دوسری عورت کے کاتے ہوئے سے بنا ہوا کپڑا پہن لیا تو بالاتفاق قسم ٹوٹ جائے گی۔ ❶ اس لئے کہ کاتے ہوئے کے بعض حصے کو بھی کاتا ہوا کہتے ہیں۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں عورت کے کاتے ہوئے میں سے نہیں پہنے گا۔اور کپڑے کا لفظ نہیں کہا تو ازار بند، بٹن، کاج اور کالر سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔اس لئے کہ عرف میں اسے پہننا نہیں کہا جاتا۔ہاں اگر اس نے ایسا کپڑا پہن لیا جس کا گریبان ❷ اسی عورت کا کاتا ہوا تھا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔اس لئے کہ کپڑا پہننے سے کاتے ہونے کی اتنی مقدار پہن لی گئی۔ ❸

جس نے قسم کھائی کہ زیور نہیں پہنے گا پھر چاندی کی انگوٹھی پہن لی تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔اس لئے کہ یہ نہ عرفی لحاظ سے زیور ہے نہ شرعی لحاظ سے۔اسی لئے مردوں کے لئے اس کا استعمال جائز ہے۔اگر سونے کی انگوٹھی پہنی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔اس لئے کہ یہ زیور ہے۔اسی لئے مردوں کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔اور اگر موتیوں کا ہار پہنا تو صاحبین کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی۔اس لئے کہ حقیقتاً زیور ہے اور اسے بطور زیور پہننا عام معمول ہے۔اسی پر فتویٰ ہے۔اس کے برعکس امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موتیوں کا ہار پہننے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔

غیر حنفی حضرات کے نزدیک چاندی اور موتی پہننے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ ❹

اگر قسم کھائی کہ فلاں کو کچھ نہیں پہنائے گا۔اور اس کی کوئی نیت نہیں تھی۔پھر اس کو ٹوپی، موزے یا جوربین پہنا لئے تو قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ لباس اسے کہتے ہیں جس کو پہنا جائے اور یہ بات تھوڑے اور زیادہ دونوں میں پائی جاتی ہے۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں کو کپڑے نہیں پہنائے گا پھر اس کو کپڑا خریدنے کے لئے درہم دے دیئے تو قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ اس نے کپڑے نہیں پہنائے بلکہ درہم ہبہ کئے ہیں اور ساتھ ساتھ مشورہ دیا ہے کہ ان کو اس طرح کام میں لائے۔

اگر قسم کھانے والے اس آدمی کے لئے کسی کے ذریعے کپڑا بھیجا تو بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔اس لئے کہ عقد اور قسم کے حقوق کا تعلق قاصد کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ بھیجنے والے کے ساتھ ہوتا ہے۔ ❺

---

❶ المغنی: ۸/۷۸۱۔ ❷ التلابیب: یہ تلبیب کی جمع ہے۔اس کا مطلب ہے گریبان۔ ❸ دیکھئے المبسوط: ۹/۲ وما بعدھا ❹ فتح القدیر: ص۹۷، المھذب: ۲/۱۳۶، المغنی: ۸/۷۷۹۔ ❺ المبسوط: ۹/۴، البدائع: ۳/۷۱۔

چھٹا مقصد......سوار ہونے کی قسم

اگر قسم کھائی "لایرکب دابۃ" کہ وہ دابۃ (سواری کے جانور) پر سوار نہیں ہوگا تو یہ قسم ان جانوروں پر واقع ہوگی جن پر لوگ اپنے علاقوں میں اپنی ضروریات کے لئے سوار ہوتے ہیں۔ جیسے گھوڑا، گدھا، خچر۔ لہٰذا اگر وہ کسی انسان کی پیٹھ، اونٹ، گائے یا ہاتھی پر سوار ہو جائے تو قسم نہیں ٹوٹے گی الا یہ کہ اس نے ان جانوروں کی بھی نیت کی ہو۔ یہ استحسان ہے۔ قیاس یہ چاہتا تھا کہ ہر حیوان پر سوار ہونے سے قسم ٹوٹ جائے۔ اس لئے کہ "دابۃ" عام لفظ ہے جو زمین پر چلنے والے تمام جانوروں کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ......ھود ۱۱/۶

اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ نے اپنے ذمہ نہ لے رکھا ہو۔ آسان ترجمہ

لیکن فقہاء نے استحسان کیا ہے اور قسم کو ان جانوروں کی سواری پر محمول کیا ہے جن کو لوگ عام طور پر اپنی ضرورت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور وہ گھوڑا، خچر اور گدھا ہیں۔ یہاں عرف اور عادت کے ذریعے عام کو خاص کیا ہے۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ مصر اور شام میں اونٹ پر سوار ہونے سے بھی قسم ٹوٹ جانی چاہئے۔ (یعنی اگر وہ اونٹ پر سوار ہونے والوں میں سے ہو جیسے مسافر اور گاؤں والے) اسی طرح ہندوستان میں ہاتھی کی سواری سے قسم ٹوٹ جانی چاہئے۔ اس لئے کہ ان علاقوں میں ان جانوروں پر سوار ہونا عرف عام ہے۔

اگر زبردستی جانور پر سوار کر دیا گیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

اگر قسم کھائی "لایرکب فرسا" کہ عربی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا پھر ترکی گھوڑا (برذون) [1] پر سوار ہو گیا یا یہ قسم کھائی کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا پھر عربی گھوڑے پر سوار ہو گیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ ہر حیوان دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ "فرس" عربی ہوتا ہے اور "برذون" عجمی ہوتا ہے۔

اگر قسم کھائی کہ وہ سوار نہیں ہوگا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے گھوڑے کی نیت کی تھی تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ نہ دیانۃً نہ قضاءً۔ یعنی نہ عنداللہ اور نہ قاضی کے ہاں۔ اس لئے کہ یہاں سواری کا ذکر نہیں لہٰذا لفظ میں تخصیص کا احتمال نہیں ہوگا۔

اگر قسم کھائی "لایرکب الخیل" کہ گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا پھر ترکی گھوڑے یا عربی گھوڑے پر سوار ہو گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ لفظ "الخیل" اسم جنس ہے۔ یہ اپنی تمام انواع کو شامل ہوگا۔

اگر قسم کھائی "لایرکب دابۃ" کہ وہ سواری کے جانور پر سوار نہیں ہوگا۔ اور وہ پہلے سے اس پر سوار تھا۔ پھر کچھ وقت سوار رہا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ سوار ہونا ایسا فعل ہے جس کی امثال وقت کے ساتھ متجدد ہوتی رہتی ہیں۔ جیسے کسی نے قسم کھائی کہ وہ پہنے گا نہیں اور وہ پہنے ہوئے تھا۔ یا یہ قسم کھائی کہ بیٹھے گا نہیں اور وہ بیٹھا ہوا تھا۔ [2]

ساتواں مقصد......بیٹھنے کی قسم

اگر قسم کھائی کہ زمین پر نہیں بیٹھے گا پھر کسی ایسی چیز پر بیٹھا جو اس کے اور زمین کی درمیان حائل تھی جیسے چٹائی، دری یا کرسی تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ ان چیزوں پر بیٹھنے والے کو زمین پر بیٹھنے والا نہیں کہا جاتا۔ زمین پر بیٹھنے والا وہ ہوتا ہے جو زمین سے مل جائے درمیان میں کوئی

[1] ......البرذون: ترکی گھوڑا۔ جمع براذین۔ اس کے مقابلے میں "العراب" آتا ہے یعنی عربی گھوڑا۔ [2] المبسوط: سابقہ حوالہ: ۱۲/۳ ومابعدھا، البدائع: ۷۱/۳، فتح القدیر ۴۲/۴ وما بعدھا، الدرالمختار ورد المحتار: ۹۴، الفتاویٰ الھندیہ: ۷۴/۲۔

چیز حائل نہ ہو۔اس کے برعکس اگر اس کے اور زمین کے درمیان کپڑے حائل ہوں تو ان کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔اس لئے کہ کپڑے تابع ہوتے ہیں۔

اگر قسم کھائی کہ اس بستر پر نہیں بیٹھے گا اور اس پر اسی جیسا ایک اور بستر رکھ دیا پھر اس پر بیٹھ گیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔اس لئے کہ بیٹھنے کی نسبت دوسرے بستر کی طرف ہوگی نہ کہ پہلی بستر کی طرف۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بستر والے مسئلے میں اختلاف کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ اس بستر پر نہیں سوئے گا پھر اس پر ایک اور بستر رکھ دیا اور اس پر سو گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔اس لئے کہ اس سے زیادہ نرمی اور آرام ملتا ہے۔لہٰذا ان دونوں بستروں پر سونے سے دونوں مقصود بن جائیں گے۔

اس پر اتفاق ہے کہ اگر قسم کھائی کہ اس بستر پر نہیں سوئے گا اور پھر اس پر بستر کی چادر ڈال دی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔اس لئے کہ چادر بستر کے تابع ہوتی ہے۔اور ایسے آدمی کو بستر پر سونے والا کہا جاتا ہے۔

اگر قسم کھائی کہ اس چارپائی یا چھت پر نہیں سوئے گا پھر اس پر جائے نماز یا دری ڈالی اور بیٹھ گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔اس لئے کہ چارپائی پر تو عموماً ایسے ہی بیٹھا جاتا ہے۔اور چھت پر بستر بچھا کر سونے والے کو چھت پر سونے والا کہا جاتا ہے۔

اگر چارپائی کے اوپر دوسری چارپائی رکھ دی یا چھت پر دوسری چھت ڈال دی تو قسم نہیں ٹوٹے گا۔اس لئے کہ بیٹھنے کی نسبت پہلی کے بجائے دوسری کی طرف ہوتی ہے۔

اگر پلنگ کی تختیوں پر کچھ بچھائے بغیر براہ راست بیٹھنے کی نیت کی تو عنداللہ اس کی تصدیق کی جائے گی۔لیکن قاضی کے ہاں اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔اس لئے کہ یہ عرف کے خلاف ہے اگر چہ یہ اس کے حقیقی معنی ہیں۔

اور اگر قسم کھائی کی اس پلنگ کی تختیوں پر نہیں سوؤں گا پھر اس پر دری بچھا کر بیٹھا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔اس لئے کہ وہ تختیوں پر نہیں سویا۔

اور اگر قسم کھائی کہ زمین پر نہیں بیٹھوں گا پھر چھت پر بیٹھ گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔اس لئے کہ اسے چھت کی زمین کہا جاتا ہے۔[1]

آٹھواں مقصد......رہنے کی قسم

اگر قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہوں گا تو رہائش سے مراد یہ ہوگا کہ وہ خود اس مکان میں رہے اور سہولت سے رہنے کے لئے جس سامان کی ضرورت ہے اس کو بھی وہاں منتقل کرے اور اس کو اپنے گھر میں استعمال میں لائے۔اگر یہ سب کچھ کر لیا تو وہ اس مکان کا رہنے والا بن جائے گا۔اور اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔اس لئے کہ رہائش کسی جگہ پر مستقل بنیادوں پر رہنے کو کہتے ہیں۔اس کے لئے عرف کے مطابق سامان کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔اب دیکھئے جو آدمی مسجد میں بیٹھے اور وہیں رات گزار لے تو اس کو مسجد میں رہنے والا نہیں کہتے۔لیکن اگر وہ اپنے گھر کے سامان کے ساتھ وہاں اقامت اختیار کر لیتا ہے تو اس کو مسجد میں رہنے والا کہا جاتا ہے۔قسم میں اسی کا اعتبار ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ......شافعیہ اور حنابلہ [2] فرماتے ہیں کہ رہائش کو مستقلاً جاری رکھنا اسے نئے سرے سے شروع کرنے کی طرح ہے۔ لہٰذا اگر گھر کے رہنے والے نے قسم کھائی کہ وہ اس گھر میں نہیں رہے گا پھر اس مکان میں اتنا عرصہ ٹھہرا رہا جس میں وہاں سے نکلا جا سکتا تھا تو قسم ٹوٹ جائیگی۔اور اگر سامان منتقل کرنے کے لئے ٹھہرا رہا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔اس لئے کہ منتقلی گھر والوں اور ساز و سامان کے ساتھ ہوتی ہے۔اس لئے منتقل ہونے کے لئے انہیں بھی ساتھ لے جانا ہوگا۔اگر اس کو زبردستی اسی مکان میں روک دیا گیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔اس

---

[1] ......البدائع: ۷۱/۳ وما بعدھا، فتح القدیر: ۹۸/۴، تبیین الحقائق: ۱۵۵/۳ ومابعدھا۔ [2] البدائع: ۷۱/۳ وما بعد، فتح القدیر: ۹۸/۴، تبیین الحقائق: ۱۵۵/۳ وما بعد۔

لئے کہ حدیث میں زبردستی کرائے جانے والے کام کو معاف قرار دیا ہے۔

اگر کوئی آدمی کسی مکان میں ٹھہرا ہوا تھا اس نے قسم کھالی کہ اس مکان میں نہیں رہے گا تو اس کی قسم اس وقت پوری ہوگی جب وہ اپنے آپ، گھر والوں، بچوں، خادموں اور جملہ ساز وسامان سمیت وہاں سے منتقل ہوجائے۔ اس لئے کہ گھر میں رہائش رکھنے کا حکم ان سب چیزوں کے آنے سے لگتا ہے۔ لہٰذا رہائش چھوڑنے کا حکم ان کے چھوڑنے سے لگے گا۔ اگر اس نے اسی وقت منتقلی شروع نہیں کی حالانکہ ایسا کرسکتا تھا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔

یہاں تین مفروضے ہیں۔

پہلا مفروضہ..... وہ گھر والوں اور سامان سمیت اسی وقت منتقل ہوگیا۔ اس صورت میں حنفیہ کے تینوں ائمہ کرام کے نزدیک قسم نہیں ٹوٹے گی۔ تھوڑی دیر ٹھہرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اس لئے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں۔ یہ دلالۃً مستثنیٰ ہوگا۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم ٹوٹنے کی شرط یعنی ٹھہرنا پایا گیا لہٰذا قسم ٹوٹ جائے گی۔

دوسرا مفروضہ..... خود تو منتقل ہو یا لیکن گھر والوں اور ساز وسامان کو منتقل نہیں کیا۔ اس صورت میں حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ کسی جگہ پر رہائش رکھنا وہاں مستقل بنیادوں پر ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ گذر چکا۔ اس کے لئے عرف کے مطابق سامان کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ اس مکان میں نہیں رہے گا حالانکہ وہ اسی مکان میں رہ رہا تھا تو قسم پوری کرنے کے لئے سکونت کے اسباب وذرائع کو ختم کرنا یعنی سامان کو منتقل کرنا ضروری ہوگا۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

اور اس لئے بھی کہ جس نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا۔ اور پھر خود نکل گیا لیکن اہل وعیال اور ساز وسامان وہیں رہا تو عرف وعادت میں اس کو اسی مکان کا رہائشی کہا جاتا ہے۔

اس کے برعکس اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس شہر میں نہیں رہے گا پھر وہاں سے نکل گیا اور گھر والوں کو اسی شہر میں چھوڑ گیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ اگر کوئی آدمی دمشق میں رہ رہا ہو اور اس کے گھر والے حلب میں رہتے ہو تو عرف وعادت میں اسے دمشق کا رہائشی کہتے ہیں نہ کہ حلب کا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ [1] فرماتے ہیں کہ قسم نہیں ٹوٹے گی۔ قسم پوری کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ خود مکان کی تبدیلی کی نیت سے گھر سے نکل جائے۔ اس لئے کہ قسم اس کی اپنی رہائش پر ہے۔ اور اپنی رہائش اس نے ختم کردی ہے۔ اس لئے اہل وعیال اور ساز وسامان کے چھوڑنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے قسم کھائی کہ شہر میں نہیں رہے گا پھر خود چلا گیا اور گھر والوں کو وہیں چھوڑ دیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حنفیہ کے خلاف دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر میں مکہ سے چلا جاؤں اور اپنا کچھ سامان مکہ میں ہی چھوڑ جاؤں تو کیا میں مکہ ہی کا رہائشی رہوں گا؟ اگر کسی نے قسم کھائی کہ کسی معین گھر میں رہائش نہیں رکھے گا یا قیام نہیں کرے گا تو اسے اسی وقت نکل جانا چاہئے۔ اگر بغیر عذر ٹھہرا رہے گا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اگرچہ اپنا سامان نکال چکا ہو۔ اس لئے کہ اس نے اپنے ٹھہرنے پر قسم کھائی ہے۔ اور وہ اب بھی موجود ہے۔ وجہ واضح ہے کہ رہائش کو جاری رکھنے پر سکونت کا اسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح رہائش کی ابتداء کرنے پر۔ ہاں اگر وہ نکلنے کی تیاری میں مشغول ہے جیسے سامان جمع کرنا، اہل وعیال کو باہر نکالنا، کپڑے پہننا وغیرہ تو اس مقصد کے لئے ٹھہرنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ ایسے آدمی کو رہائشی نہیں کہا جاتا اگرچہ اس میں کافی وقت لگ جائے اسی طرح ان کے نزدیک نکاح کرنا، پاک ہونا، پہننا، سوار

[1]..... مغنی المحتاج: ۳۲۹/۴، المہذب: ۱۳۲/۲۔

ہونا، کھڑا ہونا، بیٹھنا..... ان سب افعال کو جاری رکھنا ان کو شروع کرنے کے حکم میں ہے۔

اس کے برعکس ہم بستری کرنا، روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا ان افعال میں جاری رکھنے کا حکم بالاتفاق شروع کرنے کی طرح نہیں ہے۔ ❶

تیسرا مفروضہ..... اگر وہ خود اپنے اہل وعیال اور ساز وسامان سمیت منتقل ہو گیا لیکن کچھ معمولی سامان چھوڑ دیا تو:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ رہائش ان تمام چیزوں سے ثابت ہوتی تھی۔ جب تک ان کا کچھ حصہ باقی ہے رہائش باقی رہے گی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر کے منتقل کرنے کا اعتبار ہوگا۔ اس لئے کہ سب کی منتقلی بعض اوقات ناممکن ہوتی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کا اعتبار ہوگا جن سے رہائش کی ضرورت پوری ہو جائے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ قول زیادہ بہتر اور لوگوں کے لئے زیادہ آسان ہے۔ یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ جو آدمی مکان چھوڑنے اور واپس نہ آنے کے ارادے سے نکلتا ہے اور اپنے سامان کا اتنا حصہ بھی منتقل کر دیتا ہے جس سے رہائش کی ضرورت پوری ہو جائے اور باقی سامان کو بھی منتقل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے..... تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ یہاں نہیں رہتا بلکہ یہاں سے چلا گیا ہے۔ اور دوسرے مکان میں رہتا ہے۔ اس سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول راجح ہو جاتا ہے۔

اگر اس کو اپنے سامان سمیت منتقل ہونے سے روک دیا گیا اور زبردستی کی گئی تو قسم نہیں ٹوٹے گی، اگرچہ اس طرح کئی دن گزر جائیں۔ اس لئے کہ وہ یہاں ٹھہرا ہوا نہیں ہے بلکہ زبردستی ٹھہرایا گیا ہے۔ لہٰذا قسم نہیں ٹوٹے گی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم کھانے والا اسی وقت نکل گیا اور گھریلو اسباب کو رہائش گاہ پر ہی رہنے دیا۔ وہ تین دن تک مکان کی تلاش میں ٹھہرا رہا مگر اس کو کوئی ایسا مکان نہ ملا جس کو کرائے پر حاصل کر سکے۔ اس کے لئے یہ ممکن تھا کہ گھر سے نکل جائے اور سامان کو گھر سے باہر رکھ دے۔ تو اس ٹھہرنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ عرف میں یہ منتقلی کی کارروائی کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ وجہ واضح ہے کہ عرف میں ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوا جاتا ہے۔ یہ نہیں کیا جاتا کہ مکان خالی کر کے سامان راستے میں ڈال دیا جائے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر رہنے والا دولت مند تھا اور اس کے پاس بہت سامان تھا۔ وہ اجرت پر ایک دن میں اپنا سامان منتقل کر سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اور تھوڑا تھوڑا خود منتقل کرنے لگا۔ وہ مسلسل سامان منتقل کرتا رہا یہاں کہ ایک سال لگ گیا۔ (اس دوران وہ اسی مکان میں ٹھہرا رہا) تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ تیز رفتاری سے سامان منتقل کرنا اس پر لازم نہیں۔

اگر قسم کھائی کہ میں اس گھر میں نہیں رہوں گا اور وہ اسی میں رہ رہا تھا پھر وہ خود باہر نکل گیا اور کہنے لگا کہ میری مراد یہی تھی، میں نے گھر بار کی نیت نہیں کی تھی۔ تو عند اللہ اس کی تصدیق کی جائے گی لیکن قاضی کے ہاں اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اس لئے کہ اس نے ظاہر اور عادت کے خلاف نیت کی ہے۔

اگر قسم کھاتے وقت وہ اس مکان میں نہیں رہتا تھا پھر اس نے یہ بات کہی کہ میں نے صرف اپنی ذات کی نیت کی ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ عند اللہ بھی اور قاضی کے ہاں بھی۔ اس لئے کہ اس نے ایسی نیت کی ہے جس کا اس کے کلام میں احتمال موجود ہے۔ اور اس لئے بھی کہ وہ اپنے آپ پر خود سختی کر رہا ہے۔ ❶

کیا سکونت کو جاری رکھنا اسے شروع کرنے کے حکم میں ہے؟..... حنفیہ فرماتے ہیں کہ رہنے، پہننے اور سوار ہونے کو جاری رکھنا

---

❶..... المغنی: ۷۷/۸۔ ❷ المبسوط: ۱۶۲/۸ وما بعدھا، الفتاویٰ الھندیۃ: ۶۹/۲، البدائع: ۷۲/۳ وما بعدھا، فتح القدیر: ۳۶/۴ وما بعدھا، تبیین الحقائق ۱۱۹/۳۔

انہیں شروع کرنے کے حکم میں ہے۔لہٰذا اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس کپڑے کو نہیں پہنے گا اور وہ اس کو پہنے ہوئے تھا یا قسم کھائی کہ اس سواری پر سوار نہیں ہوگا اور وہ اس پر سوار تھا یا قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا اور وہ اس میں رہ رہا تھا۔قسم کھانے کے بعد بھی اس نے اس عمل کو جاری رکھا تو قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ یہ افعال اپنی امثال کے پیدا ہونے سے متجدد ہوتے رہتے ہیں۔اس کے برعکس داخل ہونا، نکلنا، شادی کرنا اور پاک ہونا۔ان افعال کو جاری رکھنا شروع کرنے کے حکم میں نہیں۔

ضابطہ......دونوں میں فرق کا ضابطہ یہ ہے کہ جو افعال ممتد ❶ ہیں ان کو جاری رکھنا شروع کرنے کے حکم میں ہے جیسے بیٹھنا، کھڑا ہونا، دیکھنا وغیرہ اور جو افعال غیر ممتد ہیں وہ جاری ہی نہیں رہ سکتے۔جیسے نکلنا، داخل ہونا۔شافعیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔❷

اسی سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ رہنے، پہننے اور سوار ہونے کی قسم کھانے والا اگر فوراً گھر سے منتقل ہو جائے یا فوراً کپڑے اتار دے یا سواری سے فوراً اتر جائے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ قسم کے بعد، رہنا، پہننا اور سوار ہونا پایا گیا ہے۔اگر چہ تھوڑی دیر کے لئے ہے لیکن قسم ٹوٹنے کے لئے کافی ہے۔❸

نواں مقصد

مارنے اور قتل کرنے کی قسم... اگر کسی آدمی نے یہ قسم کھائی کہ میں اپنی بیوی کو اتنا ماروں گا کہ اسے قتل کر دوں گا یا اتنا ماروں گا کہ اس کا جنازہ اٹھے گا اگر نہ مارا تو اس کو طلاق۔پھر اگر اس نے اس کی شدید پٹائی کر دی تو اس کی قسم پوری ہو جائے گی۔اس لئے کہ عرف میں اس طرح کی بات سے شدید سزا مراد ہوتی ہے۔جان سے مارنا مراد نہیں ہوتا۔

شافعیہ فرماتے ہیں کہ قسم اس سے پوری ہو جائے گی جس کو مارنا کہا جا سکے۔لہٰذا صرف ہاتھ کو رکھ کر اٹھا دینا کافی نہیں ہوگا اسی طرح درد پہنچانے کی بھی شرط نہیں ہے۔اس لئے کہ درد کے بغیر مارنے کو بھی مارنا کہا جاتا ہے۔الا یہ کہ اس نے سخت مارنے کا کہا ہو۔

اگر اس نے قسم کھائی کہ اپنے غلام کو دس کوڑے مارے گا پھر اس نے دس کوڑے جمع کئے ان سے ایک دفعہ مار دیا ہر کوڑا اس کی جلد تک پہنچ گیا تو اس کی قسم پوری ہو جائے گی اور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔اس لئے کہ اس نے دس کوڑے مار دیئے ہیں۔لیکن اگر سارے کوڑے جلد تک نہیں پہنچے تو قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ ایسے آدمی کو دس کوڑے مارنے والا نہیں کہا جاتا۔

مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں❹ کہ اگر کسی کو سو کوڑے مارنے کی قسم کھائی پھر ایک گٹھڑی باندھی جس میں دس چھڑیاں تھیں اور اس آدمی کو ایک دفعہ مار دیا تو اس کی قسم پوری نہیں ہوگی۔اس لئے کہ اس کی قسم کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس کو دس دفعہ مارے لیکن اس نے صرف ایک دفعہ مارا لہٰذا قسم پوری نہیں ہوگی۔جیسے کسی نے قسم کھائی کہ وہ دس مرتبہ مارے گا ایک کوڑے کے ساتھ۔

اگر کسی نے کہا "اللہ کی قسم میں فلاں آدمی کو دمشق میں قتل نہیں کروں گا یا یہ کہا کہ میں فلاں عورت سے دمشق میں شادی نہیں کروں گا۔پھر اس آدمی کو حلب میں مارا اور وہ دمشق میں فوت ہو گیا یا عورت کے ولی نے اس کی شادی حلب میں اسی عورت سے کرا دی اس عورت کو دمشق میں اس کی خبر ملی اور اس نے عقد کو صحیح قرار دے دیا تو دونوں قسمیں ٹوٹ جائیں گی۔"

اسی طرح اگر اس نے جگہ کے بجائے وقت پر قسم کھائی اور کہا کہ میں مذکورہ کام (قتل اور نکاح) جمعے کے دن نہیں کروں گا۔اب جس کو قتل

---

❶.....افعال ممتدہ وہ ہیں جو پھیلے ہوئے ہوں یعنی عرصے تک محیط ہو سکیں جیسے بیٹھنا کافی عرصے تک ہو سکتا ہے۔افعال غیر ممتدہ جو آناً فاناً ہو جائیں جیسے نکلنا، داخل ہونا وغیرہ۔❷مغنی المحتاج ۳۳۱/۴، المهذب: ۱۳۲/۲۔❸ المبسوط: سابقہ حوالہ: ص ۳۵، تبیین الحقائق، سابقہ حوالہ، الدر المختار: ۸۳/۳۔❹القوانین الفقهية: ۱۶۴ المغنی: ۸۱۹/۸، الشرح الکبیر: ۱۴۳/۲۔

کرنے کی قسم کھائی تھی وہ جمعے کے دن مر گیا۔ یا عورت نے جمعے کے دن نکاح کو ٹھیک قرار دے دیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

اس طرح قتل میں روح نکلنے کے وقت اور جگہ کا اعتبار ہوگا اور نکاح میں اجازت کے وقت اور جگہ کا اعتبار ہوگا۔ یہی اصول خرید و فروخت میں لاگو ہوگا کہ اجازت کے وقت اور جگہ کا اعتبار ہوگا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عقد میں فاعل کی جگہ اور وقت کا اعتبار ہوگا اور قتل میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرح روح نکلنے کی جگہ اور وقت کا اعتبار ہوگا۔ یعنی مقتول ❶ کا اعتبار ہوگا۔

اگر قسم کھائی کہ اپنی بیوی کو نہیں مارے گا اب اس کے ساتھ جو بھی درد پہنچانے والا فعل کرے گا جیسے کاٹنا، گلہ دبانا، بال کھینچنا.....تو قسم ٹوٹ جائے گی اگرچہ یہ سب بطور مزاح ہو۔ اس لئے کہ ضرب درد پہنچانے والے فعل کو کہتے ہیں۔ اور یہاں یہ بات پائی گئی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ہنسی مذاق میں اگر یہ کام کئے تو قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ عرف میں اس کو دل لگی کہتے ہیں مارنا نہیں کہتے۔

اگر کسی نے کہا "اگر میں فلاں کو قتل نہ کروں تو میری بیوی کو طلاق" اور فلاں آدمی فوت شدہ تھا اگر قسم کھانے والے کو قسم کھاتے وقت اس کی موت کا علم تھا تو وہ فوراً حانث ہو جائے گا اس لئے کہ اس کی قسم منعقد ہوگئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا پورا ہونا متصور ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہیں۔ اس لئے کہ روح نہیں مرتی۔ لہٰذا اس کو قتل کرنا ممکن ہو گیا۔ پھر یہ قسم فوراً ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ عادۃً وہ اس قسم کو پورا کرنے سے عاجز ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی آسمان پر چڑھنے کی قسم کھالے۔

اگر اسے اس کی موت کا علم نہیں تھا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ اس نے اپنی قسم کی بنیاد اس زندگی پر رکھی ہے جو اس میں موجود تھی اور اس کا ازالہ متصور نہیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم ٹوٹ جائے گی، اس لئے کہ ان کے نزدیک قسم کے منعقد ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ اس کا پورا ہونا متصور ہو۔ یہ اصولی اختلاف ہے جیسا کہ پہلے "مسئلة الکوز" (پیالے والے مسئلہ) میں گزر چکا ہے کہ اگر اسے پیالے میں پانی نہ ہونے کا علم ہے پھر وہ قسم کھاتا ہے کہ اگر میں اس پیالے والا پانی نہ پیوں تو میری بیوی کو طلاق۔ ❷

حنابلہ و شافعیہ.....اگر قسم کھائی کہ فلاں آدمی کو کل ماروں گا اور قسم کھانے والا آج ہی مر گیا تو حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور اگر جس کے بارے میں قسم کھائی تھی وہ کل مر گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ اس نے جو کام کرنے کی قسم کھائی تھی وہ بغیر کسی زور زبردستی یا بھول چوک کے اپنے وقت پر نہیں کیا۔ لہٰذا قسم ٹوٹنے والا شمار ہوگا۔ ❸ یہی حکم اس آدمی کا بھی ہوگا جو یہ قسم کھائے "اللہ کی قسم میں اس پیالے والا پانی صبح پیوں گا" اور وہ پانی آج ہی گر گیا۔ یا یہ قسم کھائی "اللہ کی قسم میں یہ روٹی صبح کھاؤں گا" اور وہ روٹی آج ہی ضائع ہوگئی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

دسواں مقصد.....ایسی چیز پر قسم کھانا جو قسم کھانے والے کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہو

دوسرے کی مملوکہ چیز پر قسم کھانا.....اگر کسی دوسرے کی مملوکہ چیز پر قسم کھائی تو جس فعل کی قسم کھائی ہے وہ اگر اسی آدمی کے ملک میں پیش آ گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ قسم کے وقت اس کی ملک میں ہو یا نہ ہو۔ جیسے کسی نے قسم کھائی کہ فلاں آدمی کا کھانا نہیں کھاؤں یا اس کا مشروب نہیں پیوں گا، یا اس کے گھر میں داخل نہیں ہوگا یا اس کی سواری پر سوار نہیں ہوں گا یا اس کے کپڑے نہیں پہنوں گا۔

---

❶.....البدائع: ۷۶/۳ ومابعدھا، الفتاوی الهندية: ۱۱۸/۲۔ ❷ فتح القدير: ۱۰۱/۴، تبيين الحقائق: ۱۵۹/۳، الدر المختار: ۱۴۳/۳ وما بعدھا، مغني المحتاج: ۳۴۷/۴۔ ❸ المغني: ۷۸۶/۸ ومابعدھا۔

اور قسم کھاتے وقت ان میں سے کوئی بھی چیز اس آدمی کے ملک میں نہیں تھی پھر وہ ان چیزوں کا مالک بن گیا۔اب اگر اس آدمی کی ملکیت ختم ہونے کے بعد وہ کام ہوا جس کی قسم کھائی گئی تھی تو بالاتفاق قسم نہیں ٹوٹے گی۔اور اگر اس کے مالک ہوتے ہوئے وہ کام ہو گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی یہ حکم حنفیہ کی ظاہر الروایۃ میں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قسم اس بات پر کھائی گئی تھی کہ اس آدمی کی ملکیت میں یہ کام نہیں کئے جائیں گے۔لہٰذا فعل کے وقت پائی جانے والی ملکیت کا اعتبار ہوگا۔اس مسئلے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے نوادر کی ایک روایت بھی ہے۔اور ایک دوسری روایت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہے۔

لیکن اگر قسم کھائی کہ فلاں عورت کے شوہر سے یا فلاں آدمی کی بیوی سے یا فلاں کے دوست سے یا فلاں کے بیٹے سے یا فلاں کے بھائی سے بات نہیں کرے گا۔تو یہ قسم ان پر واقع ہوگی جو قسم کے وقت موجود ہیں۔مستقبل میں آنے والی زوجیت، دوستی اور بیٹے اس میں شامل نہیں ہوں گے۔اور اگر عقد نکاح اور دوستی ختم ہوگئی اب بھی اگر اس سے بات کرے گا تو بالاتفاق قسم ٹوٹ جائے گی۔

اور اگر کسی کی مملوکہ چیز پر قسم کھائی اور ساتھ ساتھ اشارے سے تعیین بھی کر دی مثلاً یوں کہا:''میں فلاں کے اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا یا فلاں کی اس سواری پر سوار نہیں ہوں گا یا فلاں کا یہ کپڑا نہیں پہنوں گا۔'' پھر فلاں آدمی نے وہ گھر، سواری، یا کپڑا بیچ دیا اب اگر اس کی ملکیت ختم ہونے کے بعد قسم کھانے والا اس گھر میں داخل ہو گیا یا اس سواری پر سوار ہو گیا یا وہ کپڑا پہن لیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم نہیں ٹوٹے گی الا یہ کہ اس نے وہی خاص چیز مراد لی ہو۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم ٹوٹ جائے گی اگرچہ ملکیت ختم ہوگئی ہو۔الا یہ کہ اس نے فلاں کے ملک میں ہونے کی نیت کی ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اشارے اور ملکیت کی نسبت دونوں کا ایک ساتھ اعتبار کرتے ہیں۔جب تک دونوں نہ پائی جائیں قسم نہیں ٹوٹے گی۔اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ صرف اشارے کا اعتبار کرتے ہیں۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر قسم کھائی ''میں اس شخص سے بات نہیں کروں گا'' یا ''اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا'' تو اس کے خلاف کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔اس لئے کہ یہاں مشارٌ الیہ کی ذات کا اعتبار ہوگا۔[1]

اس مقصد سے متعلقہ دو بحثیں

پہلی بحث: دوسرے کے فعل پر قسم کھانا......اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں آدمی کا خریدا ہوا نہیں پہنوں گا پھر فلاں نے کسی دوسرے کے ساتھ مل کر کپڑا خریدا تو اس کے خریدنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ یہ کپڑا پورا پورا فلاں نے نہیں خریدا بلکہ بعض حصہ خریدا ہے۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں آدمی کا خریدا ہوا نہیں کھاؤں گا پھر فلاں نے کسی دوسرے کے ساتھ مل کر کھانا خریدا اور قسم کھانے والے نے اسے کھا لیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔اس لئے کہ اس نے فلاں آدمی کا خریدا ہوا کھا لیا ہے اور کھانے کا کچھ حصہ بھی حقیقت میں کھانا ہوتا ہے اور اسے عرف میں بھی کھانا کہا جاتا ہے۔

اس کے برعکس اگر یہ قسم کھائی اگر یہ قسم کھائی کہ فلاں کے گھر میں داخل نہیں ہوں گا پھر کسی ایسے گھر میں داخل ہوا جو اس کے اور کسی دوسرے کے درمیان مشترک تھا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔اس لئے کہ گھر کے بعض حصے کو گھر نہیں کہا جاتا۔

اسی طرح اگر قسم کھائی کہ فلاں آدمی کا کپڑا نہیں پہنوں گا یا فلاں آدمی کا خریدا ہوا نہیں پہنوں گا یا اس کا بنا ہوا نہیں پہنوں گا......پھر ایسا کپڑا خریدا جس کو فلاں نے کسی دوسرے کے ساتھ مل کر خریدا تھا یا بنا تھا تو قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ لباس کے ٹکڑے کو لباس نہیں کہا جاتا۔

اگر یہ قسم کھائی کہ فلاں کے بنے ہوئے میں سے نہیں پہنوں گا پھر فلاں نے اسے کسی دوسرے کے ساتھ مل کر بن لیا تو قسم ٹوٹ جائے گی

[1]......البدائع: ۳/ ۷۹۔

اس لئے کہ اس کو" فلاں کے بنے ہوئے میں سے" کہا جاتا ہے۔

اور اگر قسم کھائی کہ فلاں کے پکے ہوئے میں سے یا فلاں کی روٹی سے نہیں کھاؤں گا پھر اس نے ایسا کھانا کھایا جو فلاں نے دوسرے کے ساتھ مل کر پکایا تھا یا ایسی روٹی میں سے کھالیا جو اس کے اور دوسرے کے درمیان مشترک ہے تو قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ پکے ہوئے کے ہر حصے کو پکا ہوا ہی کہتے ہیں۔ اور روٹی کے ہر حصے کو روٹی ہی کہتے ہیں۔

اگر قسم کھائی کہ میں ایسی ہانڈی سے کھانا نہیں کھاؤں گا جس کو فلاں نے پکایا ہو..... پھر اس نے ایسا کھانا کھایا جو فلاں نے کسی دوسرے کے ساتھ ہانڈی میں پکایا تھا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ ہانڈی کے ہر حصے کو ہانڈی نہیں کہتے۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں کی چپاتی نہیں کھاؤں گا اور پھر مشترکہ چپاتی کھالی تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ چپاتی کے کچھ حصے کو چپاتی نہیں کہا جاتا۔

خبّاز..... (نانبائی) اسے کہتے ہیں جو تنور یا چولھے کے ساتھ روٹی لگائے۔ آٹا گوندھنے اور روٹی پھیلانے والے کو خباز نہیں کہتے۔

طابخ..... (پکانے والا) ہانڈی کے نیچے آگ جلانے والے کو کہتے ہیں۔ ہانڈی رکھ کر اس میں گوشت اور پانی ڈالنے والے کو طابخ نہیں کہتے۔ اس لئے کہ یہ پکانے کے ابتدائی مراحل ہیں۔ پکانا اسے کہتے ہیں جس سے گوشت وغیرہ تیار ہونے لگے، پکنے لگے اور یہ چیز آگ جلانے سے حاصل ہوتی ہے۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں کی کمائی سے نہیں کھاؤں گا تو کمائی اسے کہتے ہیں جو انسان کے قول یا فعل سے اس کی ملکیت میں آجائے۔ جیسے، مباح چیزوں پر قبضہ، شکار، خریداری، کرایہ اور ھبہ، صدقہ، وصیت وغیرہ کو قبول کرنا۔

رہی میراث تو یہ وارث کی کمائی نہیں ہوتی اس لئے کہ اس میں وارث کے ارادے کے بغیر ملکیت ثابت ہوتی ہے۔

جس کے بارے میں قسم کھائی تھی وہ مرگیا۔ اس کی کمائی کسی کو وراثت میں ملی۔ اب قسم کھانے والے نے اس میں سے کھالیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ مرنے والے کی کمائی میں سے کھایا ہے۔ یہ وارث کی اپنی کمائی نہیں ہے۔ اس لئے یہ مورث کی طرف ہی منسوب ہوگی۔

ہاں اگر جس کے بارے میں قسم کھائی اس نے اپنی کمائی کسی پر فروخت کردی اب قسم کھانے والے نے اس میں سے کھالیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ اب یہ خریدار کی کمائی بن گئی ہے اس لئے اس کی نسبت اصلی مالک کی طرف نہیں ہوگی۔ [1]

دوسری بحث: قسم کھانے والے کے حکم پر کسی اور کا کام کرنا

اگر کسی فعل پر قسم کھائی اور کہا "اللہ کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا" پھر کسی اور کو وہی کام کرنے کا کہا اور اس نے وہی کام کر بھی دیا تو دیکھا جائے گا کہ جس فعل پر قسم کھائی گئی ہے اس کی نوعیت کیا ہے؟

۱..... اگر وہ ایسا فعل ہے جس کے حقوق [2] فاعل کی طرف لوٹتے ہیں جیسے خریدنا، فروخت کرنا، کرایہ پر دینا، تقسیم کرنا، تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ ان عقود کے حقوق عقد سرانجام دینے والے کے ساتھ خاص ہوتے ہیں۔ نہ کہ حکم دینے والے کے ساتھ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نسبت حکم دینے والے کی طرف نہیں ہوتی بلکہ فاعل کی طرف ہوتی ہے اس لئے کہ حقیقت میں عقد کرنے والا وہی ہے۔ آمر کی طرف تو عقد کا حکم لوٹتا ہے یعنی اس عقد کو کرنے کا مطلوب ومقصود۔ خرید وفروخت میں حکم یہ ہے کہ بیچی جانے والی چیز کی ملکیت خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہے اور قیمت کی ملکیت بیچنے والے کی طرف۔

---

[1]..... البدائع: ۳/۵۷، ۶۴۔ [2] حقوق العقد: عقد کے حقوق سے مراد ایسے اعمال ہیں جن کا ہونا عقد کے حکم تک پہنچنے کے لئے ضروری ہوتا کہ عقد کا مطلوب ومقصود پورا ہوجائے۔ جیسے بیچی ہوئی چیز کو حوالے کرنا، قیمت پر قبضہ کرنا، عیب کی وجہ سے خیار رؤیت کی وجہ سے یا خیار شرط کی وجہ سے خریدی ہوئی چیز کو واپس کرنا۔

لہٰذا جو عقود اس زمرے میں آتے ہیں ان کے کئے جانے سے قسم کھانے والے کی قسم نہیں ٹوٹے گی جیسا کہ میں نے بیان کر دیا۔ الا یہ کہ قسم کھانے والا ایسا ہو جو ان عقود کو بذات خود سر انجام نہ دے سکتا ہو جیسے قاضی، سلطان وغیرہ تو ایسا آدمی کسی دوسرے کو ان افعال کا حکم دیتے ہی حانث ہو جائے۔ اس لئے کہ عام معمول کے مطابق یہ عقود دوسرے کے واسطے سے مکمل ہوتے ہیں۔

اسی طرح اگر وکیل خود ہی قسم اٹھانے والا ہو تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ عقد کے حقوق اسی کی طرف لوٹ رہے ہیں اور اس لئے کہ حقیقت میں عقد کرنے والا وہی ہے نہ کہ حکم دینے والا۔

۲.....اور اگر جس فعل کی قسم کھائی گئی ہے ایسا فعل ہو جس کے حقوق آمر (حکم دینے والے) کی طرف لوٹ رہے ہوں یا وہ ایسا فعل ہو جس کے حقوق ہی نہیں ہوتے جیسے نکاح، طلاق، ھبۃ، صدقہ، کسی کو پہنانا، حقوق ادا کرنا، حقوق کا مطالبہ کرنا، قاضی کے ہاں دعویٰ دائر کرنا اور شرکت کہ کسی آدمی کے ساتھ عقد شرکت نہ کرنے کی قسم کھائی اور پھر کسی اور کو حکم دیا کہ وہ اس کے ساتھ شراکت کر لے اسی طرح مارنا، ذبح کرنا، قتل کرنا، تعمیر کرنا، کپڑے سلائی کرنا اور نفقہ وغیرہ۔

اگر قسم کھانے والے نے یہ افعال بذات خود کئے یا کسی دوسرے کو حکم دیا اور اس نے کئے بہر صورت قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ جن افعال کے حقوق نہیں ہیں یا حقوق تو ہیں لیکن حکم دینے والے کی طرف لوٹتے ہیں نہ کہ فاعل کی طرف ان تمام افعال کی نسبت حکم دینے والے کی طرف کی جاتی ہے نہ کہ فاعل کی طرف۔

عقد صلح......عقد صلح کے بارے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر صلح نہ کرانے کی قسم کھائی اور پھر صلح کے لئے کسی کو وکیل بنا دیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ صلح خرید فروخت کی طرح معاوضے والا عقد ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ صلح بری کرنے کے عقد کو ساقط کرنا ہے۔

وہ افعال جن میں حقوق آمر کی طرف لوٹتے ہیں جیسے نکاح طلاق وغیرہ ان میں اگر قسم کھانے والا یہ کہے کہ میں نے ان کو بذات خود کرنے کی قسم کھائی تھی تو عند اللہ اس کی تصدیق کی جائے گی لیکن قاضی کی عدالت میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اس لئے کہ اس نیت کا اس کے کلام میں احتمال موجود ہے۔ لیکن یہ خلاف ظاہر ہے۔

وہ افعال جن کے حقوق نہیں ہوتے ان میں اگر قسم کھانے والا یہ کہے کہ میں نے بذات خود کرنے کا ارادہ کیا تھا تو اس کی تصدیق کی جائے گی عند اللہ بھی اور قاضی کے ہاں بھی۔ اس لئے کہ اس نے اپنی بات کے حقیقی معنی مراد لئے ہیں۔ مارنا اور ذبح کرنا حقیقی افعال میں سے ہیں۔ حکمی یا اعتباری افعال میں سے نہیں۔ تو ان میں بذات خود کام کرنے کا اعتبار ہوگا۔ [1]

گیارہواں مقصد......شرعی امور کی قسم

گزشتہ مباحث میں صرف امور عادیہ پر قسم کھانے سے متعلق بات ہوئی جن کو انسان زندگی کے مختلف حالات میں معمول کے مطابق سر انجام دیتا رہتا ہے۔ یہ بحث قسم کے ان احوال سے بحث کرنے کے لئے خاص ہے جن میں قسم کھانے والا شرعی امور کی قسم کھاتا ہے۔ امور شرعیہ اس اعتبار سے کہ شارع نے ان میں صحیح اور فاسد ہونے کا حکم لگایا ہے جیسے خرید وفروخت، ھبہ، عاریت، صدقہ، قرض، شادی کرانا، نماز، روزہ وغیرہ۔

سونا اور چاندی نہ خریدنے کی قسم......قسم کھائی کہ سونا اور چاندی نہیں خریدوں گا۔ پھر چاندی کی نقد کرنسی خرید لی جیسا کہ گزشتہ زمانے

---

[1]..... البدائع: ۳/ ۸۲ وما بعدھا، الفتاویٰ الھندیۃ: ۲/ ۱۰۴۔

میں درہم ہوتے تھے۔ یا سونے کی جیسے دینار یا سونے کے برتن، ڈلی، ڈھالے ہوئے زیورات یا اس کے علاوہ سونے چاندی سے بنی ہوئی کوئی چیز خریدلی تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درہم اور دینار کی صورت میں قسم نہیں ٹوٹے گی۔

اختلاف کا سبب یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ان امور میں لغوی حقیقت کا اعتبار کرتے ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے ہاں مروج عرف کا اعتبار کرتے ہیں۔

اون نہ خریدنے کی قسم...... قسم کھائی کہ اون نہیں خریدے گا پھر ایک بھیڑ خریدی جس پر اون تھی تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ ایسے مسائل میں قاعدہ یہ ہے کہ جس نے کوئی چیز نہ خریدنے کی قسم کھائی پھر کوئی دوسری چیز خریدی اور جس کی قسم کھائی تھی وہ خریداری میں تابع بن کر داخل ہوگئی تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور اگر مقصود بن کر داخل ہوئی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ یہاں خریداری میں اون مقصود بن کر شامل نہیں ہورہی۔ اس لئے کہ جب لفظ بھیڑ کا اطلاق کیا جائے تو اون اس میں شامل نہیں ہوتی۔ وہ تو بھیڑ کے تابع بن کر عقد میں شامل ہوئی ہے۔ ❶

ہبہ اور صدقہ وغیرہ نہ کرنے کی قسم...... قسم کھائی کہ فلاں کو کوئی چیز ہبہ نہیں کرے گا یا صدقہ نہیں کرے گا یا بطور عاریت نہیں دے گا یا بلا اجرت نہیں دے گا یا عطیہ نہیں کرے گا پھر اسی کو ہبہ کرلیا یا صدقہ دے دیا یا بطور عاریت کوئی چیز دے دی یا بلا اجرت کوئی چیز دیدی یا عطیہ دے دیا لیکن "فلاں" نے قبول نہیں کیا تو جمہور حنفیہ کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہیں ٹوٹے گی۔

قرض...... قرض کے بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب تک قبول نہ کرے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرح ہے اور دوسری راویت یہ ہے کہ قرض قبول کئے بغیر بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ یہی زیادہ راجح ہے۔ اس لئے کہ قرض کی صحت معاوضہ مقرر کرنے پر موقوف نہیں۔ اس لئے یہ ہبہ کی طرح ہوا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ قرض بیع کے مشابہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں عوض کے ساتھ مالک بنایا جاتا ہے۔

بیع، اجارہ وغیرہ نہ کرنے کی قسم...... ایسے عقد کی قسم کھائی جس میں عوض ہوتا ہے جیسے خرید وفروخت، اجارہ، صرف، سلم وغیرہ پھر قسم کھانے والے نے وہ کام کرلیا مگر دوسرے نے قبول نہ کیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

عقد تبرع اور عقد معاوضہ میں فرق...... عقد تبرع (ایسے خیراتی معاملات جن میں عوض نہیں لیا جاتا جیسے ہبہ، صدقہ، عطیہ وغیرہ) اور عقد معاوضہ (ایسے تجارتی معاملات جن میں عوض لیا جاتا ہے جیسے خرید وفروخت، اجارہ وغیرہ) میں فرق یہ ہے کہ عقد تبرع ایک جانب سے مالک بنانے کا فائدہ دیتا ہے یعنی تبرع کرنے والے کی جانب سے۔ رہا قبول کرنا تو وہ دوسرے کے حق میں حکم ثابت ہونے کی شرط ہے۔ یعنی یہ عقد ہر شرعی اثر کے مرتب ہونے کی شرط ہے۔ اور وہ ہے ملکیت کا منتقل ہونا۔ لہٰذا جب اس پر لغت کے اعتبار سے اور فقہاء کی اصطلاح کے اعتبار سے عقد کا اطلاق ہوگیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

عقود معاوضہ تملیک کا فائدہ اس وقت دیتے ہیں جب دونوں عقد کرنے والے اس کا ارادہ کریں۔ لغوی اعتبار سے اور شرعی اعتبار سے۔ لہٰذا عقد اسی وقت وجود میں آئے گا جب ایک طرف سے ایجاب اور دوسری دوسری طرف سے قبول ہوجائے۔ اب قسم ٹوٹ جائے گی۔

اگر بیع صحیح ہو اور خریدار قبول کرلے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اسی طرح اگر بیع فاسد ہو تو بھی قسم ٹوٹ جائے گی بشرطیکہ خریدار قبول کرلے اور مبیع پر عملاً قبضہ بھی کرلے۔ اس لئے کہ لفظ بیع، صحیح اور فاسد دونوں کو شامل ہے۔ بیع کہتے ہیں مرغوب چیز کا مرغوب چیز سے تبادلہ کرنا۔

---

❶ البدائع: ۳/ ۸۱۔

اگر ایسی بیع کی جس میں بیچنے والے یا خریدار کے لئے اختیار تھا۔ تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہیں ٹوٹے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ بیع کا اطلاق جس طرح قطعی بیع پر ہوتا ہے اسی طرح اختیار والی بیع پر بھی ہوتا ہے۔ لوگوں کے عرف میں ان دونوں کو بیع کہا جاتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اختیار والی بیع میں انتقال ملکیت بیع کو ٹھیک قرار دینے پر یا اختیار کو ختم کرنے پر موقوف ہوتا ہے۔ تو یہ بیع فاسد کے مشابہ ہوگئی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جب تک اختیار کی شرط موجود ہے، ملکیت دوسرے کو منتقل نہیں ہوتی۔ تو یہ ایسے ہی ہے جیسے فریقین میں سے ایک نے ایجاب تو کیا ہے دوسرے نے قبول نہیں کیا۔ ❶

شادی نہ کرنے کی قسم...... قسم کھائی کہ اس عورت سے شادی نہیں کرے گا تو اس سے مراد نکاح صحیح ہوگا نہ کہ نکاح فاسد۔ لہٰذا اگر اس عورت سے نکاح فاسد کر لیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ نکاح سے عورت کو حلال کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور امر فاسد سے حلال ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس بیع میں ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ بیع سے ملکیت مقصود ہوتی ہے۔ اور ملکیت امر فاسد سے ثابت ہو جاتی ہے۔

شافعیہ...... شافعیہ ❷ فرماتے ہیں اگر خرید و فروخت نہ کرنے کی قسم کھائی پھر اپنے لئے یا کسی اور کے لئے خرید و فروخت کر لی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اگر اس کے وکیل نے اس کے لئے خرید و فروخت کی تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اگر قسم کھائی کہ شادی نہیں کرے گا، طلاق نہیں دے گا یا مارے گا نہیں۔ پھر کسی کو اپنا وکیل بنایا اور اس نے وہ کام کر دیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ الا یہ کہ اس نے نیت کی ہو کہ خود کرے گا نہ کسی سے کرائے گا۔

اگر قسم کھائی کہ نکاح نہیں کرے گا تو وکیل کے نکاح کرانے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ البتہ اگر وہ کسی اور کی طرف سے قبول کرے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

حنابلہ اور مالکیہ...... حنابلہ اور مالکیہ ❸ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کوئی کام مثلاً خریداری کرنا، مارنا وغیرہ نہ کرنے کی قسم کھائی۔ پھر کسی کو یہ کام کرنے کا وکیل بنا دیا تو قسم ٹوٹ جائے گی الا یہ کہ اس نے بذات خود وہ کام کرنے کی نیت کی ہو۔

نماز نہ پڑھنے اور روزہ نہ رکھنے کی قسم...... اسی طرح اگر قسم کھائی کہ نماز نہیں پڑھے گا یا روزہ نہیں رکھے گا تو اس سے مراد صحیح نماز، روزہ ہوں گے نہ کہ فاسد۔ لہٰذا اگر بلا وضو نماز پڑھی یا بغیر نیت کے روزہ رکھا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ ان سے مقصود اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قرب فاسد نماز روزے سے نہیں حاصل ہوتا۔

اگر اس نے ماضی کے بارے میں قسم کھائی مثلاً یوں کہ اللہ کی قسم میں نے نکاح نہیں کیا یا میں نے نماز نہیں پڑھی یا میں نے روزہ نہیں رکھا تو یہ قسم صحیح اور فاسد دونوں پر واقع ہوگی۔ اس لئے کہ اس بات سے مقصود نماز وغیرہ کی خبر دینا ہے۔ اور نماز یا نکاح یا روزے کا اطلاق صحیح اور فاسد دونوں پر ہوتا ہے۔ اگر اس نے صحیح کی نیت کی تو قاضی کے ہاں اس کی تصدیق کی جائے گی۔

اگر قسم کھائی **لایصلی** کہ نماز نہیں پڑھے گا پھر تکبیر کہہ کر نماز شروع کر دی تو جب تک رکوع اور ایک سجدہ نہ کر لے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ یہ استحساناً ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نماز مختلف افعال قیام، قراۃ، رکوع، سجدے کو کہتے ہیں۔ اور مختلف اجزاء سے بننے والی چیز اس وقت وجود میں آتی ہے جب اس کے اجزاء مکمل ہو جائیں۔ تو جب تک یہ تمام افعال نہیں پائے جائیں گے نماز کا عمل بھی نہیں پایا جائے گا۔ صرف تلاوت کرنے والے کو نمازی نہیں کہا جاتا۔ روزے کا معاملہ اس کے برعکس مکمل ہے۔ ایک گھڑی روزہ رکھنے سے بھی روزہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس اگر قسم کھائی "**لایصلی صلوٰۃ**" کہ نماز ادا نہیں کرے گا۔ تو جب تک دو رکعتیں نہ پڑھ لے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے

---

❶...... البدائع: سابقہ حوالہ ص ۸۳۔ ❷ مغنی المحتاج: ۴/ ۳۵۰۔ ❸ المغنی: ۸/ ۷۲۴ وما بعدھا۔

کہ نماز کی کم سے کم مقدار دو رکعت ہے۔
اگر قسم کھائی کہ ظہر نہیں پڑھے گا تو جب تک قعدہ اخیرہ نہ کرلے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ نماز ظہر کی چار رکعتیں مقرر ہیں جب تک چاروں نہ پائی جائیں ظہر نہیں پائی جائے گی۔
اگر قسم کھائی "لایصوم" کہ روزہ نہیں رکھے گا۔ پھر صبح روزہ رکھ کر کچھ دیر بعد توڑ دیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ ایک گھڑی روزہ رکھنے والے کو بھی روزے دار کہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ روزہ کہتے ہیں: اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے روزہ توڑنے والی چیزوں سے خود کو روکے رکھنا...... اسی سے قسم ٹوٹنے کی شرط پائی گئی۔
اگر قسم کھائی "لایصوم یوماً" کہ ایک دن روزہ نہیں رکھے گا۔ تو پورا دن روزہ رکھنے سے قسم ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ اس سے قسم ٹوٹنے کی شرط ایک دن کے روزے کو بنایا ہے۔
اگر قسم کھائی کہ فلاں کے ہاں افطار کرے گا۔ پھر اپنے گھر میں پانی سے افطار کرکے فلاں آدمی کے ہاں کھانا کھایا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ فلاں کے ہاں افطار کرنا قسم پوری کرنے کی شرط تھی۔ افطار روزے کے متضاد اور الٹ کو کہتے ہیں۔ یہ چیز گھر میں پانی سے افطار کرنے سے حاصل ہوگئی۔ ہاں اگر اس نے افطار سے شام کا کھانا مراد لیا ہے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ یہ نیت بھی عرف کے مطابق ہے۔ کہا جاتا ہے "فلان یفطر عند فلان" (فلاں آدمی فلاں کے ہاں افطار کرے گا) یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس نے وہاں شام کا کھانا کھانا ہو۔ اگرچہ اصل افطار گھر میں کیا ہو۔

حج نہ کرنے کی قسم...... اگر قسم کھائی "لا یحج" کہ حج نہیں کرے گا یا یہ قسم کھائی "لا یحج حجة" کہ حج ادا نہیں کرے گا تو طواف زیارت کرنے تک قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ حج ایسی عبادت ہے جو کئی قسم کے افعال سے مرکب ہے جیسے عرفات میں ٹھہرنا، طواف، سعی وغیرہ لہٰذا حقیقت کے اعتبار سے حج ان تمام افعال کو کہا جائے گا نہ کہ بعض کو۔ لیکن چونکہ اکثر کو کل کا حکم مل جاتا ہے لہٰذا جب وہ اکثر ارکان (طواف زیارت تک) ادا کرلے گا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔
اگر قسم کھائی کہ عمرہ نہیں کرے گا پھر احرام باندھا اور چار چکر لگا دیئے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ اکثر حصہ ادا ہوگیا اور اکثر پر کل کا حکم لگایا جاتا ہے جیسا کہ گزر چکا۔ اگر کسی نے حج کے دوران اپنی بیوی سے ہم بستری کرلی تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ حج اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا قسم ایسے حج پر واقع ہوگی جو اللہ کے قرب کا ذریعہ ہو۔ یعنی عبادت ہو۔ ایسا حج، حج صحیح ہوتا ہے نہ کہ فاسد۔ اس لئے کہ فاسد حج عبادت نہیں۔ [1]

دوسری فصل...... نذر اور منت کا بیان

موضوع کا خاکہ...... اس بحث میں، میں تین چیزیں بیان کروں گا۔ نذر کی تعریف، نذر کا حکم اور نذر کی شرطیں۔

۱۔ نذر کی تعریف اور رکن...... لغوی اعتبار سے نذر کا مطلب ہے اچھائی کا برائی کا وعدہ اور شرعاً نذر صرف اچھائی کے وعدے کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نذر، غیر متعین عبادت کو اپنے اوپر لازم کرنے کو کہتے ہیں۔ [2]

---

[1] البدائع: ۸۴/۳ و ما بعدھا، تحفة الفقهاء قدیم طبع: ۴۸/۲ وما بعدھا، فتح القدیر: ۹۳/۴ و ما بعدھا، الفتاویٰ الهندیة: ۱۰۸/۲ وما بعدھا، المغنی: ۷۲۰/۸۔ [2] مغنی المحتاج: ۳۵۴/۴، امام راغب فرماتے ہیں کہ نذر اپنے اوپر کسی ایسی چیز کو لازم کرنے کو کہتے ہیں جو لازم نہیں تھی۔ کسی معاملے کی خاطر۔

نذر کا رکن......حنفیہ کے نزدیک نذر کا رکن وہ لفظ اور صیغہ ہے جو اس پر دلالت کرے۔ جیسے یہ کہنا "للہ علی کذا" اللہ کے لئے مجھ پر فلاں کام لازم ہے، مجھ پر یہ لازم ہے، مجھ پر نذر لازم ہے، یہ ھدیہ ہے، یہ صدقہ ہے، میرا مال صدقہ ہے، میری ملکیت میں جو کچھ ہے وہ صدقہ ہے۔ وغیرہ۔ ❶

دیگر ائمہ کا مسلک......حنفیہ کے علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک نذر کے تین رکن ہیں: جس بات کی نذر مانی گئی ہے، نذر کا صیغہ اور لفظ۔

نذر ماننے والا......ہر مکلّف مسلمان نذر ماننے کا اہل ہے۔ بچے، مجنون اور کافر کی نذر کا کوئی اعتبار نہیں۔

جس کی نذر مانی ہے......جس بات کی نذر مانی ہے یعنی منذور۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ مبہم اور معین۔

نذر مبہم......جس کی نوعیت نہ بیان کی جائے جیسے "اللہ کے لئے مجھ پر نذر لازم ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ مالکیہ کے نزدیک اس میں قسم کا کفارہ ہے۔

نذر معین......اس کی چار قسمیں ہیں۔

۱......کوئی عبادت کرنے کی منت مانی۔ اس کو پورا کرنا واجب ہے۔

۲......کوئی گناہ کرنے کی منت مانی۔ اس کو پورا کرنا حرام ہے۔

۳......کوئی مکروہ کام کرنے کی منت مانی۔ اس کو پورا کرنا مکروہ ہے۔

۴......کسی مباح کام کی نذر مانی۔ اس کو پورا کرنا نہ کرنا دونوں باتیں جائز ہیں۔

پورا نہ کرنے والے پر کچھ لازم نہیں۔

نذر کا صیغہ......اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ مطلق اور مقید۔

مطلق......اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر ہو۔ کسی نعمت پر یا بغیر کسی سبب کے جیسے اللہ کے لئے مجھ پر ایسا روزہ رکھنا یا ایسی نماز پڑھنا لازم ہے۔ مالکیہ کے نزدیک یہ مستحب ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے۔

مقید......جو کسی شرط سے مشروط ہو۔ جیسے یہ کہنا کہ اگر فلاں آ گیا یا میرے مریض کو اللہ تعالیٰ نے شفا دے دی تو مجھ پر یہ لازم ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر شرط پائی گئی تو اس کو پورا کرنا لازم ہے۔ مالکیہ کے نزدیک یہ مباح ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مکروہ ہے۔

۲۔ نذر کی شرطیں......شرطیں کچھ ناذر (منت ماننے والا) سے متعلق ہیں اور کچھ منذور بہ (جس کی نذر مانی گئی ہے) سے متعلق۔

ناذر (منت ماننے والے) سے متعلقہ شرطیں: ❷

۱۔ اہلیت یعنی عاقل و بالغ ہونا......لہٰذا مجنون، ناسمجھ بچے اور سمجھدار بچے کی نذر منعقد نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ یہ شرعی احکام کے مکلّف نہیں ہیں لہٰذا اپنے اوپر کسی حکم کو لازم کرنے کے اہل بھی نہیں ہوں گے۔

---

❶......البدائع: ۵/۸۱۔ ❷ البدائع: سابقہ حوالہ ص ۸۱ وما بعدھا، مغنی المحتاج: سابقہ حوالہ، الشرح الکبیر للدردیر: ۲/۱۶۱، القوانین الفقھیہ: ۱۶۷ وما بعدھا۔

۲۔اسلام.....لہٰذا کافر کی نذر درست نہیں۔ یہاں تک کہ اگر اس نے منت مانی اور پھر اسلام قبول کرلیا تو اس پر اپنی سابقہ نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ عبادت کا یا عبادت کو خود پر لازم کرنے کا اہل ہی نہیں تھا۔

رہا آزاد ہونا تو یہ نذر کے صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں۔لہٰذا غلام کی نذر درست ہوگی۔اسی طرح حنفیہ کے نزدیک اختیار اور مرضی بھی شرط نہیں ہے۔شافعیہ کی ہاں یہ شرط ہے۔لہٰذا جس آدمی سے زبردستی کوئی منت منوائی گئی وہ ان کے نزدیک درست نہیں ہوگی۔اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے:''میری امت کو غلطی، بھول چوک اور زبردستی کرائے ہوئے کام معاف ہیں۔'' ❶

منذور بہ (جس کی منت مانی گئی ہے) سے متعلقہ شرطیں.....منذور بہ سے متعلقہ شرطیں درج ذیل ہیں۔ ❷

۱.....قسم ایسی چیز کی کھائی جائے جس کے وجود کا شرعی لحاظ سے تصور کیا جاسکے۔لہٰذا جس کام کا شرعی وجود نہیں اس کی نذر بھی نہیں مانی جاسکتی۔جیسے کوئی کہ''میں اللہ تعالیٰ کے لئے رات کو روزہ رکھوں گا۔'' یا عورت کہے''اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنے حیض کے دنوں میں روزہ رکھوں۔اس لئے کہ رات روزے کا محل نہیں ہے۔اور حیض شرعی اعتبار سے روزے کے منافی ہے۔حیض ونفاس سے پاک ہونا شرعی روزے کے لئے شرط ہے۔

۲.....جس چیز کی قسم کھائی جارہی ہے وہ عبادت ہو جیسے نماز، روزہ، حج، صدقہ لہٰذا جو عبادت نہیں ان کی نذر بھی درست نہیں۔جیسے گناہ کی نذر ماننے اور کہے''اللہ کے لئے مجھ پر شراب پینا لازم ہے'' یا قتل کرنا لازم ہے یا مارنا لازم ہے یا گالی دینا لازم ہے۔اس میں چاروں ائمہ کرام اور دیگر حضرات کا اتفاق ہے۔❸ اس لئے حدیث میں آتا ہے''لا نذر فی معصیة اللہ ، ولا فیما لا یملکہ ابن آدم'' ❹ اللہ کی نافرمانی کی نذر نہیں ہوسکتی، اسی طرح جس چیز کا انسان مالک نہیں اس کی نذر بھی نہیں ہوسکتی۔

ایک اور حدیث میں ہے''لانذر الا ما یبتغی بہ وجہ اللہ'' ❺ نذر انہی چیزوں کی ہوتی ہے جن سے اللہ کی رضا حاصل کی جاسکتی ہے۔

یہ بھی حدیث میں آتا ہے''من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ ومن نذر ان یعصی اللہ فلا یعصہ'' ❻ جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی وہ اللہ کی اطاعت کرے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی وہ نافرمانی نہ کرے۔

اور اس لئے بھی کہ نذر کا حکم یہ ہے کہ منذور بہ واجب ہے۔اور گناہ کے کام کا واجب ہونا ناممکن ہے۔اس لئے کہ گناہ کو پورا کرنا حرام ہے۔ گناہ کی نذر ماننے کی صورت میں جمہور کے نزدیک نذر ماننے والے پر کچھ لازم نہیں ہوتا۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر قسم کا کفارہ آئے گا۔(یہ بحث آگے آئے گی)۔

---

❶.....اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔یہ صحیح حدیث ہے۔ان کے علاوہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔اس کی تخریج گزر چکی ہے۔جس کے الفاظ یہ ہیں۔''ان اللہ تجاوز عن امتی ثلاثہ: الخطا والنسیان وما اکرھوا علیہ'' اللہ تعالیٰ نے میری امت کی تین چیزیں معاف کردی ہیں:''غلطی، بھول چوک اور زبردستی کرایا ہوا کام۔❷ البدائع: سابقہ حوالہ ۸۲ وما بعدھا ❸ بدایة المجتھد : ۱/۴۰۹، المحلی : ۳/۸، مختصر الطحاوی: ۳۱۶، مغنی المحتاج: ۴/۳۵۴ المغنی: ۹/۳، المھذب: ۱/۲۴۲، القوانین الفقھیة : ص ۱۶۸ ۔❹ اس حدیث کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے:''لانذر ولا یمین فیما لا تملک ولا فی معصیة ولا فی قطعیة رحم ''غیر مملوکہ چیز کی نذر اور قسم نہیں ہوسکتی اور گناہ اور قطع رحمی کی بھی۔(نصب الرایہ: ۳/۳۰۰، جامع الاصول: ۱۲/۱۸۸، نیل الاوطار: ۸/۲۳۸) ❺ اس حدیث کو ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کیا ہے (جامع الاصول۔سابقہ حوالہ) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''لانذرا لا فیما ابتغی بہ وجہ اللہ''نذر انہی چیزوں کی ہوسکتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے۔نیل الاوطار: ۸/۲۴۲ ❻ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور سنن اربعہ کے مصنفین نے روایت کیا ہے۔(دیکھئے تخریج وتحقیق احادیث تحفة الفقہاء ۲/ص ۴۵۹، ومابعد از مولف والاستاذ المختصر الکتانی)

اسی طرح مباح چیزوں کی نذر بھی لازم نہیں۔ جیسے کھانا، پینا، پہننا، سواری کرنا، طلاق دینا وغیرہ۔ اس لئے کہ یہ چیزیں عبادت نہیں ہیں لہٰذا نذر بھی لازم نہیں ہوگی۔

۳.....وہ عبادت مقصودہ ہو۔ لہٰذا مریضوں کی عبادت کرنا، جنازے کے ساتھ چلنا، وضو، میت کو غسل دینا اور کفن پہنانا، مسجد میں داخل ہونا۔ قرآن مجید کو چھونا، اذان، رباط ❶ (غریبوں کے لئے بنائی گئی سرائیں) بنانا، مسجدیں بنانا وغیرہ کی نذر ماننا درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ امور اگرچہ عبادت ہیں لیکن یہ عام طور پر عبادت مقصودہ نہیں ہوتیں۔ جب کہ یمین قسم کی طرح عبادت مقصودہ ہے۔ لہٰذا ایسی چیز کی نذر درست نہیں ہوگی۔ جو بذات خود عبادت نہ ہو۔ ❷ نماز، روزہ، حج، عمرہ اعتکاف وغیرہ کی نذر درست ہے۔ اس لئے کہ یہ عباداتِ مقصودہ ہیں۔ اور شریعت میں ان کی جنس سے واجب پایا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے" جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی تو اسے چاہئے کہ اس کی اطاعت کرے۔"

شافعیہ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ جو عبادت ابتداء میں واجب نہیں اس سے نذر کا منعقد ہونا درست ہے جیسے مریض کی عبادت اور جنازے کے ساتھ چلنا، دوسرے کو سلام کرنا، گھر خالی ہو تو خود کو سلام کرنا، چھینک کا جواب اور آنے والے سے ملنے کے لئے جانا۔ اس لئے کہ شارع نے ان کی ترغیب دی ہے۔ اور بندہ ان سے اللہ کے قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ عبادات کی طرح ہوئیں۔ رہیں وہ عبادتیں جن کی جنس شریعت میں واجب ہے جیسے نماز، روزہ، حج تو یہ نذر سے قطعی طور پر بغیر اختلاف کے لازم ہو جاتی ہیں۔ اعتکاف بھی نذر سے لازم ہو جاتا ہے۔ اس کی جنس سے شریعت میں وقوف عرفہ اور نماز کا قعدہ اخیرہ ہیں۔ ان دونوں کو اعتکاف کی طرح ٹھہرنا سمجھا گیا ہے۔ ❸

اگر کسی نے کہا" اللہ کے لئے مجھ پر قربانی والے دن یا ایام تشریق میں روزہ رکھنا لازم ہے" تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کے نزدیک اس کی نذر درست ہوگی۔ اس لئے کہ اس نے مقصودی عبادت کی نیت کی ہے تو جس طرح دوسرے دنوں میں روزے کی نذر درست ہے اسی طرح ان دنوں میں بھی درست ہوگی۔

جمہور علماء اور حنفیہ میں سے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روز عید یا ایام تشریق میں نذر درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ گناہ کی نذر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے۔ اور فرمایا ہے" خبردار (ان دنوں میں) روزہ نہ رکھنا اس لئے کہ یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔" ❹ جس چیز سے منع کیا جائے وہ گناہ ہوتی ہے۔ اور گناہ کی نذر درست نہیں ہوتی جس کی دلیل یہ حدیث ہے۔" اللہ کی نافرمانی کی نذر نہیں ہوتی اور نہ ایسی چیز کی نذر ہوتی ہے جس کا انسان مالک نہیں۔ ❺

اگر کہا" اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں پیدل حج کروں" تو اس پر پیدل حج لازم ہوگا۔ اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ اس لئے کہ اس نے چلنے کو اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ اس میں زیادہ ثواب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" جس نے پیدل حج کیا اس کو ہر قدم پر حرم کی نیکیوں جیسی نیکی ملے گی"۔ پوچھا گیا کہ حرم کی نیکیاں کیا ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا" ایک نیکی سات سو کے برابر

---

❶ الرباطات: ایسی سرائیں جو فقیروں اور مسکینوں کے لئے بنا کر وقف کر دی جاتی ہیں۔ ❷ البدائع: ۸۲/۵، فتح القدیر والصنایۃ ۲۷/۴، الدر المختار وردالمحتار: ۷۳/۳۔ ❸ مغنی المحتاج: ۳۷۰/۴۔ ❹ اس حدیث کو سنن اربعہ کے مؤلفین، ابن حبان حاکم اور بزار نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ایام التشریق: ایام اکل وشرب وصلوٰۃ وفلا یصومھا احد" "ایام تشریق کھانے پینے اور نماز کے دن ہیں ان میں کوئی روزہ نہ رکھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن کے روزوں سے منع فرمایا ہے۔" عید الفطر اور عید قربان"۔ (دیکھئے تخریج احادیث تحفۃ الفقھاء: ۲۹۶/۱) ❺ منذور بہ کی شرطوں کے بیان میں سابقہ حوالے، البدائع: ۸۳/۵۔

ہے۔'' ❶ اگر پیدل نہ چل سکا تو سوار ہو جائے۔ اور اس پر ایک بکری کی قربانی لازم ہوگی یہ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ نذر ماننے والا جب چلنے سے عاجز آ جائے تو لوٹ جائے۔ پھر جہاں سے عاجز آیا تھا وہیں سے دوسری مرتبہ پیدل چلے۔ اور ان کے نزدیک قربانی اونٹ یا گائے کی ہوگی اگر یہ نہ ملیں تو بکری کی قربانی ہوگی۔ ❷ اس مسئلے کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان کی بہن نے بیت اللہ کی طرف پیدل چلنے کی نذر مانی۔ تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ آپ کی بہن کی نذر سے بے نیاز ہے۔ اسے چاہئے کہ سوار ہو جائے اور اونٹ کی قربانی کرے۔'' ❸ اور اس لیے بھی کہ نذر کی وجہ سے پیدل چلنا حج کا واجب حکم بن گیا۔ اب اس کو چھوڑنے کی وجہ سے قربانی واجب ہو جائیگی۔ جیسے میقات سے احرام نہ باندھنے کی وجہ سے قربانی لازم ہوتی ہے۔

حنابلہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ جب وہ پیدل چلنے سے عاجز آ جائے تو سوار ہو جائے۔ اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔ اس لئے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے جب بیت اللہ پیدل جانے کی نذر مانی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''وہ پیدل چلے اور سواری بھی کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔'' (ابوداود) جوزجانی، ترمذی اور دیگر اصحاب السنن کی روایت میں آتا ہے۔ ''وہ تین دن کے روزے رکھے۔'' اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ ❹ اور اس لئے کہ پیدل چلنا ان چیزوں میں سے ہے جن کا موجب احرام ہے لہٰذا اس کو ترک کرنے سے قربانی واجب نہیں ہوگی۔ رہی قربانی والی حدیث تو وہ ضعیف ہے جیسا کہ ہم نے حاشیے میں اشارہ کر دیا ہے۔

۴.....جس مال کی نذر مانی ہے وہ نذر کے وقت اس کی ملکیت میں ہو یا نذر کی نسبت ملک یا ملک کے سبب کی طرف ہو۔ اگر اس نے غیر مملوکہ چیز کو اسی وقت صدقہ کرنے کی نذر مانی تو بالاتفاق درست نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جس چیز کا انسان مالک نہیں ہے اس کی نذر درست نہیں۔'' اگر نذر کی نسبت ملکیت کی طرف کی جیسے ''وہ تمام مال جس کا میں مستقبل میں مالک بنوں گا وہ صدقہ ہے۔'' یا نذر کی نسبت ملکیت کے سبب کی طرف کی جیسے ''جس چیز کو بھی میں خریدوں یا وراثت میں پاؤں وہ صدقہ ہے'' تو یہ نذر حنفیہ کے نزدیک درست ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نذر درست نہیں۔ حنفیہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

---

❶..... اس حدیث کو ابن خزیمہ اور حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت زاذان رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ اس کے الفاظ مختصراً یہ ہیں: جو مکہ سے پیدل حج کرے تو واپسی تک اس کو ہر قدم کے بدلے سات سو نیکیاں ملیں گی۔ ہر نیکی حرم کی نیکی جیسی ہوگی۔'' کہا گیا کہ حرم کی نیکیاں کیا ہیں؟ فرمایا ''ہر نیکی کے بدلے ایک لاکھ نیکیاں۔'' (الترغیب والترہیب: ۲/۱٦٦) ❷ البدائع: ۵/۸۴، بدایۃ المجتھد: ۱/۴۱۱، مغنی المحتاج: ۴/۳٦۳ و ما بعد، المھذب: ۱/۲۴۵ وما بعد۔ المغنی: ۹/۸۔ ❸ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابویعلیٰ موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسندوں میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ''اللہ تعالیٰ آپ کی بہن کی نذر سے بے نیاز ہے۔ وہ سوار ہو جائے اور تین دن روزے رکھے۔'' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور صحابہ ستہ کے مؤلفین نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ رروایت کی ہے۔ ''وہ پیدل چلے اور سوار بھی ہو۔'' اور ایک روایت میں ہے ''اللہ تعالیٰ آپ کی بہن کی مشقت کو کیا کریں گے۔ اسے کہیں کہ اوڑھنی اوڑھنے، سوار ہو اور تین دن روزے رکھے (جامع الاصول: ۱۲/۱۸۵ مجمع الزوائد: ۴/۱۸۹، نصب الرایۃ: ۳/۳۰۵، نیل الاوطار: ۸/۲۴٦، سبل السلام: ۴/۱۱۳ ❹ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔ ''نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ یہاں اور بھی روایات ہیں جن کو ہم نے تحفۃ الفقہاء کی احادیث کی تخریج میں بالاستیعاب ذکر کیا ہے۔ ج ۲ ص ۴٦۴ وما بعدھا۔

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰىنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ﴿۷۵﴾

اورانہی میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں نوازے گا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور یقیناً نیک لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔'' آگے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان تک:

فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ﴿۷۷﴾ التوبۃ: ۹/۷۷

نتیجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر نفاق ان کے دلوں میں اس دن تک کے لئے جما دیا جس دن وہ اللہ سے جا کر ملیں گے۔ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔'' یہ آیت شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس نذر کی نسبت ملک کی طرف ہو وہ درست ہوتی ہے۔ ❶

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات پر دلیل کہ غیر مملوکہ چیز کو صدقہ کرنے کی نذر درست نہیں..... حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرمایا ''اللہ کی نافرمانی کی نذر درست نہیں اور انسان جس چیز کا مالک نہیں اس کی نذر بھی درست نہیں۔'' ❷

۵..... جس کی نذر مانی ہے وہ فرض یا واجب نہ ہو: لہٰذا فرائض کی نذر درست نہیں ہوگی چاہے فرض عین ہوں جیسے پانچ نمازیں اور رمضان کے روزے یا فرض کفایہ ہوں جیسے جہاد نماز جنازہ۔ اسی طرح واجبات کی نذر بھی درست نہیں چاہے واجب عین ہو جیسے وتر، صدقہ فطر، قربانی یا واجب کفایہ ہو جیسے میت کو تیار کرنا انہیں غسل دینا، سلام کا جواب دینا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں پہلے سے واجب ہیں ان کو دوبارہ واجب نہیں کیا جا سکتا۔ ❸

نذر کا حکم...... یہ بحث تین امور میں کلام کا تقاضا کرتی ہے: حکم کی اصل اس میں نذر کی مشروعیت کے دلائل بھی بیان ہوں گے، حکم کے ثبوت کا وقت، حکم کے ثبوت کی کیفیت۔

ا۔ نذر کے حکم کی اصل...... علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نذر مکروہ ہے یا عبادت؟ حنفیہ فرماتے ہیں کہ نیک کاموں میں نذر مباح ہے چاہے مطلق ہو یا شرط سے مشروط ہو۔ بعض لوگوں کے نزدیک نذر عبادت ہے۔

مالکیہ...... کے نزدیک مطلق نذر مستحب ہے یعنی ایسی نذر جس کو کسی چیز پر معلق نہ کیا گیا ہو اور نہ ہی دنوں کے تکرار سے اس میں تکرار آئے جیسے ہر جمعرات کے روزے کی نذر۔ بلکہ وہ ایسی نذر کو کہتے ہیں جسے انسان اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کے شکر کے طور پر اپنے اوپر واجب کرتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کے مریض کو شفا دے دی یا اس کو بیٹا یا بیوی عنایت فرما دی اور اس نے نذر مانی۔ مکرر نذر یعنی بار بار آنے والی نذر مکروہ ہے جیسے ہر جمعرات کے روزے کی نذر۔ اور معلق نذر یعنی کسی شرط سے مشروط کر دی جانے والی نذر جیسے اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا دی تو مجھ پر صدقہ لازم ہے۔ ایسی نذر کے مکروہ یا مباح ہونے میں تردد ہے۔ امام باجی رحمۃ اللہ علیہ کراہت کے قائل ہیں اور امام ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ مباح ہونے کے قائل ہیں۔ اور یہی راجح ہے۔ لیکن معلق نذریں اللہ کی تقدیر میں کچھ تبدیلی نہیں کر سکتیں۔ بلکہ یہ کنجوس سے صدقہ نکالنے کا ذریعہ ہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ...... فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ مستحب نہیں۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر سے منع فرمایا۔ اور فرمایا ''یہ کہ چیز نہیں ٹال سکتی بلکہ اس کے ذریعے تو صرف کنجوس سے (مال) نکالا جاتا ہے۔

❶..... البدائع: ۵/ ۹۰۔ ❷ المهذب: ۱/ ۲۴۲۔ ❸ البدائع: سابقہ حوالہ۔

دوسرے الفاظ یوں ہیں ”یقیناً یہ کوئی خیر نہیں لاسکتی بلکہ۔.....الخ“ ❶

اور اس لئے بھی کہ نذر اگر مستحب ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی مانی ہوتی۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود اگر کسی نے نیکی کی نذر مانی تو اسے پورا کرنا لازمی ہوگا اس لئے کہ اس پر قرآن وسنت کے اور عقلی دلائل موجود ہیں۔ ❷

قرآن مجید سے دلائل

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ الحج:۲۲/۲۹

اور (حج کرنے والے) اپنی منتیں پوری کریں۔

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ سورۃ الدھر ۷۶/۷

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن کا خوف دل میں رکھتے ہیں جس کے برے اثرات ہر طرف پھیلے ہوں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ المائدۃ:۵/۱

اے ایمان والو! معاہدہ کو پورا کرو۔

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝ الاسراء:۱۷/۳۴

اور عہد کو پورا کرو، عہد کے بارے میں (تمہاری) باز پرس ہونے والی ہے۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ النحل:۱۶/۹۱

اور جب تم نے کوئی معاہدہ کیا ہو تو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرو۔

(ترجمہ منقول از آسان ترجمہ قرآن حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم)

نذر بھی ایک طرح کا عہد ہے جو نذر ماننے والا اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ اور عقود وعدوں کو کہتے ہیں۔

سنت سے دلائل...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی تو وہ اطاعت کرے۔“

---

❶ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت مسند بھی ہے۔ اور صحیح بھی۔ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نذر سے منع فرمایا ہے اس کا مطلب نذر کے معاملے کو مؤکد کرنا ہے اور نذر واجب کرنے کے بعد سستی کرنے سے لوگوں کو ڈرانا ہے۔ اور اس سے مقصود یہ ہوتا کہ نذر سے روک دیا جائے تاکہ اسے نہ کیا جاسکے تو اس سے نذر کا حکم باطل ہو جاتا اور اس کو لازمی طور پر پورا کرنے والی بات بھی ختم ہو جاتی۔ اس لئے کہ جب اس سے منع کردیا تو یہ گناہ بن گئی اور اس کو پورا کرنا لازمی نہ رہا۔ حاصل یہ کہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں بلکہ اس میں تاویل ہوگی۔ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نہایہ میں اسی طرح کی بات کی ہے۔ انہوں نے مزید کہا ہے کہ حدیث میں یہ بتایا جارہا ہے کہ نذر ان کو دنیا میں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی، نہ ان سے نقصان کو دور کرسکتی ہے اور نہ تقدیر کو ٹال سکتی ہے۔ لہٰذا اس لئے نذر نہ مانو کہ اس کی بنیاد پر تمہیں کوئی چیز مل جائے گی جو تمہارے مقدر میں نہیں یا تقدیر نے جو فیصلہ کیا ہے یہ اس کو ٹال دے گی۔ لیکن اگر آپ نے ایسا کر ہی لیا ہے تو اس کو پورا کرو اس لئے کہ آپ نے جس کی نذر مانی تھی وہ لازم ہوگئی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حدیث کے ظاہری معنی مراد ہیں۔ اور یہ نذر کے مکروہ ہونے میں صریح ہے۔ اس لئے کہ نذر بخیل آدمی مانتا ہے۔ اس کے ذریعے سے اس کا مال نکالا جاتا ہے۔ اس کا نفس بغیر زبردستی کے یہ سخاوت نہ کرتا۔ یہ اس وقت ہوتا جب اس کی غرض پوری ہوجاتی ہے۔ (المحلی: ۸/۴، جامع الاصول: ۱۲/۱۸۱، ۲۴۳، نیل الاوطار: ۸/۲۴۰، سبل السلام: ۴/۱۱۰) ❷ المحلی: ۸/۳، المغنی: ۹/۱، مغنی المحتاج: ۴/۳۵۴، البدائع: ۹۰۵، بدایۃ المجتهد: ۱/۴۰۹، الشرح الکبیر للدردیر رحمۃ اللہ علیہ: ۲/۱۶۲۔

میں ہے ”جس نے نذر مانی اور کوئی کام کرنا طے کر لیا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کام کو پورا کرے۔“ ❶

عقلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہر مسلمان کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے وہ ایسی عبادات مقصودہ کا بھی اہتمام کرتا ہے جن کو ترک کرنا جائز ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اعلیٰ مقام حاصل ہو سکے..... اور چونکہ جن اعمال کی نذر مانی گئی وہ نذر کی وجہ سے واجب ہو جاتے ہیں۔ اس لئے نذر نفس کو اعمال پر مجبور کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اور اعمال کو چھوڑنے سے روک دیتی ہے۔ اسی طرح نذر ماننے والے کو مقصود مل جاتا ہے۔

حنفیہ کا مسلک..... جس کی نذر مانی گئی ہے اس کا متعین طور پر نام لیا ہوگا یا نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں نذر کو کس طرح پورا کیا جائے گا؟ حنفیہ نے اس کی جو تفصیل بنائی ہے وہ درج ذیل ہے۔

ا۔ جس کی نذر مانی گئی ہے اس کا نام متعین طور پر لے لیا جائے..... مثلاً یوں کہے ”اللہ کے لئے مجھ پر حج لازم ہے یا عمرہ لازم ہے“ یا یوں کہے ”اگر اللہ نے میرے مریض کو شفاء دے دی تو مجھ پر لازم ہے کہ میں سو سیر صدقہ کروں“ اس صورت میں جس چیز کو نامزد کیا ہے اسی کو پورا کرنا واجب ہے۔ چاہے نذر مطلق ہو یا کسی شرط سے معلق ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اس کی طرف سے کفارہ جائز نہیں ہوگا۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ نذر کی دو قسمیں ہیں: مطلق اور مقید، مطلق اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت پر شکر ادا کرنے کے لئے یا بغیر کسی سبب کے مانی جائے۔ جیسے یوں کہے ”اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں اتنے روزے رکھوں یا اتنی نمازیں پڑھوں“ ایسی نذر مستحب ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ چاہے نذر کا لفظ ذکر کرے یا نہ کرے۔ الا یہ کہ اس کا مقصود خبر دینا ہو تو پھر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔

مقید اسے کہتے ہیں جو شرط سے معلق ہو۔ جیسے یوں کہنا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفاء دے دی یا میری حاجت پوری کر دی یا اگر فلاں آ گیا تو مجھ پر یہ لازم ہے۔ یہ مباح ہے، اور اسے مکروہ بھی کہا گیا ہے۔ اسے مطلقاً پورا کرنا ضروری ہے۔ اور جن وجوہ پر قسم واقع ہوتی ہے جیسے ضد، غصہ وغیرہ ان کے اختلاف کا اعتبار نہیں۔ ❷

شافعیہ ❸ فرماتے ہیں کہ نذر اگر کسی شرط کے ساتھ مقید ہو تو دیکھا جائے گا کہ نذر ماننے والا اس کو واقع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے یا نہیں۔ یعنی نذر تبرر اور نذر لجاج میں فرق کیا جائے گا۔

نذر تبرر..... ❹ یعنی انسان کسی نعمت کے ملنے یا کسی مشکل کے دور ہونے پر کسی عبادت کو اپنے اوپر لازم کرے جیسے اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا دی تو مجھ پر اللہ کے لئے روزہ لازم ہے۔ اس صورت میں اگر شرط پائی گئی تو اس کو پورا کرنا لازم ہوگا۔

نذر لجاج..... ❺ (ضد اور جھگڑے والی نذر) اس کو ضد، غصے اور تنگ دلی والی قسم بھی کہا جاتا ہے یہ ایسی نذر ہے جو قسم کے طور پر سامنے آئے۔ اس میں اپنے آپ کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر ابھارنا مقصود ہوتا ہے۔ نذر یا عبادت مقصود نہیں ہوتی۔ جیسے اگر میں نے فلاں سے بات کی تو اللہ کے لئے مجھ پر روزہ وغیرہ لازم ہوگا۔ اس صورت میں راجح یہی ہے کہ نذر ماننے والے کو اختیار ہے چاہے تو اپنی نذر پوری کرے

---

❶..... سمی ای سمی شیئاً یفعلہ: یعنی کوئی کام کرنا طے کر لیا جیسے نماز، روزہ، حج اور دیگر نیک اعمال۔ علامہ زیلعی نصب الرایۃ ج ۳ ص ۳۰۰ میں اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ غریب ہے۔ نذر کو پورا کرنے کے متعلق بہت سی احادیث ہیں۔ ان میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن عمر رضی اللہ عنہ، عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ والی احادیث ذکر کی ہیں۔ اور دیکھئے فتح القدیر: ۴/ ۲۷۔ ❷ القوانین الفقهیہ: ص ۱۶۸، الشرح الکبیر: ۲/ ۱۶۱۔ ❸ دیکھئے مغنی المحتاج: ۴/ ۳۵۵ وما بعدھا، المھذب: ۱/ ۲۴۳۔ ❹ یہ بر سے باب تفعل ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نذر ماننے والا اس کے ذریعے سے نیکی اور اللہ کا قرب چاہتا ہے۔ یہ شرط اور مطلق نذر دونوں کو شامل ہے۔ ❺ اس کے لغوی معنی ہیں جھگڑا کرنا، اس میں انتہاء تک پہنچ جانا اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ نذر غصے کی حالت میں مانی جاتی ہے۔

اور چاہے تو قسم کا کفارہ ادا کرے۔ اس حدیث کا یہی مقصود ہے ''**كفارة النذر كفارة يمين**'' نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ (۱)

اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نذر لجاج لڑائی کے وقت غصے کو دور کرنے والی ہوتی ہے۔ اور نذر تبرر لڑائی یا غصے کو دور کرنے والی نہیں ہوتی۔

نذر مطلق یہ ہوتی ہے کہ نذر ماننے والا خود پر کسی طرح کی عبادت کو لازم کر دے۔ کسی خاص غرض کو پورا کرنے پر معلق نہ کرے اور نہ ہی وہ نذر لڑائی یا غصہ کو دور کرنے والی ہو۔ جیسے ''اللہ کے لئے مجھ پر جمعرات کا روزہ لازم ہے۔''

حنابلہ (۲) فرماتے ہیں کہ نذر لجاج وغضب کا حکم وہی ہے جو قسم کا ہے۔ اور شافعیہ کی طرح یہ بھی اختیار دیتے ہیں کہ وہی کام کرے جس کی نذر مانی ہے یا قسم کا کفارادا کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''غصے کی حالت میں نذر نہیں ہوتی۔ اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔'' (۳) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم چاہے جس جہت پر ہو لازم ہو جاتی ہے۔ (۴)

۲۔ اگر نذر میں کام نامزد نہ کیا جائے......یعنی جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے اسکا نام نہ لیا جائے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر نذر ماننے والے نے کسی عمل کی نیت کی تھی تو اسی کو کرنا واجب ہوگا۔ چاہے نذر مطلق ہو یا مقید۔ جیسے اس نے کہا ''اللہ کے لئے مجھ پر نذر لازم ہے'' یا یوں کہا ''اگر میں نے ایسے کیا تو اللہ کے لئے مجھ پر نذر لازم ہے'' اگر اس نے روزے، نماز، حج یا عمرے کی نیت تھی تو انہی کو پورا کرنا لازم ہوگا۔ اگر نذر مطلق تھی تو فی الحال پورا کرنا ہوگا اور اگر مقید تھی تو شرط پائے جانے کے بعد۔ اس صورت میں قسم کا کفارہ کافی نہیں ہوگا۔

اور اگر اس کی کوئی نیت نہیں تھی تو یہ مبہم نذر ہوئی۔ اس صورت میں قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔ یہاں بھی اگر نذر مطلق تھی تو کفارہ فی الحال واجب ہو جائے گا۔ اور اگر نذر معلق تھی تو شرط کے پانے جانے کے بعد کفارہ لازم ہوگا۔ دلیل یہ حدیث ہے۔ ''**النذر يمين**'' ''**وكفارته كفارة يمين**'' نذر ایک قسم ہے اور اس کا کفارہ قسم والا کفارہ ہے۔ (۵)

حنفیہ کے ہاں کفارے کا وجوب متعین ہے چاہے نذر معلق کی شرط مباح ہو یا گناہ۔ اور اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی قسم خود توڑے اور اس کا کفارہ ادا کرے۔ (۶) اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جس آدمی نے کوئی کام کرنے کی قسم کھائی۔ پھر اس کے علاوہ کسی اور کام میں اسے بہتری لگی تو اسے چاہئے کہ وہ بہتری والا کام کر لے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔ (۷)

---

(۱)......اس حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اس میں ''**اذا لم يسمه**'' (جب نام نہ لیا ہو) کا اضافہ کیا ہے۔ اور ان الفاظ کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے کی گئی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن عباس رضی اللہ عنہ، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسرے الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ (دیکھئے سبل السلام: ۱۱۱/۴، نیل الاوطار۔ ۲۴۳/۸ وما بعد، نصب الراية: ۲۹۵/۳ الا لمام: ص ۳۰۹، تخريج احاديث التحفه الفقها: ۴۶۵/۲) (۲) المغني: ۶۹۶/۸، ۶/۹۔ (۳) اس حدیث کو نسائی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (دیکھئے المحلی: ۸/، جامع الاصول: ۸۹/۱۲ اومابعد) اس کو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم کبیر اور اوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔ ''**ولا يمين فی غضب**'' (غصے کی حالت میں قسم نہیں ہوتی) (مجمع الزوائد: ۱۸۶/۴) (۴) بداية المجتهد: ۴۰۹/۱، الشرح الكبير للدردير: ۱۶۱/۲۔ (۵) حدیث کی نص: یہ وہ حدیث ہے جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے نذر مانی اور کام نامزد نہیں کیا تو اس کا کفارہ قسم والا ہے۔ اور جس نے گناہ کی نذر مانی تو اس کا کفارہ قسم والا کفار ہے۔ اور جس نے غیر اختیاری قسم مانی اس کا کفارہ قسم والا کفارہ ہے۔ اور جس نے ایسی نذر مانی جس کو پورا کرنے کی اسے طاقت ہے تو اس کو پورا کیا جائے گا'' اس بارے میں اور بھی روایات ہیں جیسے عقبہ بن عامر والی حدیث ''نذر کا کفارہ قسم والا کفارہ ہے۔'' (دیکھئے تخریج احادیث تحفۃ الفقہاء: ۴۶۴/۲ ومابعدھا) اس کی طرف اشارہ پہلے گزر چکا ہے۔ (۶) حنفی مذہب کی تفصیل کے لئے دیکھئے المبسوط: ۱۳۶/۸، البدائع: ۹۰/۲۔ ۹۲، فتح القدير: ۲۷/۴، الفتاویٰ الهندیه، ۶۰/۲۔ (۷) اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عدی بن حاتم سے روایت کیا ہے۔ دیگر ائمہ حدیث نے دوسرے صحابہ سے بھی روایت کیا ہے۔ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ (دیکھئے نیل الاوطار: ۲۴۷/۸)

اگر نذر مبہم تھی اور نذر ماننے والے نے روزوں کی نیت کی تھی لیکن کسی معین عدد کی نیت نہیں کی تھی تو اس پر تین دن کے روزے واجب ہوں گے۔

اگر اس نے کہا تھا ”اللہ کے لئے مجھ پر نذر لازم ہے“ اور نیت کھانے کی کی تھی لیکن خاص عدد کی نیت نہیں کی تھی تو اس پر دس مسکینوں کو کھانا کھلانا لازم ہے۔ ہر مسکین کو گندم کا نصف صاع یعنی شامی رطل کا تقریباً نصف..... دینا ہوگا۔

اگر کہا ”اللہ کے لئے مجھ پر صدقہ لازم ہے“ تو اس پر نصف صاع کی ادائیگی لازم ہوگی۔

اگر کہا ”اللہ کے لئے مجھ پر روزہ لازم ہے“ تو اس پر بالاتفاق ایک دن کا روزہ لازم ہوگا۔

اگر کہا ”اللہ کے لئے مجھ پر نماز لازم ہے“ تو اس پر بالاتفاق دو رکعتیں لازم ہوں گی۔

ان صورتوں کے حکم کی علت یہ ہے کہ یہاں نذر کی مقدار مذکور نہیں۔ لہٰذا اس کی کم ترین مقدار کا اعتبار ہوگا جس کے بارے میں شریعت کا حکم نازل ہوا ہے۔ اس لئے کہ نذر کا اعتبار حکم کے مطابق ہوتا ہے۔

مالکیہ ❶ فرماتے ہیں جس نے دنوں کے روزے رکھنے کی نیت کی تو جتنے دنوں کی نیت کی ہے اتنے ہی لازم ہوں گے۔ اگر اس نے کوئی عدد متعین نہیں کیا تو ایک دن روزہ رکھنا بھی کافی ہے۔ اگر اس نے ہمیشہ کے روزے (صوم الدھر) رکھنے کی نذر مان لی تو یہ اس پر لازم ہو جائیں گے۔ البتہ عید، حیض اور رمضان کے دنوں کی وجہ سے اس پر کچھ نہیں آئے گا۔ سفر اور مرض میں اس کے لئے افطار کرنا جائز ہے۔ اور اس کی قضاء بھی لازم نہیں اس لئے کہ یہ ممکن ہی نہیں۔

اگر اس نے نماز کی نذر مانی تو نیت کے مطابق نماز لازم ہوگی۔ اگر نیت نہ ہو تو دو رکعتیں کافی ہوں گی۔ اگر اس نے سارے مال کو صدقہ کرنے کی نذر مانی یا اس کی قسم کھائی پھر قسم ٹوٹ گئی تو ایک تہائی کافی ہے۔ اگر اس نے مقدار معین کر دی جیسے نصف یا دو تہائی تو جس کی نیت کی وہ لازم ہوگا۔ اگر مکہ پیدل جانے کی نذر مانی اور اگر حج یا عمرہ کا ذکر کیا تو وہی لازم ہوگا۔

اگر حج یا عمرہ کا ذکر نہیں کیا اور نہ نیت کی تو اس پر حج یا عمرہ لازم ہوگا جیسا کہ میں نے بیان کر دیا۔ نذر مانی کہ اونٹ کی قربانی کرے گا۔ اگر اونٹ کی قربانی کر سکتا ہے تو اس کی جگہ گائے کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔ اور اگر اونٹ کی قربانی سے عاجز ہے تو گائے کی قربانی چل جائے گی۔ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

اسی طرح شافعیہ فرماتے ہیں ❷ جس نے بیت اللہ کی طرف پیدل چلنے کی نذر مانی یا بیت اللہ آنے کی نذر مانی تو اس کے لئے حج یا عمرے کے لئے آنا واجب ہوگا۔ اگر اس نے پیدل حج یا عمرہ کرنے کی نیت کی تو راجح یہ ہے کہ پیدل چلنا واجب ہوگا۔ اگر اس نے کہا کہ میں پیدل حج کروں گا تو احرام والی جگہ سے پیدل چلنا ہوگا۔ اور اگر کہا کہ میں بیت اللہ کی طرف پیدل چلوں گا۔ تو صحیح یہ ہے کہ اپنے گھر سے اس کی ابتدا کرے گا۔ یہ اس وقت ہوگا کہ وہ پیدل چلنے پر قادر ہو۔ اس لئے کہ اس نے ایک شئی کو اپنی عبادت کا وصف بنانے کا التزام کیا ہے۔ اگر وہ پیدل چلنے پر قادر نہ ہو تو اس پر پیدل چلنا لازم نہیں۔ اس کے لئے سوار ہونا جائز ہوگا۔ اس لئے کہ وہ پیدل چلنے سے عاجز ہے۔

مباح اور گناہ کی نذر

مباح کی نذر...... اگر کسی مباح کام کی نذر مان لی جیسے یوں کہا ”اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنے گھر پیدل جاؤں“ یا ”اپنے گھوڑے پر سواری کروں“ یا ”اپنے کپڑے پہنوں“۔ یا کسی مباح کام کو چھوڑنے کی نذر مانی جیسے یہ کہا کہ میں حلوہ نہیں کھاؤں گا۔ تو اس نذر

---

❶ ......القوانین الفقهیه: ص ۱٦۸، ص ۱۷۰، الشرح الکبیر: ۲/۱٦٦۔ ❷ مغنی المحتاج: ۲٦۲/۴ وما بعدها۔

سے فعل کا کرنا لازم ہوگا نہ چھوڑنا۔ اس لئے کہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے "لانذر الا فیما ابتغی به وجه الله تعالیٰ" نذر صرف ان کاموں کی ہوتی ہے جن سے اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے۔ ❶ اسی طرح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک آدمی کو دھوپ میں کھڑے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ابواسرائیل ہیں۔ انہوں نے نذر مانی ہے کہ روزہ رکھیں گے اور نہ بیٹھیں گے، نہ سایے میں جائیں گے، اور نہ بات کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے کہو کہ بات بھی کرے، سائے میں بھی جائے، اور بیٹھے بھی۔ البتہ اپنا روزہ پورا کرے۔ ❷ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے بیت اللہ کی طرف پیدل چلنے کی نذر مانی۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں پوچھا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کے پیدل چلنے سے بے نیاز ہے۔ اسے کہو کہ سوار ہو۔ ❸

اور وہ حدیث جس میں ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے وقت کہا تھا میں نے نذر مانی ہے کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی نذر پوری کرو۔" ❹

جمہور فقہاء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی وجہ سے تازہ تازہ خوشی ملی ہوئی تھی، کافروں کے پیٹ میں مروڑ پڑ رہے تھے اور منافقوں کو بھی تکلیف ہو رہی تھی۔

مباح کی نذر ماننے والا اگر اپنی نذر کے تقاضے کے خلاف کرے تو کیا اس پر کفارہ ہوگا حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس پر کفارہ نہیں ہوگا اس لئے کہ نذر ہی منعقد نہیں ہوئی۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ مباح کی نذر ماننے والے کو اختیار ہوگا۔ چاہے تو وہ کام کرے اور اپنی نذر پوری کر لے۔ عورت والی حدیث کی وجہ سے جس نے دف بجانے کی نذر مانی تھی۔ جس کا ذکر ابھی گزرا اور چاہے تو وہ کام نہ کرے اس صورت میں قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔ یہ اس لئے ہے کہ حنابلہ کے نزدیک مباح کی نذر منعقد ہو جاتی ہے۔ اسی دف والی حدیث کی وجہ سے۔ ❺

گناہ کی نذر..... اگر انسان نے گناہ کی نذر مانی مثلاً یوں کہا "اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں شراب پیوں" یا "فلاں کو قتل کروں" یا اس کو ماروں یا اس کو گالی دوں وغیرہ تو بالاجماع اس کو پورا کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "اللہ کی نافرمانی میں کوئی نذر نہیں"۔ ❻

اور کیا اس سے کفارہ لازم ہوگا؟

---

❶..... اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے۔ (دیکھئے تخریج احادیث تحفه الفقهاء: ۲/۱۶۱، نیل الاوطار: ۸/۲۴۲ وما بعد، مجمع الزوائد: ۴/۱۸۶) ❷ اس حدیث کی تخریج امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے بھی کی ہے۔ (دیکھئے تخریج احادیث التحفۃ سابقہ حوالہ، جامع الاصول: ۱۲/۱۸۴، نیل الاوطار: ۸/۲۴۲، الالیام ص ۳۱۱) اس حدیث کو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں حجاج بن اَرطاۃ مدلس ہے (دیکھئے مجمع الزوائد: ۴/۱۸۷) ❸ اس حدیث کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور اس عورت کو کفارے کا حکم نہیں دیا (جامع الاصول: ۱۲/۱۸۶) ❹ اس حدیث کو ابوداؤد نے عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے۔ (جامع الاصول سابقہ حوالہ ص ۱۸۸، نصب الرایۃ: ۳/۳۰۰) ❺ اس موضوع کے لئے دیکھئے رحمة الامه في اختلاف الائمه الدمشقي الميزان کے حاشیئے پر: ۱/۱۴۹ وما بعدها، مغنی المحتاج: ۴/۳۵۷، المغنی: ۹/۵، تحفة الفقهاء طبع قديم: ۲/۵۰۲، بداية المجتهد: ۱/۴۱۰، الشرح الكبير للدردير: ۲/۱۶۲، الفتاوىٰ الهندية: ۲/۶۱، القوانين الفقهيه: ص ۱۶۸۔ ❻ اس حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ، حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔ "نافرمانی کی کوئی نذر نہیں اور نہ ایسی چیز کی نذر ہے جو انسان کی ملک میں نہ ہو۔" اور امام مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "اللہ کی نافرمانی کی کوئی نذر نہیں" (دیکھئے جامع الاصول: ۱۲/۱۸۸، نصب الرایۃ: ۳/۳۰۰، مجمع الزوائد: ۴/۱۸۷)

حنفیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ گناہ کی نذر ماننے والے پر قسم کا کفارہ واجب ہے نہ کہ گناہ کرنا۔

اس کی دلیل حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ والی حدیث اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ کی نافرمانی میں کوئی نذر نہیں اور اس کا کفارہ قسم والا کفارہ ہے'' ❶

مالکیہ اور شافعیہ اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا اور اسے کفارہ بھی نہیں دینا ہوگا۔

دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی تو وہ اطاعت کرے اور جس نے نافرمانی کی نذر مانی وہ نافرمانی نہ کرے۔

رہی حضرت عمران رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث تو اس بارے میں علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں ''محدثین نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اور فرمایا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کا دارومدار زہیر بن محمد عن ابیہ پر ہے۔ اس کا والد مجہول ہے۔ بیٹے کے علاوہ کسی نے اس سے روایت نہیں کی۔ اور زہیر کی بھی بعض روایتیں منکر ہیں۔ رہی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ والی حدیث ''نذر کا کفارہ قسم والا کفارہ ہے'' تو یہ نذر لجاج وغضب پر محمول ہے۔ ❷

۲۔ **نذر کا حکم ثابت ہونے کا وقت**...... یعنی وہ وقت جس میں نذر مانا ہوا کام واجب ہو جاتا ہے۔ وجوب کا وقت اس اعتبار سے بدلتا رہتا ہے کہ یہ نذر مطلق ہے یا کسی شرط پر معلق ہے یا کسی جگہ کے ساتھ مقید ہے یا مستقبل میں کسی وقت کی طرف منسوب ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ جس چیز کی نذر مانی گئی ہے وہ یا تو جسمانی عبادت ہوگی جیسے نماز روزہ، یا مالی عبادت ہوگی جیسے صدقہ۔ ❸

مطلق نذر...... اگر نذر مطلق ہو یعنی کسی شرط پر معلق نہ ہو، زمان ومکان کے ساتھ بھی مقید نہ ہو جیسے اللہ کے لیے مجھ پر ایک ماہ کے روزے یا حج یا صدقہ یا دو رکعت نماز وغیرہ لازم ہے۔ تو اس پر اسی وقت لازم ہو جائے گی۔ شرط اور زمان ومکان کی کوئی قید نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ وجوب کا سبب مطلق ہے اس لئے نذر بھی مطلقاً ثابت ہوگی۔ البتہ جلد ادائیگی مستحب ہوگی۔

شرط کے ساتھ معلق نذر...... اگر نذر شرط کے ساتھ معلق ہو جیسے اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دی یا اگر فلاں غائب آ گیا تو مجھ پر ایک مہینے کے روزے یا دو رکعتیں یا ایک لیرے کا صدقہ وغیرہ لازم ہے۔ اگر شرط پائی گئی تو نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا۔ اس لئے کہ شرط کے ساتھ معلق نذر منجز کی طرح ہے۔ اگر نذر والا کام شرط پائے جانے سے پہلے کر دیا تو وہ نفل ہوگا۔ اس لئے کہ شرط کے ساتھ معلق نذر شرط سے پہلے موجود نہیں ہوتی۔

---

❶ ...... سابقہ حدیث میں حضرت عمران رضی اللہ عنہ والی حدیث کی تخریج کر چکا ہوں۔ یہ ان الفاظ میں مروی ہے۔ ''نافرمانی کی کوئی نذر نہیں اور اس کا کفارہ نذر والا کفارہ ہے۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کو احمد رحمۃ اللہ علیہ، اصحاب السنن رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح ہے لیکن یہ معمول ہے منقطع ہونے کی وجہ سے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب السنن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے ''گناہ کی کوئی نذر نہیں اور اس کا کفارہ قسم والا ہے۔'' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے دلیل پکڑی ہے۔ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو علی ابن السکن نے اسے صحیح کہا ہے جب کہ جمہور محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں روایت کی ہے۔ جس نے گناہ کی نذر مانی اس کا کفارہ قسم والا ہے۔ اس کی اسناد حسن ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔ (دیکھئے جامع الاصول: ۱۲/۱۸۸، نیل الاوطار: ۸/۲۴۳، وما بعدھا، سبل السلام: ۴/۱۱۲) ❷ اس موضوع کو نذر مباح کے مراجع میں دیکھئے: رحمۃ الامۃ: ص۱۴۷ وما بعدھا، مغنی المحتاج: ص ۳۵۶ وما بعدھا، المغنی ص ۳، التحفۃ ص۵۰۲، فتح القدیر: ۴/۲۲، المحلی: ص۸ بدایۃ المجتہد: ۴۰۹ وما بعدھا، الدردیر: ص ۱۶۲، القوانین الفقہیہ: ص۱۶۸۔ ❸ دیکھئے البدائع: ۵/۹۳، فتح القدیر: ۴/۲۶، وما بعدھا، الدر المختار ۳/۷۵، ۷۷، القوانین الفقھیہ: ص ۱۶۸۔

جگہ کے ساتھ مقید نذر...... اگر نذر جگہ کے ساتھ مقید ہو مثلاً یوں کہے ''اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں فلاں جگہ نماز پڑھوں'' یا ''فلاں شہر کے لوگوں پر صدقہ کروں''۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس صورت میں اس جگہ کے علاوہ دوسری جگہ ادائیگی بھی درست ہے۔ اس لئے کہ نذر سے اللہ کا قرب حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کسی خاص جگہ کا ذاتی اعتبار سے کوئی دخل نہیں۔

اور اگر مسجد حرام میں دو رکعت نماز کی نذر مانی۔ پھر ادائیگی ایسی جگہ کی جو مرتبے میں اس سے کم ہے یا جس کا کوئی خصوصی مرتبہ نہیں ہے...... تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک نذر ادا ہو جائے گی۔ سب سے افضل جگہ مسجد حرام ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد پھر بیت المقدس کی مسجد پھر جامع مسجد پھر محلے کی مسجد پھر گھر۔ اس لئے کہ مقصود تو اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے اور وہ ہر جگہ مل جاتا ہے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں صورتوں میں اختلاف کیا ہے کسی خاص جگہ صدقہ کرنے کی صورت میں اور کسی خاص جگہ نماز پڑھنے کی صورت میں۔ ان کے نزدیک نذر کو اسی جگہ پورا کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ نذر ماننے والے نے خود پر ایک خاص جگہ ادائیگی کو واجب کیا ہے۔ اگر وہ کسی دوسری جگہ ادا کرے گا تو اسے اپنے واجب کا ادا کرنے والا نہیں کہا جائے گا۔ اور مسجد میں نماز کی صورت میں اس نے اپنے اوپر زائد عبادت کو لازم قرار دیا ہے۔ اس لئے اس کی ادائیگی بھی لازمی ہوگی۔

مالکیہ...... مالکیہ فرماتے ہیں ❶ اگر اس نے کسی خاص جگہ نماز یا اعتکاف کی نیت کی یا کسی مسجد کو نامزد کیا جیسے تینوں مسجدوں میں سے کسی ایک مسجد کو، تو وہاں ہی جانا ضروری ہوگا۔ کہیں اور نہیں۔

شافعیہ...... اگر ❷ کسی خاص شہر کے لوگوں پر صدقہ کرنے کی نذر مانی تو انہی پر صدقہ کرنا ضروری ہے اور اگر کسی خاص شہر میں روزہ رکھنے کی نیت کی تو روزہ لازم ہو جائے گا اس لئے کہ یہ عبادت ہے۔ لیکن روزے کی جگہ متعین نہیں ہوگی۔ وہ کسی دوسرے شہر میں بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔ اگر کسی خاص شہر میں روزہ رکھنے کی نیت کی تو وہ متعین نہیں ہوگا۔ دوسرے شہر میں بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ اس لئے کہ جگہ کے بدلنے سے نماز میں تبدیلی نہیں آتی۔ سوائے مسجد حرام یعنی حرم شریف، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے۔ اگر ان مسجدوں میں سے کسی میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو متعین ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ان کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کی طرف (باقاعدہ) سفر نہ کرو۔ مسجد حرام، میری مسجد اور مسجد اقصیٰ''۔ ❸

نذر کی وجہ سے صدقے کی جگہ کے متعین ہو جانے پر انہوں نے ایک نقلی دلیل سے بھی استدلال کیا ہے کہ وہ عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے فلاں جگہ ذبح کرنے کی نذر مانی ہے۔'' اس جگہ زمانہ جاہلیت کے لوگ ذبح کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''کسی مورتی کے لئے؟'' کہنے

---

❶...... الشرح الصغیر: ۲/ ۲۵۵، ۲۶۵، القوانین الفقهیه: ص ۱۷۰۔ ❷مغنی المحتاج: ۴/ ۳۶۷، المهذب: ۱/ ۲۴۳ ومابعدها

❸اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ (دیکھئے نیل الاوطار: ۸/ ۲۵۳، سبل السلام: ۴/ ۱۱۴)۔

لگی ”نہیں“۔فرمایا ”کسی بت کے لئے؟“ کہنے لگی ”نہیں“۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اپنی نذر پوری کرو!“ ❶

اسی طرح حنابلہ ❷ فرماتے ہیں کہ اگر تینوں مسجدوں میں سے کسی ایک مسجد میں اعتکاف کی نذر مانی تو انہی میں اعتکاف کرنا متعین ہو جائے گا۔

مستقبل کے کسی وقت کی طرف منسوب نذر......اگر نذر مستقبل کے کسی وقت کی طرف منسوب ہو مثلاً یوں کہے ”اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ رجب کے روزے رکھوں“ یا ”فلاں دن دو رکعتیں پڑھوں“ یا ”فلاں دن درہم صدقہ کروں۔“

تو صدقہ حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق نذر ماننے کے وقت ہی واجب ہو جائے گا۔یہاں کہ اس کو مقررہ وقت سے پہلے ادا کرنا بھی جائز ہوگا۔

روزے اور نماز کی صورت میں اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی نذر کے وقت ہی واجب ہو جائیں گے۔اس لئے کہ وقت واجب کو متعین کرنے کے لئے نہیں آتا بلکہ اندازے کے لئے آتا ہے۔ورنہ عبادت کے لئے تو سارے اوقات برابر ہیں۔اسی بناء پر نذر والے کام کو مقررہ وقت سے پہلے کرنا جائز ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقررہ وقت آنے پر نذر واجب ہوگی۔اس لئے کہ نذر ماننے والے نے خود پر ایک مخصوص وقت میں روزہ واجب کیا ہے۔لہٰذا اس وقت سے پہلے روزہ واجب نہیں ہوگا۔اس کے برعکس صدقہ مالی عبادت ہے۔اس کا تعلق وقت کے ساتھ نہیں بلکہ مال کے ساتھ ہے۔اس میں وقت کا ذکر کرنا لغو ہے۔بخلاف بدنی عبادت کے کسی نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بکری ذبح کرے۔اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اونٹ فدیے کے طور پر۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر کچھ لازم نہیں اس لئے کہ یہ گناہ کی نذر ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق اس پر قسم کا کفارہ آئے گا۔یہ قیاس ہے۔اس لئے کہ یہ گناہ کی نذر ہے یا نذر لجاج ہے۔دوسری روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہے۔اس کا کفارہ مینڈھا ذبح کر کے مسکینوں کو کھلانا ہے۔یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کے فدیے کے مطابق۔❸

جس نے اپنے آپ کو یا اجنبی آدمی کو ذبح کرنے کی نذر مانی تو اس بارے میں بھی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔

۳۔نذر کا حکم ثابت ہونے کی کیفیت......نذر یا تو مبہم وقت کی طرف منسوب ہوگی یا معین وقت کی طرف۔

مبہم وقت کی طرف منسوب نذر......اگر نذر کی نسبت مبہم وقت کی طرف ہو مثلاً یوں کہے ”اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں ایک مہینے کے روزے رکھوں“ اور نیت کچھ نہ ہو تو اس کا حکم وہی ہوگا جو واجب مطلق ❹ یعنی وقت کی قید سے آزاد واجب کا ہوتا ہے۔یہ بات

---

❶ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے۔یہ اس عورت والی حدیث کا تتمہ ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دف بجانے کی نذر مانی تھی۔اس کی تخریج ماقبل میں گزر چکی ہے۔اس معنی میں اور حدیثیں بھی ہیں۔ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نھایہ میں فرماتے ہیں۔وثن اور صنم میں فرق یہ ہے کہ ”وثن“ جثّے والا ہوتا ہے۔اس کو زمینی مادوں، لکڑی پتھر وغیرہ سے آدمی کی شکل میں بنایا جاتا ہے۔اور پھر اس کو نصب کر کے اس کی عبادت کی جاتی ہے۔اور ”صنم“ بغیر جثّے والی تصویر کو کہتے ہیں۔بعض ان دونوں میں فرق نہیں کرتے اور دونوں کو ان دونوں معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔کبھی کبھی ”وثن“ کا اطلاق تصویر کے علاوہ پر بھی ہوتا ہے۔جیسا کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے ”میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ”وثن“ کو اتار پھینکو (دیکھئے نصب الرایة: ۳/۳۰۰، نیل الاوطار: ۸/۲۴۹ وما بعدھا، سبل الاسلام ص ۳۰۹ وما بعدھا، جامع الاصول: ۱۲/۱۷۸، مجمع الزوائد: ۴/۱۹۱) ❷ کشاف القناع: ۲/۴۱۲۔ ❸ القوانین الفقھیہ: ۱۷۰، المغنی: ۸/۷۰۸ وما بعدھا ❹ الواجب المطلق عن الوقت: ایسا واجب جس کے کرنے کا شارع نے حتمی طور پر مطالبہ کیا ہو۔اور اس کی ادائیگی کے لئے وقت مقرر نہ کیا ہو جیسے قسم توڑنے والے پر واجب ہونے والا کفارہ۔اس واجب کی ادائیگی کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔قسم توڑنے والا چاہے تو قسم توڑنے کے فوراً بعد کفارہ دے دے اور چاہے تو بعد ازاں ادائیگی کرے۔(دیکھئے اصول الفقہ از مؤلف: ۱/۴۹)

معروف ہے کہ علماء اصول نے واجب کے وجوب کے وقت میں اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ فوراً واجب ہو جاتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک تراخی سے یعنی دیر سے واجب ہوتا ہے۔ عمر کے کسی بھی حصے میں وہ کام کیا جا سکتا ہے۔ عمر کے آخری حصے میں وجوب سمٹ جائے گا جب کہ غالب گمان کے مطابق صرف اتنی عمر بچ گئی ہو کہ اس میں وہ کام کیا جا سکتا ہو۔ نذر کو جلد پورا کرنا سنت ہے۔ یہی صحیح رائے ہے۔

یہی اصول اعتکاف کی نذر پر منطبق ہوگا جس کی نسبت مبہم وقت کی طرف ہو جیسے یوں کہے'' اللہ کے لئے مجھ پر ایک ماہ کا اعتکاف لازم ہے'' اور نیت کچھ نہ ہو۔ لیکن روزے اور اعتکاف میں ایک فرق بھی ہے۔ روزے میں نذر ماننے والے کو اختیار ہوگا کہ مسلسل روزے رکھے یا الگ الگ۔ جب کہ اعتکاف میں شافعیہ کے علاوہ جمہور کی نزدیک شب و روز میں تسلسل ضروری ہے۔ اس لئے کہ اعتکاف کی حقیقت۔ یعنی مستقل طور پر ٹھہرے رہنا۔ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس میں اتصال ہو۔ لہٰذا تسلسل ضروری ہے۔ روزے تسلسل پر مبنی نہیں ہوئے۔ اس لئے کہ دو دنوں کے درمیان رات کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اگر روزے کی نذر میں الگ الگ رکھنے یا مسلسل رکھنے کی قید لگا دی تو واجب ہو جائے گی۔

معین وقت کی طرف منسوب نذر......اگر نذر کی نسبت وقت معین کی طرف کر دی مثلاً یوں کہا'' اللہ کے لئے مجھ پر کل کا روزہ لازم ہے۔ تو کل ہی روزہ رکھنا واجب ہوگا۔ یہ وجوب کل کے دن میں ہی سمٹ جائے گا۔ اس میں بلا عذر تاخیر جائز نہیں ہوگی۔ اگر کہا'' اللہ کے لئے مجھ پر ماہ رجب کے روزے لازم ہیں۔ تو ایک مہینے کے روزے لازم ہوں گے۔ چاہے جب کے آنے سے پہلے رکھے یا رجب کے آتے ہی۔ البتہ رجب سے بلا عذر تاخیر جائز نہیں ہوگی۔ اگر اس نے ایک دن کے سوا پورے ماہ رجب کے روزے رکھ لئے تو دوسرے مہینے میں اس ایک دن کی قضاء کر لے۔ اور اگر پورے رجب میں روزے نہیں رکھے تو دوسرے مہینے میں قضا کرے۔ اس لئے کہ اس نے واجب کو اپنے وقت پر ادا نہیں کیا۔ یہ اس پر قرض بن گیا[1] اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق قرض کی ادائیگی ضروری ہے۔[2]

شافعیہ فرماتے ہیں اگر کسی نے ایک معین سال کے روزے رکھنے کی نذر مانی تو پورے سال کے روزے رکھے۔ البتہ عید اور ایام تشریق کے روزے نہ رکھے۔ اور رمضان کے روزے رمضان ہی کی طرف سے ادا کرے۔ ان روزوں کی قضاء بھی لازم نہیں۔ راجح قول کے مطابق عورت ایام حیض و نفاس کی قضا نہیں کرے گی۔ اگر کسی دن بغیر عذر کے روزہ نہ رکھا تو قضاء واجب ہوگی۔ اگر مسلسل روزے رکھنے کی شرط لگائی تو صحیح قول کے مطابق واجب ہو جائیں گے۔ اس صورت میں رمضان، عیدین اور تشریق کی قضاء کرے گا۔ اس لئے کہ اس نے پورے سال کے روزے خود پر لازم کئے اور رکھے نہیں۔ اسی طرح راجح قول کے مطابق عورت ایام حیض و نفاس کی قضاء کرے گی۔

جس نے نفل روزہ شروع کیا پھر اس کو مکمل کرنے کی نذر مان لی تو صحیح قول کے مطابق یہ لازم ہو جائے گا۔

اگر کہا'' اگر زید آ گیا تو اس کے آنے کے دن کی بدولت اگلے دن کا روزہ لازم ہے۔'' تو اس دن روزہ رکھنا لازم ہوگا۔

تیسری فصل......کفاروں کا بیان

کفارے کی اقسام......کفارے کی چار اقسام ہیں۔ کفارہ ظہار، قتل خطا کا کفارہ (شافعیہ کے نزدیک قتل عمد کو اسی پر قیاس کیا جائے گا)، رمضان کے روزے میں جان بوجھ کر ہمبستری کرنے کا کفارہ (حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جان بوجھ کر کھانے، پینے کو اسی پر قیاس کیا جائے

---

[1]......اس بحث کے لئے دیکھئے: البدائع: ۵/۹۴ وما بعدها، مغنی المحتاج. ۴/۳۵۹ وما بعدها. [2] اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ، ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ، دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ، ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے (نصب الرایۃ: ۴/۵۷)

گا۔ ❶ اور قسم کا کفارہ۔

کفارے کی پہلی تین قسموں میں واجب ہونے والی چیزیں ترتیب وار ہیں۔ (یعنی غلام کو آزاد کرنا اگر اس سے عاجز ہو تو مسلسل دو مہینے روزے رکھنا واجب ہوگا۔ اگر اس سے بھی عاجز ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ سوائے کفارہ قتل کے۔ اس میں کھانا کھلانے والی صورت شامل نہیں ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں یہ صورت مذکور نہیں۔) لیکن مالکیہ کے نزدیک رمضان کے روزے کو ہمبستری سے فاسد کرنے کے کفارے میں تینوں صورتوں میں اختیار ہے۔ اور کھانا کھلانا ان کے نزدیک سب سے افضل ہے۔ قسم کے کفارے کی صورتیں ترتیب وار بھی ہیں اور ان میں اختیار بھی ہے۔ (کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے دینا یا مؤمن غلام آزاد کرنا۔ اگر اس سے عاجز آ جائے تو تین دن روزے رکھنا) ❷ آخری کفارے کی تفصیل عنقریب اپنی جگہ پر بیان کروں گا۔

روزوں کی بحث میں، میں نے چار کفاروں کے احکام بیان کئے ہیں۔

رمضان کے روزے کو فاسد کرنے کا کفارہ۔

مسافر اور مریض کا کفارہ جب کہ وہ اسی سال روزے کی قضاء نہ کریں۔

بوڑھے آدمی کا کفارہ جو روزے سے عاجز ہو۔

حاملہ اور دودھ پلانے والی کا کفارہ جب کہ انہوں نے اپنے بچوں کے خوف سے افطار کر دیا ہو۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

حج کی بحث میں میں نے حج کے کفاروں کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ نذر کے بیان میں نذر لجاج کا کفارہ بھی بیان کر دیا ہے۔ جو کہ قسم والا کفارہ ہے۔ عنقریب ظہار اور قتل کی بحث میں ان کے کفاروں کا بھی ذکر کروں گا۔ حد قائم کرنا حنفیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک.....قتل کا کفارہ ہے۔ جیسا کہ حدود کی بحث میں واضح ہو جائے گا۔

قسم کا کفارہ

موضوع کا خاکہ.....اس کفارے میں درج ذیل امور زیر بحث آئیں گے۔ کفارہ قسم کی مشروعیت کے اصول اس کے واجب ہونے کا سبب، اس میں واجب ہونے والے حکم کی نوعیت اور اس میں واجب ہونے والی صورتیں۔

کفارے کی مشروعیت.....''کفارۃ'' کفر (ک کی زبر کے ساتھ) سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے چھپانا۔ یہ بھی قسم توڑنے کے گناہ کو چھپاتا ہے۔ لہٰذا قسم کفارے کا سبب ہے۔

کفارہ قسم کے اصول.....کفارہ قسم کے تین اصول ہیں۔ قرآن، سنت اور اجماع۔

قرآن مجید میں اللہ پاک کا فرمان ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ المائدۃ: ۵/۸۹

''اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری پکڑ نہیں کرے گا۔ لیکن جو قسمیں تم نے پختگی کے ساتھ کھائی ہوں ان پر تمہاری پکڑ کرے گا۔ چنانچہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلایا کرتے ہو یا ان کو کپڑے دو یا ایک غلام کو آزاد کرو۔ ہاں اگر کسی کے پاس (ان

❶.....دیکھئے اصول الفقہ الاسلامی از مؤلف مطبوعہ دار الفکر: ۱/ ۶۹۲ ۔ ۶۹۳ ۔ ❷ تحفۃ الطلاب للشیخ زکریا انصاری: ص ۱۰۳ وما بعدھا

چیزوں میں سے) کچھ نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم نے کوئی قسم کھالی ہو (اور اسے توڑ دیا ہو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں کھول کھول کر تمہارے سامنے واضح کرتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔" آسان ترجمہ قرآن

سنت…… حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "جب آپ قسم کھائیں اور پھر آپ کو اس کے علاوہ کسی اور صورت میں خیر نظر آئے تو خیر والا کام کرلو اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو۔" [1]

اجماع…… اللہ کی قسم میں کفارے کی مشروعیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ [2]

وجوب کا سبب…… کفارہ قسم ٹوٹنے سے واجب ہوتا ہے چاہے وہ قسم اطاعت کی ہو، نافرمانی کی ہو یا مباح کی۔ قسم سے پہلے کفارہ بالاتفاق جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ سبب کو حکم پر مقدم کرنا ہے۔ یہ جائز نہیں ہوگا جیسے نصاب کا مالک ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا۔

قسم ٹوٹنے سے پہلے کفارے کی ادائیگی…… کفارہ قسم ٹوٹنے سے پہلے افضل ہے یا بعد میں؟

حنابلہ کے نزدیک قسم ٹوٹنے سے پہلے اور بعد دونوں صورتوں میں فضیلت برابر ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ کفارہ، قسم ٹوٹنے کے بعد افضل ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں اختلاف ختم ہوجاتا ہے اور بری الذمہ ہونا یقینی ہوجاتا ہے۔ لہٰذا روزے کا مالی کفارہ پہلے ادا کرنا جائز ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم ٹوٹنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا مطلقاً جائز نہیں۔ یہ اس وقت درست ہوگا جب قسم ٹوٹنے کے بعد نکالا جائے۔ [3] یہ سب سے بہتر رائے ہے اس لئے کہ عام طور پر مسبب سبب کے بعد ہوتا ہے۔

کفارے میں واجب ہونے والے حکم کی نوعیت…… کفارہ "واجب مطلق" ہے یعنی اس کی ادائیگی کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ لہٰذا اس کو قسم ٹوٹنے کے فوراً بعد بھی ادا کرنا درست ہے اور بعد از اں زندگی کے کسی حصے میں بھی۔

کفارے میں جو چیزیں واجب ہوتی ہیں ان میں مالداری کی حالت میں اختیار ہے۔ یعنی امیر آدمی کو تین امور میں سے کسی ایک کا اختیار ہے۔ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا یا غلام آزاد کرنا۔ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے جو کہ ماقبل میں مذکور صریح آیت پر مبنی ہے:

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ المائدۃ ۸۹/۵

چنانچہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلایا کرتے ہو۔ یا ان کو کپڑے دو یا ایک غلام کو آزاد کرو۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان صورتوں میں سے بعض کا بعض پر "او" (یا) کے ذریعے سے عطف کیا ہے اور یہ اختیار دینے کے لئے آتا ہے۔ [4]

جب انسان مذکورہ تینوں صورتوں میں سے ہر ایک سے عاجز آجائے تو اس پر تین دن کے روزے لازم ہوجائیں گے۔ مذکورہ آیت کی وجہ سے:

---

[1] …… یہ حدیث ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان میں سے بعض نے اور بعض دوسروں نے ان کے علاوہ سے بھی روایت کی ہے۔ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ (دیکھئے جامع الاصول لا بن الاثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ: ۱۲/۳۰۰)

[2] المغنی: ۸/۷۳۳، فتح القدیر: ۴/۱۸، المبسوط: ۸/۱۴۷۔ [3] المغنی: سابقہ حوالہ ص ۷۱۲۔ ۷۱۴، بدایۃ المجتھد: ۱/۴۰۶، المیزان للشعرانی: ۲/۱۳۰، مغنی المحتاج: ۴/۳۲ وما بعدھا، الدرالمختار: ۳/۶۷، المھذب: ۲/۱۴۱، شرح تحفۃ الطلاب للشیخ زکریا الانصاری رحمۃ اللہ علیہ: ۲/۴۸۱، المبسوط للسرخسی: ۸/۱۴۷، فتح القدیر: ۴/۲۰، القوانین الفقھیۃ: ۱۶۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ المائدہ:۵/۸۹

''یاں اگر کسی کے پاس (ان چیزوں میں سے) کچھ نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے۔'' اور عاجز ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ کفارے میں خرچ ہونے والے مال پر قادر نہ ہو۔ جیسے وہ شخص جس کے پاس اپنے شب وروز کے لئے اور اپنے زیر کفالت افراد کے شب وروز کے لئے نفقے کا انتظام ہو۔ اس سے زائد کچھ نہ ہو۔ ❶

عاجز ہونے میں کفارہ ادا کرنے کے وقت کا اعتبار ہوگا۔ یہ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کا مسلک ہے۔ لہٰذا اگر قسم ٹوٹ گئی اور قسم ٹوٹنے کے وقت وہ مالدار تھا پھر غریب ہوگیا تو روزہ رکھنا جائز ہوگا۔

اس لئے کہ کفارہ ایسی عبادت ہے جس کا بدل موجود ہے۔ لہٰذا اس میں اداء کے وقت کا اعتبار ہوگا۔ نہ کہ وجوب کے وقت کا جیسا کہ نماز میں ہوتا ہے۔ کہ اگر تندرستی کی حالت میں نماز فوت ہوجائے اور مرض کی حالت میں بیٹھ کر یا اشارے سے نماز قضاء کرلی جائے تو یہ جائز ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک روزوں سے فارغ ہونے تک عجز کا جاری رہنا شرط ہے۔ اگر روزے شروع کئے پھر کھانا کھلانے، کپڑے پہنانے یا آزاد کرنے پر قادر ہوگیا۔ اگرچہ تیسرا روزہ ختم ہونے سے ایک گھڑی پہلے قادر ہوا ہو تو روزہ جائز نہیں ہوگا اور مالی کفارہ دینا ہوگا۔ ❷

اسی طرح مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس وقت کے عجز کا اعتبار ہوگا جب کفارہ ادا کرنے کا ارادہ ہو۔ لیکن اگر روزے شروع کردیئے اس کے بعد مال پر قادر ہوگیا تو ان کے نزدیک روزے سے مالی کفارے کی طرف رجوع کرنا ضروری نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ روزہ دوسروں کا بدل ہے۔ تو مبدل منہ پر قدرت رکھنے سے باطل نہیں ہوگا۔ اگر کفارہ مالدار پر واجب ہوا پھر وہ تنگ درست ہوگیا تو ان کے نزدیک روزہ درست نہیں ہوگا۔ ❸ ان دونوں مسئلوں میں حنفیہ کا مسلک ان کے برعکس ہے۔

حنابلہ کے نزدیک وجوب کے وقت کا اعتبار ہوگا۔ یعنی قسم ٹوٹنے کی حالت کا۔ ❹

کفارہ قسم کی صورتیں...... یہ بات تو معلوم ہوچکی کہ کفارہ قسم یا تو کھانا کھلانا ہے یا کپڑے پہنانا یا آزاد کرنا۔ اگر ان تینوں سے عاجز ہو تو تین دن کے روزے رکھے۔ اب ہر حالت میں واجب کیا ہوگا؟

۱۔ کھانا کھلانے کی مقدار کیا ہے اور اس کا مقصود کیا ہے؟...... حنفیہ فرماتے ہیں کہ کھانا کھلانے سے مقصود صرف اباحت ہے نہ کہ تملیک۔ اس لئے کہ نص قرآنی میں لفظ ''اطعام'' (کھانا کھلانا) آیا ہے:

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ المائدۃ:۵/۸۹

''اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤ''

لغت میں اس کے معروف معنی ہیں ''التمكين من المطعم اى (الآكل)''۔ یعنی کھانے پر قادر کرنا نہ کہ مالک بنانا۔ اس لحاظ سے اشارۃ النص ان کے قول کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ المائدۃ:۵/۸۹

''دس مسکینوں کو کھانا کھلانا''۔

---

❶......المبسوط: ۸/۱۲۷، الفتاویٰ الهندية: ۲/۱۵۷، المغنى: ۸/۷۳۴، بداية المجتهد: ۱/۴۰۳، البدائع: ۵/۹۷، مغنى المحتاج: ۴/۳۲۷۔ ❷مغنى المحتاج: ۴/۳۲۸، المغنى: ۸/۷۵۲، الفتاوى الهندية: ۲/۵۷، نهاية المحتاج للرملى: ۸/۴۰ المهذب: ۲/۱۴۱، الشرح الكبير: ۲/۱۳۳۔ ❸ البدائع: ۳/۹۷، الدر المختار: ۳/۶۷، تبيين الحقائق: ۳/۱۱۳۔ ❹ الشرح الكبير للدردير: ۲/۱۳۳، حاشية قليوبى وعميرة على شرح المنهاج للمحلى ۴/۲۷۵ المغنى: ۸/۷۵۵، ۷۶۲ وما بعدها۔

مساکین، مسکین کی جمع ہے۔ یہ المسکنۃ سے ہے، جس کا معنی ہے حاجت۔ مسکین کھانا کھانے کا محتاج ہوتا ہے نہ کہ مالک بننے کا۔ ''اطعام'' کی مساکین کی طرف اضافت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ''اطعام'' وہ فعل ہے جس سے مسکین کھانے پر قادر ہوتا ہے۔ مالک نہیں بنتا۔ اس کے برعکس زکوٰۃ، صدقہ فطر اور خودسیراب ہونے والی کھیتی میں واجب عشر...... میں تملیک یعنی مالک بنانا ضروری ہے۔ اس لئے کہ ان کے بارے میں قرآن مجید میں ''ایتاء'' (دینا) کا لفظ آیا ہے نہ کہ ''اطعام'' کا۔ ❶

جمہور فرماتے ہیں کہ دوسرے مالی واجبات کی طرح کفارے میں بھی فقراء کو کھانے کا مالک بنانا ضروری ہے۔ اس لئے کہ مالی واجبات میں مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ تاکہ ان کی ادائیگی کی جاسکے۔ اور جو کھانا دوسروں کے لئے مباح کر دیا جائے اس کی مقدار معلوم نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ ہر مسکین چھوٹا یا بڑا ہونے میں اور بھوکا یا سیر ہونے میں دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ❷

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک کھانا کھلانے میں مالک بنانا شرط نہیں ہے بلکہ قادر کرنا شرط ہے۔ لہٰذا مسکینوں کو ایک دن صبح شام کے کھانے کی دعوت کافی ہے۔ جب وہ آ کر صبح شام کا کھانا کھالیں تو یہ جائز ہے۔ حنفیہ کے علاوہ دوسرے حضرات کے نزدیک عملاً مالک بنانا ضروری ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ کفارے میں دی جانے والی چیز عیب دار نہ ہو۔ دانے کو کیڑا نہ لگا ہو، اس کا ذائقہ تبدیل نہ ہو۔ اس میں گھاس یا مٹی نہ ہو جس کی صفائی کی ضرورت ہو۔ اس کا آٹا اور روٹی بھی ایسی ہی ہو۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو اس کے ذمہ واجب ہے۔ لہٰذا ان کا عیب دار ہونا درست نہیں۔ جیسے زکوٰۃ کی بکری کا عیب دار ہونا درست نہیں۔

کھانا کھلانے کی مقدار...... اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

یہ اختلاف آیت کریمہ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ (المائدۃ: ۵/ ۸۹) کی تفسیر میں اختلاف پر مبنی ہے۔ جو ایک وقت کا کھانا مراد لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایک مد سیر ہونے میں متوسط ہے۔ اور جو ایک دن کا کھانا مراد لیتے ہیں یعنی دو وقت کا کھانا صبح شام۔ وہ کہتے ہیں کہ نصف صاع یعنی دو مد واجب ہیں۔ ❸

اس بناء پر جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ ہر مسکین کو ایک مد گندم دی جائے گی۔ جیسا کہ صدقہ فطر میں ہوتا ہے۔ البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مد اہل مدینہ کے ساتھ...... ان کی معاشی تنگی کی وجہ سے خاص ہے۔ باقی شہروں والے اپنا درمیانی درجے کا نفقہ ادا کریں گے۔ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر شہر میں مد کی ادائیگی کی جاسکتی ہے۔ ❹

شافعیہ کے نزدیک قسم توڑنے والے کے شہر میں جس اناج کا زیادہ رواج ہے۔ اس کا ایک مد بھی دے سکتے ہیں۔ افضل بالاتفاق یہی ہے کہ اناج دیا جائے۔ اس لئے کہ اس صورت میں اختلاف سے نکل جائے گا۔ جمہور کے نزدیک کھانے اور کپڑوں کی قیمت دینا درست نہیں۔ تاکہ آیت پر عمل ہو جائے۔

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ المائدۃ: ۵/ ۸۹

---

❶ المبسوط: ۸/ ۱۵۱، البدائع: ۵/ ۱۰۰، الدر المختار ورد المحتار: ۳/ ۶۷، الفتاوىٰ الهندیه: ۲/ ۵۸۔ ❷ الشرح الکبیر للدر دیر: ۲/ ۱۳۲، حاشیة قلیوبی وعمریة علی شرح المنهاج للمحلی: ۴/ ۲۷۴، المغنی: ۸/ ۷۳۴، ۷۳۶، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۱۔

❸ صاع چار مد کی ہوتی ہے، اور مد (۳/ ۱ـ۱) عراقی رطل کا ہوتا ہے، عراقی رطل (۱۳۰) درہم کا ہوتا ہے اور درہم ۲۹۷۵ گرام کا ہوتا ہے۔ گویا ایک مد ۶۷۵ گرام کے برابر ہوا۔ اور صاع ۲۷۵۱ گرام کے برابر۔ ❹ بدایة المجتهد ۱/ ۴۰۴، مغنی المحتاج: ۴/ ۳۲۷، المغنی: ۸/ ۷۳۶، القوانین الفقهیه: ص ۱۶۵۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ کھلانے کی مقدار یہ ہے۔نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جو یا گندم کا آٹا یا جو کا آٹا یا ان چیزوں کی قیمت جو نقدی شکل میں ہو یا سامان تجارت کی شکل میں۔ جیسا کہ صدقہ فطر میں مقرر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔ تابعین کی ایک جماعت......سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حسن رحمۃ اللہ علیہ......بھی اسی کی قائل ہے۔

اباحت والے کھانے کی مقدار حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے۔ صبح شام اسی طرح صبح اور سحری، شام اور سحری یا دوپہر کا کھانا دو دفعہ وغیرہ۔ اس لئے کہ یہ دونوں مقصودی کھانے ہیں۔

اسی طرح کھانے میں روٹی سالن کے ساتھ بھی دی جا سکتی ہے اور بغیر سالن کے بھی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں سالن والے کھانے اور بغیر سالن والے کی تفصیل بیان نہیں فرمائی:

فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِينَ ......المائدۃ: ۵/ ۸۹

اسی طرح اگر جو کی روٹی یا کھجوریں کھائیں تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی گھریلو کھانوں میں اکیلے کھائے جاتے ہیں۔

اگر ایک مسکین کو صبح شام دس دن تک کھانا کھلایا جائے یا ایک مسکین کو دس دن تک روزانہ نصف صاع دیتا رہا تو حنفیہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ مقصود دس مسکینوں کی حاجت پوری کرنا ہے۔ اور یہ بات پائی گئی۔

شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ کھانا دس مسکینوں میں باقاعدہ تقسیم کرنا بالاتفاق ضروری ہے۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ اگر دس فقیر موجود ہوں تو ایک فقیر کو دس دن تک دینا درست نہیں ہوگا۔ اور اگر فقیر ایک ہی ہو یا مثلاً پانچ ہوں تو یہ ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ دس مسکینوں کو بالفعل کھانا کھلانا ضروری ہے۔ اختلاف صرف اس صورت میں ہے کہ ایک ہی مسکین کو دس دن تک کھانا کھلایا جائے۔ حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور باقیوں کے نزدیک جائز نہیں۔

اگر دس مسکینوں کو ایک دن صبح کا کھانا کھلایا۔ پھر ان میں سے ہر ایک کو ایک مد گندم دے دی تو یہ جائز ہے۔ اس لئے کہ اس نے تملیک اور اباحت کو یعنی مالک بنانے اور قادر کرنے کو جمع کر دیا۔ اس لئے کہ ہر بار ایک مد کھانے کی مقدار واجب ہے۔ اسی طرح اگر ایک ہی آدمی کو بیس دن تک صبح کا کھانا کھلایا یا ایک ہی آدمی کو رمضان میں بیس دن تک شام کا کھانا کھلایا تو یہ بھی جائز ہے اس لئے کہ مقصود حاصل ہو گیا۔

لیکن اگر ایک ہی مسکین کو، ایک ہی دن میں، ایک ساتھ دس آدمیوں کا کھانا دے دیا تو جائز نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دس مسکینوں کی بھوک کا سدباب کرنے کا حکم دیا ہے۔ چاہے ایک مرتبہ ہو یا کئی دنوں میں تقسیم کر کے۔ یہ چیز یہاں حاصل نہیں ہوئی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذمی فقیروں کو کفارہ اور نذر دینا جائز قرار دیا ہے۔ لیکن زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ اس لئے کہ آیت کریمہ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِينَ (المائدۃ: ۵/ ۸۹) عام ہے اس میں مومن اور کافر کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اور زکوٰۃ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے مستثنیٰ ہوئی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے فرمایا تھا۔ ''آپ ان کے مالداروں سے زکوٰۃ لیں اور فقیروں کو لوٹا دیں۔'' ❶

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذمیوں کو اسلامی مال نہیں دیا جا سکتا سوائے نذر، نفلی صدقات اور حج کے دم تمتع کے۔ اس لئے کہ کفارہ ایسا صدقہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے۔ اس لئے اس کو کافر کی طرف لوٹانا جائز نہیں جیسا کہ زکوٰۃ میں ہوتا ہے۔ اس کے

❶ ......اس حدیث کو محدثین کی ایک جماعت جن میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور صحاح ستہ کے مؤلفین رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا۔ اسی طرح حدیث میں ہے ''آپ ان کو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور فقیروں کو لوٹا دی جائے گی۔'' (دیکھئے نیل الاوطار: ۴/ ۱۱۴، نصب الرایۃ: ۲/ ۳۲۷)

برعکس نذر انسان کے واجب کرنے سے واجب ہوتی ہے اور نفلی صدقہ تو واجب ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح حج کے دم تمتع کے گوشت کو صدقہ کرنا واجب نہیں ہوتا اس لئے کہ اللہ کا قرب تو جانور کا خون بہانے سے حاصل ہو چکا۔ ❶

کھانا کس کو دیا جائے؟...... کھانا ایسے لوگوں کو کھلایا جائے گا جن میں پانچ صفات پائی جائیں۔

۱......وہ مسکین ہوں۔ لہٰذا ان کے علاوہ دوسروں کو نہیں دیا جائے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسکینوں کو کھلانے کا حکم دیا ہے۔ اور انہی کو خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

۲......وہ آزاد ہوں۔ لہٰذا غلام اور مکاتب کو نہیں دیا جا سکتا۔

۳......وہ مسلمان ہوں۔ جمہور کے نزدیک کافر کو دینا جائز نہیں۔ چاہے ذمی کافر ہو یا حربی۔ حنفیہ کے نزدیک ذمی کو دینا جائز ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی مساکین میں داخل ہیں۔ تو آیت کے عموم میں شامل ہوں گے۔

۴......حنابلہ اور مالکیہ کی رائے کے مطابق ان کے لئے ضروری ہے کہ کھانا کھاتے ہوں۔ لہٰذا ایسے بچے کو کھانا نہیں دے سکتے جو کھانا نہیں کھاتا۔ حنفیہ اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ کھانا نہ کھانے والے چھوٹے بچے کو بھی دے سکتے ہیں۔ اس کی طرف سے اس کا ولی قبضہ کرے گا۔ جن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے انہی کو کفارہ دینا بھی جائز ہے بالاتفاق۔ اور جن لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی جیسے مالدار، کافر اور غلام، ان کو کفارہ بھی نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ حنفیہ نے ذمی کو کفارہ دینا جائز رکھا ہے۔

۵......دس مسکینوں پر بالفعل کھانا تقسیم کیا جائے۔ اگر ایک نے دس کا کھانا کھا لیا تو یہ بالاتفاق کافی نہیں ہوگا۔ اور اگر ایک آدمی دس دن کھانا کھائے تو اس میں اختلاف ہے جس کا بیان گزر چکا ہے۔

۲......لباس، اس کی کیفیت اور مقدار

لباس کی کیفیت...... یہ بطور تملیک ہی دیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ حنفیہ کے نزدیک بھی مالک بنانا ضروری ہے۔ اس لئے کہ لباس گرمی اور سردی سے بچاؤ کے لئے ہوتا ہے۔ یہ ضرورت مالک بنانے سے ہی پوری ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس کھانا کھلانے سے بھوک مٹانا مقصود ہوتا ہے۔ یہ صرف کھانا کھانے سے پورا ہو جاتا ہے۔ مساکین کے لئے کپڑے پہنانا، کھانا کھلانے کی طرح ہوگا۔

لباس کی مقدار......لباس کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہے۔ ❷

حنفیہ فرماتے ہیں لباس کی کم سے کم مقدار وہ ہے جس سے بدن کا اکثر حصہ چھپ جائے۔

حنابلہ کے نزدیک لباس اتنا ہو جس میں نماز جائز ہو جائے۔ اگر وہ مرد ہو تو اس کو ایسا کپڑا پہنائے جس میں نماز درست ہو جاتی ہے اور اگر وہ عورت ہو تو اس کو قمیص اور اوڑھنی دے۔ اس لئے کہ لباس کفارے کی صورتوں میں سے ایک ہے۔ لہٰذا اس میں وہ کم سے کم مقدار جائز نہیں ہوگی جس پر لباس کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ کھانا کھلانے اور آزاد کرنے میں ہوتا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ لباس پہننے والے کا اگر ستر چھپا ہوا نہ ہو تو اسے برہنہ کہا جاتا ہے کپڑے پہننے والا نہیں کہا جاتا۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ مرد کے لئے کم سے کم مقدار ایسا کپڑا ہے جو پورے جسم کو چھپا لے اور عورت کے لئے اتنا کپڑا ہونا چاہئے جس میں نماز جائز ہو یعنی ایک کپڑا اور ایک اوڑھنی۔

---

❶......دیکھئے المبسوط: ۱۴۹/۸ ومابعدها، البدائع: ۱۰۱/۵۔۱۰۵، فتح القدير: ۱۸/۴، الدر المختار: ۶۶/۳، الفتاویٰ الهندية: ۵۸/۲۔ ❷ بداية المجتهد: ۴۰۵/۱، الشرح الكبير: ۱۳۲/۲، المغنی: ۷۴۲/۸، القوانين الفقهيه: ص ۱۶۵۔

شافعیہ..... شافعیہ فرماتے ہیں کہ وہ کم سے کم مقدار جس پر کپڑے کا اطلاق کیا جاسکے وہ بھی جائز ہے۔ جیسے تہبند، چادر، جبہ قمیص وغیرہ۔ اس لئے کہ ان سب پر لباس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے لباس کی کوئی مقدار نہیں بتائی لہٰذا اتنی مقدار بھی کافی ہے جس کے زیب تن کرنے والے کو پہننے والا کہا جائے۔

ٹوپی، (1) موزے، جوتے، دستانے اور کمر بند (2) بالاتفاق کافی نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ان چیزوں کو زیب تن کرنے والے کو لباس پہننے والا نہیں کہا جاتا بلکہ ان چیزوں کو عرف میں لباس نہیں سمجھا جاتا۔ (3)

حنفیہ کے صحیح قول کے مطابق شلوار اور عمامہ کافی نہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک لباس کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ بدن کا اکثر حصہ چھپ جائے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ان چیزوں کو پہننے والے کو عرف عام میں پہننے والا نہیں کہتے بلکہ برہنہ کہتے ہیں۔ ہاں اگر عمامے کو کپڑا بنانا ممکن ہو تو یہ جائز ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر عمامے اور شلوار کی قیمت، کھانے کی مقررہ قیمت تک پہنچ جائے تو یہ بھی جائز ہوں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بغیر نیت کے کھانے کے قائم مقام ہو جائیں گے۔ بشرطیکہ کفارے کی نیت کی ہو۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نیت کرنا ضروری ہے۔

شافعیہ کے نزدیک شلوار اور عمامہ بھی لباس کے طور پر دیئے جاسکتے ہیں اس لئے کہ ان پر بھی لباس کا اطلاق ہوتا ہے۔ مالکیہ کے نزدیک وہ تھوڑی مقدار جس پر قمیص یا تہبند یا شلوار یا عمامے کا اطلاق کیا جاتا ہے وہ بھی کافی ہے۔

غلام آزاد کرنا..... کفارہ قسم اور دوسرے کفارات میں غلام آزاد کرنے سے متعلق بحث محض تاریخی ہے۔ اس لئے کہ آج کل غلاموں کا کوئی وجود نہیں۔ اسی وجہ کفارے کی یہ صورت ساقط ہوگئی ہے اور اختیار اب صرف دو صورتوں میں رہ گیا ہے۔ کھانا کھلانے اور کپڑے پہنانے میں۔ یہاں میں صرف اس غلام کے تذکرے پر اکتفا کروں گا جس کو کفارے میں آزاد کرنا جائز ہے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ غلام کے لئے آزاد کرنے والے کا کامل مملوک ہونا شرط ہے۔ اسی طرح غلامی اور رقیت کا کامل ہونا اور ایسے عیب سے پاک ہونا جس سے منفعت کی پوری جنس ہی زائل ہو جائے تب بھی ضروری ہے۔ غلام چھوٹا بڑا، مذکر مونث، مسلمان کافر ہر طرح کا ہوسکتا ہے۔ کفارے میں دوسرے کے غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح مشترک غلام، مدبر اور ام ولد کو آزاد کرنا بھی جائز نہیں۔ ہاں مکاتب کو آزاد کرنا استحساناً جائز ہے۔ ایسے غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں یا دونوں ٹانگیں کٹی ہوئی ہوں یا ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ ایک ہی طرف سے کٹے ہوئے ہوں یا ایک پہلو فالج سے خشک ہوگیا ہو یا اپاہج ہو یا چلنے پھرنے سے معذور ہو یا دونوں ہاتھ شل ہوں یا دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں یا ہر ہاتھ کی انگوٹھوں کے علاوہ تین انگلیاں کٹی ہوئی ہوں یا اندھا ہو یا دونوں آنکھیں نہ ہوں یا ایسا پاگل ہو جس پر پاگل پن غالب ہو یا گونگا ہو۔ اس لئے کہ ان صورتوں میں منفعت کی جنس زائل ہو جاتی ہے۔ جیسے ہاتھوں سے پکڑنے کی منفعت، پاؤں سے چلنے کی منفعت، آنکھوں سے دیکھنے کی منفعت، بات چیت، عقل۔ (4)

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے غلام کے مومن ہونے کی شرط لگائی ہے جیسا کہ رمضان کا روزہ توڑنے اور ظہار کے کفارے میں مومن ہونے کی شرط ہے۔

---

(1)..... القلنسوۃ (قاف اور لام پر زبر) جس سے سر ڈھانپا جائے اور اسی طرح وہ چیزیں جن کو لباس نہیں کہا جاتا ہے لوہے کی زرہ۔ (2) المِنطقة: (میم کے کسرے کے ساتھ) کمربند۔ (3) المبسوط: ۱۵۳/۸، البدائع: ۱۰۵/۵، فتح القدیر: ۱۹/۴، المھذب: ۱۴۱/۲، مغني المحتاج: ۳۲۷/۴، الفتاویٰ الھندیة: ۵۷/۲، القوانین الفقھیة: ص ۱۶۵۔ (4) المبسوط: ۱۴۴/۸، البدائع: ۱۰۷/۵ وما بعد، فتح القدیر: ۱۸/۴، الدر المختار: ۶۶/۳، القوانین الفقھیہ: ص ۱۶۶۔

حنفیہ اور جمہور میں مذکورہ اختلاف ایک اصولی اختلاف پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہ جن امور کے احکام متفق اور اسباب مختلف ہیں ان میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یا نہیں؟؟ جیسے قسم کا کفارہ اور قتل خطا کا کفارہ۔ کہ قسم کے کفارے میں قرآن مجید کی آیت مطلق ہے۔ اس میں ایمان کی قید نہیں ہے۔ آیت یہ ہے:

"اَوۡ تَحۡرِیۡرُ رَقَبَةٍ"......یا غلام کا آزاد کرنا المائدۃ: ۵: ۸۹

اور قتل خطا کے کفارے میں قرانی نص ایمان کی شرط سے مقید وارد ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے:

وَ مَنۡ قَتَلَ مُؤۡمِنًا خَطَـًٔا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ النساء: ۴/ ۹۲

اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر بیٹھے تو اس پر فرض ہے کہ وہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے۔

جمہور کہتے ہیں کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا لہٰذا قتل خطاء کے کفارے میں جو ایمان کی شرط ہے اسی پر حمل کرتے ہوئے کفارہ قسم میں بھی ایمان کی شرط لگائی جائے گی۔ اس لئے کہ گناہ کے چھپانے میں یہ دونوں مشترک ہیں۔ یہ ایسے ہی ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کے مطلق فرمان:

وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِّجَالِكُمۡ البقرۃ: ۲/ ۲۸۲

اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو۔

کو مقید فرمان:

وَّ اَشۡهِدُوۡا ذَوَىۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ ......الطلاق: ۶۵/ ۲

"اور اپنے میں سے دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنالو جو عدل والے ہیں"۔

پر محمول کیا گیا ہے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ ضروری ہوگا کہ قسم کے کفارے میں لفظ کے موجب کو اپنے اطلاق پر باقی رکھا جائے اور ہر آیت پر علیحدہ طور پر عمل کیا جائے۔ اس لئے کہ کفارہ قتل میں ایمان کی شرط خلاف قیاس ہے لہٰذا اپنے مورد پر بند رہے گی۔ ❶

۴۔ روزہ۔ مقدار اور شرط......فقہاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ قسم توڑنے والے کے پاس اگر نہ کھانا ہو، نہ کپڑے ہوں اور نہ غلام آزاد کرسکتا ہو تو اس پر تین دن کے روزے رکھنا واجب ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ......المائدۃ: ۵/ ۸۹

"ہاں اگر کسی کے پاس ان چیزوں میں سے کچھ نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے۔"

اس میں اختلاف ہے کہ تین روزوں کو مسلسل رکھنا شرط ہے یا نہیں؟ مالکیہ اور شافعیہ کے راجح قول کے مطابق یہ شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید کی آیت مطلق ہے: فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ (المائدۃ: ۸۹/) "تو تین دن روزے رکھے۔ اس میں تسلسل کی شرط موجود نہیں۔ اس آیت نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت شاذہ کو تلاوت اور حکم دونوں اعتبار سے منسوخ کر دیا ہے۔ ❷

حنفیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ تتابع شرط ہے۔ ❸ دلیل حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت ہے۔

---

❶ بدایة المجتهد: ۱/ ۴۰۶، البدائع: ۵/ ۱۱۰، مغنی المحتاج: ۴/ ۲۲۷ وما بعد، المغنی: ۸/ ۷۴۳، القوانین الفقهیه: ص ۱۶۵۔

❷ بدایة المجتهد، سابقه حواله ۴۰۵، مغنی المحتاج: سابقه حواله، حاشية قلیوبی وعمیرة: ۴/ ۲۷۵، المهذب: ۲/ ۱۴۱۔ ❸ حنفیہ فرماتے ہیں کہ چار طرح کے روزے نص کی وجہ سے مسلسل رکھنے ہیں۔ اداء رمضان، کفارہ ظہار، کفارۂ قتل اور کفارۂ قسم۔ اور جن روزوں میں مسلسل رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے وہ یہ ہیں: رمضان کی قضاء، محرم کے سر میں تکلیف کی وجہ سے کئے گئے حلق کا فدیہ، حج تمتع، حج قران، شکار کی جزاء۔ تین روزوں کا قرآن میں ذکر نہیں۔ یہ احادیث سے ثابت ہوتے ہیں۔ (۱) جان بوجھ کر روزہ توڑنے کے کفارے میں رکھے جانے والے روزے۔ یہ مسلسل رکھنے ہیں۔ (۲) نفل میں اختیار ہے۔ (۳) اگر مسلسل روزے رکھنے کی نذر مانی ہو چاہے متعین ہوں یا غیر متعین۔ اعتکاف کی نذر سے لازم ہونے والے روزے بھی ایسی میں شامل ہیں۔ یہ مسلسل رکھنے ہیں اگرچہ اس نے کہا نہ ہو الا یہ کہ نذر ہی میں مسلسل نہ رکھنے کی تصریح کر دی ہو۔ (نور الایضاح: ص ۱۱۶، العنایة بهامش فتح القدیر ۲/ ۸۱)

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ

(قولہ) ''تو تین دن مسلسل روزے رکھے'' ❶ یہ ❷ اگر قرآن ہے تو حجت ہے اور اگر یہ قرآن نہیں تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔اسی طرح یہ خبر واحد ہوئی اور خبر واحد حجت ہے۔خبر واحد سے کتاب اللہ پر فی الجملہ زیادتی جائز ہے۔

اگر کفارہ ادا کرنے والے نے مرض، سفر یا حیض کے عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے افطار کر لیا تو تسلسل کی شرط کی بناء پر حنفیہ کے نزدیک روزے دوبارہ نئے سرے سے شروع کئے جائیں گے۔اسی طرح اگر عید یا ایام تشریق میں افطار کیا اور تسلسل ٹوٹ گیا تو بھی نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔اس لئے کہ ان دنوں کے روزے ذمہ داری ساقط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔اس کے برعکس رمضان کے روزے میں ہمبستری کرنے کے کفارے میں جو مسلسل دو مہینے روزے رکھے جاتے ہیں۔حیض اور مرض کی وجہ سے ان کا تسلسل نہیں ٹوٹتا۔اس لئے کہ عموماً دو مہینے ان سے خالی نہیں ہوئے۔

حنابلہ کے نزدیک حیض اور بیماری سے قسم کے کفارے اور رمضان کی بے حرمتی کے کفارے کا تسلسل نہیں ٹوٹتا۔❸

ساتواں باب......ممنوع اور مباح امور

کھانے، پینے اور لباس وغیرہ کے احکام

تمہید......کچھ امور ایسے ہوتے ہیں جن کے حلال حرام ہونے کے بارے میں تردد ہوتا ہے لیکن آدمی کی جسمانی صحت اور دینی زندگی کی حفاظت کے لئے اور معاملات میں معاشرے کو مادی اور ادبی نقصانات سے بچانے کے لئے یہ امور انسان اور معاشرے کی ضرورت ہوتے ہیں۔حنفیہ ان کو درجہ ذیل عنوانات سے تعبیر کرتے ہیں:

الحظر والاباحة (ممنوع اور مباح امور)، **الكراهية**❹ **الاستحسان** (یعنی جس کو شریعت اچھا یا برا سمجھتی ہے)، **كتاب الزهد والورع**۔اس لئے کہ ان میں سے اکثر مسائل کو شریعت نے مطلق رکھا ہے اور تقویٰ یہی ہے کہ ان کو ترک کر دیا جائے۔

حنفیہ کے علاوہ دوسرے حضرات ان مسائل سے **الاطعمة** (کھانے)، **الاشربة** (پینے)، **الآنية** (برتن)، **خصال الفطرة** (فطری عادات) اور **مقدمات عقد الزواج** (شادی کے ابتدائی مراحل) کے عنوانات کے تحت بحث کرتے ہیں۔مالکیہ میں سے شیخ خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو مباح، حرام اور مکروہ سے تعبیر کیا ہے۔

ان امور یا ان میں سے اہم امور کی تفصیل پانچ مباحث میں بیان ہوگی۔

---

❶......امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حکایت کیا ہے۔اور اثرم رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فصيام ثلاثة ايام متتابعات پڑھا۔ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے فرمایا ''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ''فصيام ثلاثة ايام متتابعات'' پڑھا۔عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہتے ہیں ''ہمیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات پہنچا ہے اور ہم بھی اسی طرح پڑھتے ہیں۔حاکم نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فصيام ثلاثة ايام متتابعات پڑھتے تھے (دیکھئے: نیل الاوطار: ۸/ ۲۳۸، نصب الرایۃ: ۳/ ۲۹۶) ❷ المبسوط: ۸/ ۱۴۴، فتح القدير: ۴/ ۱۸، البدائع: ص ۱۱، المغنی: ۸/ ۷۵۲، تبيين الحقائق: ۳/ ۱۱۳، الفتاویٰ الهندية: ۲/ ۵۷۔❸ البدائع سابقہ حوالہ، المغنی: سابقہ حوالہ۔❹ مکروہ کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو حنفیہ کے نزدیک اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے۔یہ حرام کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔اس لئے کہ اس میں نہ ایسی دلیل سے ثابت ہوتی ہے جس میں شبہ ہو۔

پہلی بحث.....کھانے کے بیان میں۔

دوسری بحث.....پینے کے بیان میں۔

تیسری بحث.....لباس اور زیور۔

چوتھی بحث.....ہمبستری، دیکھنے، چھونے اور کھیلنے کا بیان۔

پانچویں بحث.....خرید وفروخت کے کچھ مسائل (قدرتی کھاد کی خرید وفروخت، ذخیرہ اندوزی، نرخ مقرر کرنا، انگور کو شراب کے لئے بیچنا وغیرہ)

پہلی بحث۔ کھانے کے بیان میں.....اس میں کھانے پینے کے حکم کے متعلق ایک مقدمہ ہے اور چار مطلب ہیں۔

پہلا مطلب.....کھانے کی اقسام اور ہر قسم کا حکم (حلال، مکروہ اور حرام)

دوسرا مطلب.....جن کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ ان کے بارے میں عربی ذوق سے فیصلہ کرانا۔

تیسرا مطلب.....حالت ضرورت۔

چوتھا مطلب.....ولیموں کی دعوت قبول کرنا، گناہوں والے دستر خوان، کھانے کے آداب۔

مقدمہ۔ کھانے، پینے سے متعلق ضابطہ.....اسلام نے جسم اور نفس پر بھی توجہ دی ہے۔ کھانے پینے کی کم سے کم اور ضروری حد کو واجب قرار دیا ہے۔ تاکہ زندگی کی حفاظت ہو سکے اور جان ہلاکت سے بچ جائے۔ ❶ اور دینی واجبات نماز روزہ وغیرہ کو ادا کیا جا سکے۔ مقدار ضرورت سے زائد کو مباح قرار دیا ہے تاکہ اسراف کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ لہٰذا کھانے پینے میں جسمانی طاقت سے بڑھ کر اسراف کرنا نقصان دہ، خطرناک اور حرام ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اعتدال سے کام لیا جائے۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو بعض صورتیں حرام سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے صبح کے روزے پر طاقت حاصل کرنا مقصود ہو یا یہ وجہ ہو کہ کہیں مہمان نہ شرما جائے یا اسی طرح کی کوئی اور وجہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ الاعراف: ۷/۳۱ ❷

''اے آدم کے بیٹو! جب کبھی مسجد میں آؤ تو اپنی خوشنمائی کا سامان (یعنی لباس جسم پر) لے کر آؤ۔ اور کھاؤ اور پیو، اور فضول خرچی مت کرو۔ یاد رکھو اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا''۔

لباس اور کھانا حلال اور پاکیزہ ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی ہر نفع دینے والی چیز کو انسان کے لئے حلال کیا ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ....البقرۃ: ۲/۲۹

(وہی ہے جس نے) زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔

اور سابقہ آیت کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

❶.....الدر المختار: ۵/۲۳۸۔ ❷ ای عند الطواف اور الصلوۃ۔ یعنی طواف یا نماز کے وقت۔ ان دونوں میں ستر کا چھپانا واجب ہے اور اس کے علاوہ لباس سنت ہے واجب نہیں۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ ......الاعراف ٧/ ٣٢

کہو کہ: آخر کون ہے جس نے زینت کے اس سامان کوحرام قرار دیا ہو جواللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔

اور پاکیزہ رزق کی چیزوں کو۔ الغرض اس بارے میں قرانی آیات اور احادیث کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ......البقرۃ: ٢/ ١٦٨

''اے لوگو! زمین میں جو حلال پاکیزہ چیزیں ہیں وہ کھاؤ''۔

اور فرمایا:

وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ......الاعراف: ٧/ ١٥٧

(وہ نبی) ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''کھاؤ، پیو، صدقہ کرو اور پہنو لیکن اسراف کرنے، اترانے تکبر کرنے اور خود پسندی سے بچو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی نعمتوں کا اثر دیکھنا پسند کرتے ہیں۔'' ❶

حنفیہ فرماتے ہیں: کھانا کم کرنے کی ایسی ریاضت جائز نہیں ہے جس کی وجہ سے عبادت کرنے میں کمزوری ہو۔ ❷

پہلا مقصد: کھانے کے اقسام اور ہر قسم کا حکم...... انسانی غذاء دو طرح کی ہے۔ نباتات، حیوانات۔

نباتات...... کھائی جانے والی تمام نباتات حلال ہیں سوائے ناپاک، نقصان دہ اور نشہ آور نباتات کے۔

ناپاک...... ناپاک اور ناپاکی ملی ہوئی چیزیں نہیں کھائی جائیں گی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ......الاعراف: ٧/ ١٥٧

ناپاک چیز خبیث ہوتی ہے۔ اگر پاک چیز ناپاک ہو جائے جیسے سرکہ، انگور یا کھجور کا شیرہ، پگھلا ہوا تیل، روغن زیتون وغیرہ۔ تو یہ حرام ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھی میں گر کر مر جانے والے چوہے کے بارے میں فرمایا ''اگر گھی جما ہوا تھا تو چوہے اور اس کے ارد گرد والے گھی کو پھینک دو اور باقی استعمال کرو اور اگر گھی مائع تھا تو اس کو بہادو۔'' اگر اس کو کھانا جائز ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہانے کا حکم نہ فرماتے۔

نشہ آور...... نشے والی چیزیں بھی حرام ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرمان ہے:

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ......المائدہ: ٥/ ٩٠

''یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں، لہٰذا ان سے بچو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔''

نقصان دہ...... نقصان دہ چیزوں کو کھانا بھی جائز نہیں جیسے زہر، ناک کی ریزش، منی، مٹی، پتھر۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ النساء: ٤/ ٢٩ ''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو''۔

اور فرمان باری ہے:

❶ بدایۃ المجتہد: ١/ ٤٥٠۔ ٤٥٢، ٤٥٦، القوانین الفقہیہ: ص ١٧١، المہذب: ١/ ٢٤٦، ٢٥٠، مغنی المحتاج: ٤/ ٣٠٥۔

❷ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ (سبل السلام: ٣/ ٨)

لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ البقرۃ:۲/ ۱۹۵

''اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔''

ان چیزوں کو کھانا ہلاکت ہے اس لئے ضروری ہے کہ حلال ہوں۔ مٹی کے بارے میں مالکیہ کا ایک قول مکروہ ہونے کا ہے اور دوسرا حرام ہونے کا۔ یہی راجح ہے۔

جو چیزیں نقصان دہ نہیں ہیں ان کا کھانا جائز ہے جیسے پھل اور اناج۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ الاعراف:۷/ ۳۲

حیوانات......حیوانات کی دو قسمیں ہیں۔ آبی جانور اور بری جانور۔ میں یہاں حلال وحرام کا مختصراً تذکرہ کروں گا ذبح ہونے والے جانوروں کی تفصیلی بحث ''الذبائح والصید'' (مذبوحہ جانور اور شکار) میں آئے گی۔

آبی حیوانات......ان میں سے مچھلی بالاتفاق حلال ہے۔ البتہ پانی پر تیرنے والی مردہ مچھلی حنفیہ کے نزدیک حلال نہیں۔ باقیوں کے نزدیک حلال ہے۔ مالکیہ کے نزدیک آبی خنزیر مکروہ ہے۔ لیکن مالکیہ کے قابل اعتماد قول کے مطابق آبی خنزیر اور آبی کتا مباح ہیں۔

مالکیہ کے علاوہ جمہور کی نزدیک مینڈک کا کھانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اگر اس کا کھانا حلال ہوتا تو اس کے قتل سے منع نہ کیا جاتا۔ مالکیہ نے مینڈک کھانے کو مباح قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ اس کو حرام کرنے والی کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔

بری حیوانات......خشکی کے جانوروں میں سے ان جانوروں کا کھانا حرام ہے۔ مردار، خون، خنزیر کا گوشت، غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا (یعنی جس کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کے علاوہ کسی اور معبود کا ذکر کیا ہو)، گلہ گھٹ کر مرنے والا، کسی جانور کی ٹکر سے مرنے والا، مہلک ضرب سے مرنے والا، بلند جگہ سے گر کر مرنے والا، جس کا پیٹ کسی چیر نے پھاڑنے والے جانور نے پھاڑ دیا ہو۔ لیکن ان جانوروں کو اگر زندگی کی حالت میں ذبح کر دیا گیا تو حلال ہوں گے۔

جمہور کے نزدیک چیر نے پھاڑنے والے جانوروں بھیڑیا، شیر، چیتا وغیرہ کا کھانا حرام ہے۔ مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ اسی طرح زخمی کرنے والے پرندے (شکاری پرندے)......جیسے شکرہ، باز، گدھ وغیرہ بھی حرام ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک یہ مباح ہیں۔ سوائے چمگادڑ کے۔ یہ ان کے راجح قول کے مطابق مکروہ ہے۔

کتے، گھریلو گدھے اور خچر حرام ہیں۔ اس لئے کہ کتا گندی اور خبیث چیزوں میں سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''کتا خبیث ہے اور اس کی قیمت بھی خبیث ہے۔ ❶ اور اس لئے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والے دن گدھوں اور خچروں سے منع فرمایا۔ ❷ مالکیہ کے نزدیک قابل اعتماد یہی ہے کہ کتا مکروہ ہے اور آبی کتا مباح ہے۔

زمین کے حشرات سانپ، بچھو، چوہا، چیونٹی، شہد کی مکھی وغیرہ کا کھانا حرام ہے۔ اس لئے کہ یہ زہریلی ہوتی ہیں اور طبع سلیم ان کو برا سمجھتی ہے۔

حلال اور حرام سے پیدا ہونے والا جانور حرام ہوگا۔ جیسے گدھے اور گھوڑے سے پیدا ہونے والا خچر اور گھریلو گدھے اور جنگلی گدھے سے

---

❶......امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور پہلے چار نے تصحیح بھی کی ہے ''ثمن الکلب خبیث'' کتے کی قیمت خبیث ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/ ۲۸۴۱۴۳) ❷ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مستدرک میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرط پر صحیح ہے لیکن شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (نصب الرایۃ: ۴/ ۱۹۷)

پیدا ہونے والا گدھا۔ اس لئے کہ یہ کھائے جانے والے اور نہ کھائے جانے والے جانوروں یعنی حلال اور حرام جانوروں سے پیدا ہوئی ہے۔ لہٰذا اس میں حرمت غالب ہوگی۔ ❶ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ ناجائز جائز پر مقدم ہوتا ہے۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ کیڑوں مکوڑوں کو ذبح کر کے کھانا مباح ہے۔ جیسے بچھو، گبریلا (ایک کیڑا جو گوبر میں رہتا ہے۔) گندگی کا کیڑا، جندب (ایک قسم کی ٹڈی،) چیونٹی، کیڑا اور گھن۔ اسی طرح اگر سانپ کی زہر کا خطرہ نہ ہو اور اس کو حلق سے ذبح کیا جائے تو یہ بھی مباح ہے۔ ❷

شافعیہ، حنابلہ اور صاحبین کے نزدیک گھوڑے کی تمام اقسام چاہے اصلی ہوں یا غیر اصلی کا کھانا حلال ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن اس کی اجازت دی ہے۔ ❸

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے گھوڑے کو مکروہ تنزیہی کہا ہے۔ اس لئے کہ ایک حدیث میں گھوڑوں کا گوشت کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ ❹ مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق گھوڑا حرام ہے۔ ❺

شافعیہ اور مالکیہ نے گوہ اور بجو کھانا مباح قرار دیا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک لومڑی بھی مباح ہے۔ حنابلہ نے اس کو حرام کہا ہے۔ حنفیہ ان سب کو حرام قرار دیتے ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک تمام درندے کراہت کے ساتھ مباح ہیں جیسا کہ گذر چکا ہے۔

پالتو جانور (اونٹ، گائے، بکری) کھانا بالاجماع جائز ہے۔ اس لئے کہ نص قرآنی نے ان کو جائز قرار دیا ہے اسی طرح غیر شکاری پرندے بھی جائز ہیں جیسے کبوتر، بطخ، شترمرغ، مرغابی، بٹیر، جنڈول، زرزور (چڑیا سے بڑا ایک پرندہ)، بھٹ، تیتر، کروان (بھورے رنگ اور لمبی چونچ والا پرندہ ~ ونا نہیں)، بلبل اور دیگر چھوٹے پرندے۔

غیر شکاری جنگلی جانور کھانا حلال ہے جیسے ہرن، جنگلی گائے، جنگلی گدھا۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھانے کی اجازت دی ہے۔ ❻

خرگوش اور ٹڈی کا کھانا جائز ہے۔ اس لئے کہ اس کا جواز سنت سے ثابت ہے۔ کیڑا اکیلا مالکیہ کے علاوہ دوسرے حضرات کے نزدیک حرام ہے۔ لیکن کھانے کی چیزوں اور پھلوں کا کیڑا، اناج کا گھن اور سرکے کا کیڑا اگر ان کے ساتھ مردہ حالت میں کھالیا جائے اور طبیعت اور صحت ٹھیک رہے تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔ اس لئے کہ اس کی تمیز مشکل ہے۔ ❼

مباح اور حرام کے متعلق مالکیہ کے مذہب کا خلاصہ..... ❽ گزشتہ بحث سے واضح ہوگیا کہ مالکیہ کا مذہب کھانے پینے کی چیزوں کو مباح قرار دینے میں سب سے زیادہ وسیع ہے۔ اس لئے اس کا خلاصہ بیان کرنا مناسب ہوگا۔

مباح..... حالت اختیار میں درج ذیل چیزیں کھانے پینے کے لئے مباح ہیں: ہر پاک کھانا، سمندری حیوانات اگرچہ سمندری آدمی یا خنزیر ہو اور اگرچہ سمندری حیوانات مردہ ہوں، پرندوں کی تمام قسمیں اگرچہ وہ نجاست کھانے ❾ والے ہوں یا پنجوں والے شکاری پرندے

---

❶..... المهذب: ١/٢٤٩، مغني المحتاج: ٤/٣٠٣، كشاف القناع: ٦/١٩٠۔ ❷ الشرح الكبير: ٢/١١٥، ”خشاش“ (بمعنی کیڑے مکوڑے) کو خشاش اس لئے کہتے ہیں لانه' يخش في الارض۔ اس لئے کہ وہ زمین میں داخل ہوجاتا ہے۔ اور کسی نکلنے کے راستے کے بغیر باہر نہیں نکلتا۔ اور جلدی سے واپس بھی ہوجاتا ہے۔ ❸ اس کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایة ٤/١٩٨) ❹ اس کو ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایة: ٤/١٩٦) ❺ بداية المجتهد: ١/٤٥٥، الشرح الكبير: ٢/١١٧۔ ❻ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ❼ مغنی المحتاج: ٤/٢٦٨، ٣٠٣، المغني: ٨/٦٠٥۔ ❽ دیکھئے علامہ خلیل رحمۃ اللہ علیہ کا متن اور الشرح الکبیر للدردیر مع الدسوقی: ٢/١١٥۔ ❾ ”جلالة“ یعنی نجاست استعمال کرنے والی۔ جلالة لغت میں اس گائے کو کہتے ہیں جو نجاست کھاتی ہے لیکن فقہاء ہر نجاست کھانے والے جانور کو جلالة کہتے ہیں۔

ہوں جیسے باز، عقاب، گدھ۔ البتہ چمگادڑ راجح قول کے مطابق مکروہ ہے، پالتو جانور (اونٹ، گائے، بکری اگر چہ نجاست کھانے والے ہوں)، جنگلی جانور جو شکاری نہیں ہوتے جیسے ہرن، جنگلی گدھا، یربوع، ❶ چھچھوندر ❷، شامی نیولا، ❸ خرگوش، سیہی، ❹ ضربوب، ❺ سانپ جس کے زہر کا خطرہ نہ ہو اور بشرطیکہ حلق سے ذبح کیا گیا ہو۔ ❻

اسی طرح حشرات بھی مباح ہیں جیسے گبریلا، گندگی ❼ کا کیڑا، جندب ❽ (ایک قسم کا ٹڈا)، چیونٹی کیڑا اور گھن۔

انگور کے پانی کا شیرہ، ❾ فقاع، عقید، اور سوبیا مباح ہیں اگر ان میں نشہ نہ ہو۔

حرام...... مالکیہ کے نزدیک حرام چیزیں یہ ہیں: ناپاک چیز ٹھوس ہو یا مائع، خشکی کا خنزیر، خچر، گھوڑا، گدھا اگر چہ جنگلی ہو اور اس کو پالتو بنا دیا گیا ہو۔ راجح قول کے مطابق گارا، مٹی، ہڈی اور جلی ہوئی روٹی حرام ہے۔ تاکہ بدن کو اذیت سے بچایا جا سکے۔

مکروہ...... درندے، بجو، لومڑی، بھیڑیا، بلی اگر چہ جنگلی ہو، ہاتھی تیندوا، ریچھ، چیتا، نمس (چھوٹی ٹانگوں اور لمبی دم والی بلی جتنا جانور جو سانپ اور چوہے وغیرہ کا شکار کرتا ہے، ❿ قابل اعتماد قول کے مطابق یہ سب مکروہ ہیں۔ راجح قول کے مطابق بندر اور لنگور مکروہ ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ نجاست تک پہنچنے والا گھریلو چوہا مکروہ ہے۔ اگر نجاست تک پہنچنے میں شک ہو تو مکروہ نہیں۔ اگر نجاست تک نہ پہنچتا ہو تو مباح ہے۔

جلالہ کا گوشت...... حنفیہ کے نزدیک جلالہ اسے کہتے ہیں جو مردار اور گندگی کھانے کا عادی ہو۔ اس کے علاوہ کچھ نہ کھاتا ہو۔ اور اس سے بدبو آ رہی ہو۔ حنفیہ کے علاوہ دوسرے حضرات کے نزدیک جلالہ اسے کہتے ہیں جس کا اکثر کھانا نجاست پر مشتمل ہو۔ اس کا گوشت کھانے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

مالکیہ کے نزدیک جلالہ کا گوشت کھانا مباح ہے ⓫ جیسا کہ گذر چکا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، حنفیہ اور شافعیہ ⓬ کے نزدیک مکروہ ہے۔ حنابلہ کے نزدیک حرام ہے۔ ⓭

---

❶...... یربوع: نیولے جتنا جانور جس کی ٹانگیں ہاتھوں سے لمبی ہوتی ہیں۔ ❷ خلد: (چھچھوندر) اندھا چوہا جو نجاست تک نہیں پہنچ سکتا۔ ❸ وبر: یربوع سے بڑا خرگوش جیسا جانور جو نباتات اور سبزیاں کھاتا ہے۔ بلے سے چھوٹا ہوتا ہے۔ رنگ خاکستری ہوتا ہے۔ ❹ قنفد (سیہی) چوہے سے بڑا جانور جس کے سر، پیٹ، ہاتھوں اور ٹانگوں کے علاوہ سارے جسم پر کانٹے ہوتے ہیں۔ ❺ الضربوب: کانٹوں میں سیہی کی طرح ہوتا ہے۔ شکل میں بکری کے قریب ہوتا ہے۔ حنابلہ نے یربوع، وبر، گوہ اور بجو کو مباح قرار دیا ہے۔ (المغنی: ٥٩٢/٨، کشاف القناع: ١٩١/٦) شافعیہ کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ میں نے ذبائح کے بیان میں بیان کیا ہے: انہوں نے بجو، گوہ، لومڑی، یربوع، فنک (حیوان جس کی جلد سے پوستین بنائی جاتی ہے)؛ سمور (بلے کی طرح) یہ دونوں ترکوں کی لومڑیاں ہیں۔ انہوں نے نیولے (ابن عرس ایک پتلا سا جانور جو چوہے کا دشمن ہوتا ہے۔ اسکے بل میں گھس کر اس کو نکال دیتا ہے۔) بگلے (الحج/الحوصل: ایک پرندہ جو سارس سے زیادہ سفید ہوتا ہے اس کا بڑا سا پوٹا ہوتا ہے اس سے پوستین بنتی ہے۔ مصر میں کثرت سے پایا جاتا ہے) اور قاقم (چھوٹا سا جانور جس کی جلد سے پوستین بنتی ہے) کو بھی مباح کہا ہے اس لئے یہ سب پاکیزہ اور طیب کے زمرے میں آتے ہیں۔ مغنی المحتاج: (٢٩٩/٣) ❻ استعمال کرنے والے کو زہر کا خطرہ نہ ہو۔ جس کسی کو اس کے زہر سے بیماری میں فائدہ ہوسکتا ہو اس کے لئے جائز ہوگا۔ ❼ بنت وردان: چھوٹا سا بدبودار جانور گھروں میں گندی جگہوں پر رہتا ہے۔ اس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اور پہلوؤں میں بہت سی ٹانگیں ہوتی ہیں۔ ❽ الجندب: ٹڈی کی ایک قسم۔ ❾ الفقاع: گندم اور کھجور سے بنائی ہوئی شراب۔ السوبیا: شراب جس میں کچھ کھٹاس ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس میں عجوۃ وغیرہ کا اضافہ ہوتا ہے۔ عقید: انگور کا پانی جسے آگ پر جوش دیا جائے یہاں تک کہ گاڑھا ہو جائے۔ اور نشہ ختم ہو جائے۔ اس کو "رب صامت" یعنی خاموش شیرہ بھی کہتے ہیں۔ ❿ بلی کے سوا ان تمام جانوروں کو جنگلی درندے (وحوش مفترسہ) کہتے ہیں۔ ⓫ الشرح الکبیر: ١١٥/٢، بدایۃ المجتہد: ٤٥١/١۔ ⓬ تبیین الحقائق للزیلعی: ١٠/١، البدائع: ٣٩/٥ وما بعد، المھذب: ٢٥٠/١، مغنی المحتاج: ٣٠٤/٤، الدر المختار: ٢٣٩/٥، وما بعد۔ ⓭ کشاف القناع: ١٩٢/٦، المغنی: ٥٩٣/٨۔

اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ یہاں قیاس اور روایت کا آپس میں تعارض ہے۔ روایت وہ ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ اور اس کے دودھ سے منع فرمایا ہے۔'' (1) خلال نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ اونٹ کے بارے میں فرمایا کہ اس کا گوشت نہ کھایا جائے اور اس پر دباغت کی ہوئی کھالوں کے علاوہ کوئی چیز نہ لادی جائے اور نہ ہی لوگ اس پر سواری کریں۔ یہاں تک کہ وہ چالیس دن تک چارہ کھالے۔''

اس کے معارض قیاس یہ ہے کہ جو چیز حیوان کے پیٹ میں جاتی ہے وہ گوشت میں تبدیل ہوجاتی ہے مالکیہ جو اس کے حلال ہونے کے قائل ہیں انہوں نے گوشت میں تبدیل ہوجانے کو مدنظر رکھا ہے جیسا کہ خون گوشت میں بدل جاتا ہے۔

حنابلہ نے نہی کے ظاہر کو مدنظر رکھا ہے جو کہ حرام ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ گوشت نجاست سے پیدا ہوتا ہے اس لئے یہ ناپاک ہوگا جیسا کہ نجاست کی راکھ ناپاک ہوتی ہے۔ حنفیہ اور شافعیہ نے حدیث کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے۔

حنفیہ..... جلالۃ کا گوشت اور دودھ مکروہ ہے۔ جیسا کہ گدھی کا گوشت اور دودھ، گھوڑے کا دودھ اور اونٹ کا پیشاب مکروہ ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اونٹ کے پیشاب اور گھوڑے کے گوشت کی بطور دوا اجازت دی ہے۔ جلالہ کو گوشت کی بدبو ختم ہونے تک بند کیا جائے گا۔ اس کا اندازہ مرغی کے لئے تین دن، بکری کے لئے چار دن اور اونٹ اور گائے کے لئے دس دن ہے۔ یہی راجح ہے۔ اگر جلالہ نے نجاست کے ساتھ دیگر چیزیں بھی کھائیں۔ اور اس کے گوشت سے بدبو نہیں آتی تو حلال ہوگی۔ جیسے بکری کے بچے کو خنزیر کا دودھ پلایا جائے تو حلال ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے گوشت میں تبدیلی نہیں آتی۔ اور اس کو دی جانے والی غذا ختم ہوجاتی ہے۔ اس کا اثر باقی نہیں رہتا۔ اسی بناء پر مرغی کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ یہ نجاست اور اس کے ساتھ دوسری چیزیں کھاتی ہے۔ لیکن اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا۔ (2)

شافعیہ..... جلالہ کو کھانا مکروہ ہے۔ جلالہ وہ ہے جو اونٹ، گائے، بکری، مرغ کے فضلات کھائے۔ دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو ماقبل میں بیان ہوئی۔ جلالہ کا کھانا حرام نہیں اس لئے کہ اس کے گوشت میں کچھ زیادہ تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور یہ حرام ہونے کا سبب نہیں بن سکتی۔ اگر جلالہ کو پاک غذا کھائی گئی تو وہ مکروہ نہیں رہے گی۔

اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''جلالہ کو پاک چارہ کھلایا جائے گا۔ اونٹ کو چالیس دن، بکری کو سات دن اور مرغی کو تین دن۔

حنابلہ..... جلالہ حرام ہے: جلالہ اسی کہتے ہیں جس کی اکثر غذا نجاست ہو۔ اسی طرح اس کا دودھ بھی حرام ہے۔ یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے۔ دوسری روایت میں یہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔ جلالہ کو بند کرنے سے اس کی کراہت بالاتفاق ختم ہوجاتی ہے۔ بند کرنے کے عرصے میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اسے تین دن بند رکھا جائے۔ چاہے پرندہ ہو یا جانور۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ مرغی کو تین دن تک اور اونٹ اور گائے کو چالیس دن تک بند کیا جائے۔ جلالہ پر سواری مکروہ ہے۔

---

(1) ..... اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ، اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ ''حسن غریب'' ہے۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے ''نهى عن ركوب الجلالة'' کہ جلالہ کی سواری سے منع فرمایا۔ انہی کی دوسری روایت ہے کہ جلالہ اونٹ کی سواری سے منع فرمایا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو گدھوں کے گوشت اور جلالہ کی سواری سے اور اس کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔'' (2) روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرغی کھایا کرتے تھے۔ اور یہ روایت کہ مرغی کو تین دن تک بند کیا جائے اور پھر ذبح کیا جائے تو یہ حفظان صحت کی خاطر ہے۔ یہ کوئی شرط نہیں۔ (تبیین الحقائق: سابقہ حوالہ)

دوسرا مقصد: جن حیوانات کے بارے میں شریعت میں کوئی حکم نہیں ان میں عربی ذوق سے فیصلہ کرانا

شافعیہ اور حنابلہ...... ❶ جن حیوانات کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں قرآن، سنت اور اجماع میں کوئی خاص یا عام نص وارد نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کو قتل کرنے یا قتل نہ کرنے کا حکم آیا ہے۔ ان کے بارے میں شافعیہ فرماتے ہیں کہ اگر عربوں کی اکثر مالدار اور سلیم الطبع لوگ...... چاہے شہروں کے رہنے والے ہوں یا دیہاتوں کے آسودہ حالات میں ان کو اچھا سمجھیں تو ان کا کھانا حلال ہے۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ اگر حجاز کے شہری علاقوں کے لوگ ان کو اچھا جانیں تو ان کا کھانا حلال ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ پاک کا فرمان ہے:

وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ...... الأعراف: ۷/ ۱۵۷

"(وہ نبی) ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا۔"

اور اس لئے کہ عرب ہی وہ لوگ ہیں جن پر قرآن نازل ہوا، وہی قرآن وسنت کے مخاطب بنے، انہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ لہٰذا قرآن وسنت کے مطلق الفاظ میں انہی کے عرف سے رجوع کیا جائے گا نہ کہ دوسروں کی طرف۔

اس بناء پر قاعدہ یہ ہوا کہ حرام جانور وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کہا ہے۔ اور عرب میں جانوروں کو اچھا اور طیب کہتے ہیں وہ حلال ہیں اور جن کو برا اور خبیث کہتے ہیں وہ حرام ہیں۔

اس لئے مسئلے میں اجڈ دیہاتیوں، فقیروں اور ضرورت مندوں کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ اپنی ضرورت اور بھوک کی وجہ سے جو ملے کھا لیتے ہیں۔

حنابلہ کے نزدیک جو جانور حجاز میں نہیں پائے جاتے ان میں دیکھا جائے گا کہ حجاز کے کس جانور کے زیادہ مشابہ ہیں۔ اگر وہ کسی بھی جانور کے مشابہ نہ ہوں تو مباح ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے عموم میں داخل ہیں:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا ...... الانعام: ۶/ ۱۴۵

"(اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ: "جو وحی مجھ پر نازل ہوئی ہے اس میں تو میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جو حرام ہو۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے: "جن چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا ہے وہ معاف ہیں۔"

شافعیہ فرماتے ہیں:...... اگر کسی جانور کے نام کا پتہ نہ چلے تو عربوں سے پوچھا جائے گا۔ اور ان کے رکھے ہوئے نام کے مطابق حلال یا حرام کا فیصلہ ہوگا۔ اس لئے کے اس کا دارومدار نام پر ہے اور وہ اہل لسان ہیں۔ اگر ان کے ہاں اس کا کوئی نام نہ ہو تو اس کا حکم معلوم کرنے کے لئے کوئی ایسا جانور دیکھا جائے گا جو شکل وصورت، طبع اور گوشت کے ذائقے میں اس کے مشابہ ہو۔ اگر وہ دو جانوروں کے مشابہ ہو یا کسی کے بھی مشابہ نہ ہو تو صحیح قول کے مطابق حلال ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا ...... الانعام: ۶/ ۱۴۵

شافعی مسلک کا خلاصہ...... اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے شافعیہ کے نزدیک حلال اور حرام جانوروں کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

حرام جانور...... حشرات سارے کے سارے حرام ہیں جیسے چیونٹی، مکھی، گبریلا، سانپ، کیڑا، کھٹمل، جوں، جھینگر، چھپکلی وغیرہ۔ زہریلے جانور حرام ہیں اسی طرح وہ جانور بھی حرام ہیں جن کو مارنا مستحب ہے۔ جیسے شہد کی مکھی، بھڑ، بچھو، چوہے، کوے، سانپ اور چیل۔ ❷

---

❶ مغنی المحتاج: ۴/ ۳۰۳ وما بعد، المهذب: ۱/ ۲۴۹، المغنی: ۸/ ۵۸۵۔ ❷ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ (نیل الاوطار. ۸/ ۱۰۶!)

پرندوں میں سے یہ پرندے حرام ہیں: چمگادڑ، خطاف (کالی پیٹھ اور سفید پیٹ والا ایک پرندہ)، طوطا، مور، رخمۃ (گدھ جیسا ایک پرندہ)، بغاثۃ (سفید رنگ کا ایک سست رفتار پرندہ جو چیل سے چھوٹا ہوتا ہے)۔ کچلیوں والے تمام درندے اور پنجوں سے شکار کرنے والے تمام پرندے حرام ہیں۔ ایسی چیزیں جو ناپاک ہوگئی ہوں اور ان کو پاک کرنا ممکن نہ ہو وہ بھی حرام ہیں جیسے سرکہ، تیل، شیرہ وغیرہ۔ انسانی بدن کے لئے نقصان دہ چیزیں بھی حرام ہیں جیسے پتھر، مٹی، شیشہ زہر، افیون وغیرہ۔

حلال جانور...... پرندوں میں سے یہ پرندے حلال ہیں۔ شتر مرغ، بطخ، چکور، مرغابی، مرغی، بھٹ تیتر، کھیتی کا کوا اور کبوتر۔ اسی طرح تمام پاک، بے ضرر اور خوشگوار چیزیں حلال ہیں جیسے انڈے اور پنیر۔ اور ناگوار اور ناپسندیدہ چیزیں حرام ہیں جیسے ناک کی ریزش، منی وغیرہ۔ حلال جانوروں کا دودھ حلال ہے اور حرام جانوروں کا دودھ حرام ہے جیسے گدھی کا دودھ۔ لیکن انسان کا دودھ پاک ہے۔

وہ تمام جانور جن کو عرب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں برا سمجھتے تھے وہ حرام ہیں جیسے حشرات وغیرہ۔ سوائے ان جانوروں کے جن کو شریعت نے مباح قرار دیا ہے جیسے یربوع (چوہیا جیسا لمبی دم والا حشرہ)، گوہ، وبر (بلی سے چھوٹا ایک جانور)، سمور (بلے جیسا جانور) اور نیولا۔

بحری حیوان حلال ہیں اس لئے کہ عرب ان کو اچھا سمجھتے ہیں۔ گھریلو جانور (اونٹ، گائے، بھیڑ بکری)، جنگلی گدھے، ہرن اور خرگوش وغیرہ جن کو عرب اچھا سمجھتے ہیں...... یہ سب مباح ہیں۔ سوائے ان کے جن کو شریعت نے حرام کہا ہے جیسے خچر اور گھریلو گدھے۔

تیسرا مقصد...... حالت ضرورت

ضرورت ایک مکمل نظریہ ہے جو شریعت کے تمام احکام کو شامل ہے۔ اسی پر ناجائز کے جائز ہونے اور واجب کو چھوڑ دینے کا حکم مرتب ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں لمبی چوڑی بحث ہے۔ [1] میں چند اہم امور پر اکتفا کروں گا۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

ضرورت کی تعریف، حکم اور شرطیں...... کیا ضرورت سفر وحضر دونوں صورتوں کو شامل ہے؟

مباح اور جائز ہونے والی چیزوں کی جنس...... کھائی جانے والی چیزوں میں فضیلت کے اعتبار سے ترتیب۔

حرام اور مردار کی جائز مقدار...... ضرورت کی وجہ سے دوسرے کا کھانا زبردستی لینے کا حکم۔

حاجت کے مخصوص حالات (باغ کے پاس سے گزرتے ہوئے پھل کھانا یا کھیت میں سے گزرتے ہوئے فصل استعمال میں لانا یا جانوروں کے پاس سے گزرتے ہوئے انہی دوھ لینا۔) [2]

اول: ضرورت کی تعریف اور اس کا حکم...... هى الخوف على النفس من الهلاك علماً (قطعاً) اوظناً ضرورت ایسی حالت کو کہتے ہیں جس میں جان کی ہلاکت کا خوف ہو چاہے یقینی ہو یا غالب گمان۔ اس میں صبر کر کے قریب المرگ ہوجانے کی شرط نہیں۔ چاروں مذاہب [3] میں اس کا حکم یہ ہے کہ حرام چیز کی اتنی مقدار استعمال کرنا واجب ہے جس سے وہ زندہ رہ سکے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] ......دیکھئے ہماری کتاب نظریہ الضرورۃ الشرعیۃ۔ [2] دیکھئے المبسوط: ۴۸/۲۴، البدائع: ۱۲۴/۵، رد المحتار: ۲۳۸/۵، احکام القرآن للجصاص: ۱۴۷/۱ وما بعدها، الشرح الکبیر للدردیر: ۱۱۵/۲ وما بعدها، القوانین الفقهیه: ص ۱۷۳، بدایة المجتهد: ۴۶۱/۱ وما بعد، المهذب: ۲۵۰/۱ وما بعدها، مغنی المحتاج: ۱۸۸/۴، ۳۰۶۔ ۳۱۰، المغنی: ۵۹۵/۸۔ ۶۰۳، کشف القناع: ۱۹۴/۶۔ ۲۰۰۔ [3] المبسوط: سابقہ جگہ، البدائع: ۱۷۶/۷، تبیین الحقائق: ۱۸۵/۵، الدر المختار ورد المحتار: ۹۲/۵، ۲۳۸، درر الحکام: ۳۱۰/۱، الشرح الکبیر: ۱۱۵/۲، مغنی المحتاج: ۳۰۶/۴، المغنی: ۵۹۶/۸، الفروق: ۱۸۳/۴، الجصاص: ۱۴۸/۱، ۱۵۰، احکام القرآن لابن العربی: ۵۶/۱۔

کا فرمان ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ......البقرة: ۲/ ۱۷۳

''ہاں اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو (اور ان چیزوں میں سے کچھ کھا لے) جب کہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ ضرورت کی حد سے آگے بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔''

دوسری آیت میں آتا ہے:

ولاتلقوا بايديكم الى التهلكه ......البقرة

''اور اپنے اپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' ایک اور آیت میں ہے:

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ......النساء: ۴/ ۲۹

''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔''

اگر کھانا پینا چھوڑنے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا تو گناہ گار ہوگا۔ اس لئے کہ یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والی بات ہے۔ قرآن مجید میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیز سے خود کو زندہ رکھنے پر قادر ہے لہٰذا اس کا استعمال لازمی ہوگا۔ اور یہ ایسے ہی ہوگا جیسے اس کے پاس حلال کھانا موجود ہو۔

مسئلہ.....اس کے برعکس جو دوا استعمال نہ کرنے کی وجہ سے مر گیا تو وہ گنہگار نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ دوا سے شفا ملنا یقینی نہیں لہٰذا اس کا استعمال بھی واجب نہیں۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ مضطر اور مجبور آدمی کے لئے مردار کھانے سے پہلے لوگوں سے مانگنا واجب ہے۔

بعض حضرات.....جیسے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو اسحاق صاحب المہذب اور ایک روایت حنابلہ کی، کا یہ موقف بیان کیا جاتا ہے کہ مضطر اور مجبور آدمی پر حرام کا استعمال واجب نہیں بلکہ مباح ہے۔ اس لئے کہ حرام نہ کھانے سے اس کا مقصود یہ ہوگا کہ وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچنا چاہتا ہے اور بسا اوقات مردار جی کو بھلا نہیں لگتا۔ اس پر ایک دلیل حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ والی روایت ہے کہ جب رومی بادشاہ نے ان کو قید کر کے ایک کمرے میں بند کر دیا اور ان کے پاس پانی ملی شراب اور خنزیر کا بھنا ہوا گوشت رکھ دیا۔ وہ تین دن تک بند رہے مگر کچھ کھایا نہ پیا۔ یہاں تک کہ ان کا سر بھوک اور پیاس سے ڈھلکنے لگا۔ انہیں ان کی موت کا خدشہ ہوا۔ اور ان کو باہر نکال دیا تو انہوں نے فرمایا: ''یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے حلال کی ہوئی تھیں اس لئے کہ میں مضطر تھا لیکن میں آپ لوگوں کو بغلیں بجانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا''۔ اور اس لئے بھی کہ حرام کا مباح ہونا ایک رخصت ہے۔ اس لئے دوسری رخصتوں کی طرح واجب نہیں ہونا چاہئے۔ ❶ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اس پر دلیل ہے:

وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ......الانعام: ۶/ ۱۱۹

''حالانکہ اس نے وہ تمام چیزیں تمہیں تفصیل سے بتا دی ہیں جو اس نے تمہارے لئے (عام حالات میں) حرام قرار دی ہیں البتہ جن کے کھانے پر تم بالکل مجبور ہی ہو جاؤ (تو ان حرام چیزوں کی بھی بقدر ضرورت اجازت ہو جاتی ہے)۔''

اس آیت میں استثناء حرام سے کیا گیا ہے۔ اور حرام سے استثناء حلال یا مباح ہوتا ہے جیسا کہ اصول فقہ کے ماہرین نے یہ اصول طے کیا ہوا ہے۔

---

❶ ......المغنی: ۸/ ۵۹۶، تکملہ فتح القدیر: ۷/ ۲۹۸۔

مسئلہ..... گزشتہ دونوں آراء کے مطابق جیلوں وغیرہ میں کی جانے والی بھوک ہڑتال اگر موت تک لے جانے والی ہو تو حلال نہیں ہوگی۔

دوم۔ضرورت کی شرطیں اور ضابطے...... جو شخص بھی ضرورت کا دعویٰ کرے اس کا دعویٰ تسلیم کیا جائے گا نہ اس کے لئے فعل حرام مباح ہوگا۔ضرورت کے لئے درج ذیل [1] ضابطوں اور شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱.....ضرورت اسی وقت موجود ہو۔ مستقبل میں پیش آنے والی نہ ہو۔یعنی حقیقت میں جان یا مال کی ہلاکت کا خدشہ موجود ہو۔اس خدشے کا ثبوت تجربات کی روشنی میں ظن غالب سے ہوگا یا حقیقت میں خطرے کا سامنا کرنے سے۔اس میں غالب گمان بھی کافی ہے جیسا کہ جبراً حرام کھلانے میں۔اسی وجہ سے اس میں یقین یا قریب المرگ ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اگر صورت حال یہاں تک پہنچ گئی تو کھانا مفید ہوگا نہ حلال جیسا کہ شافعیہ نے تصریح کی ہے۔

۲.....مضطر اور مجبور کے لئے حرام کا ارتکاب ہی ضروری ہو۔یعنی خطرے کو دور کرنے کے لئے حرام کے علاوہ کوئی اور جائز صورت ممکن نہ ہو۔اس لئے کہ اضطراری حالت میں حرام کے استعمال کا سبب کھانا کھانے کی ضرورت ہے۔یعنی اگر کوئی ایسی حلال چیز نہ ملے جس کو کھایا جاسکے۔اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

۳..... کسی ایسے عذر کا بہم پایا جانا جو حرام کے استعمال کو مباح کر سکے۔جیسے جان یا عضو کی حفاظت کا ان کے تلف ہو جانے کا خوف ہو یا تو بھوک کی وجہ سے یا یہ خدشہ ہو کہ اگر کھانا چھوڑا چل نہیں سکے گا اور ساتھیوں سے پیچھے رہ کر ہلاک ہو جائے گا۔ یا سوار ہونے کے قابل نہیں رہے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔اسی سے یہ بھی ظاہر ہو گیا اور شافعیہ اور حنابلہ نے اس کی تصریح بھی کی ہے کہ جن صورتوں میں تیمّم مباح ہوتا ہے انہی صورتوں میں حرام کا استعمال اور ناجائز کام کا ارتکاب بھی مباح ہو جاتا ہے۔لہٰذا کسی ظاہری عضو میں بڑا عیب پیدا ہونے کا خدشہ ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔اسی طرح مرض کے طویل ہو جانے کے خدشے کا بھی اعتبار ہوگا۔ان دونوں صورتوں میں حرام کا کھانا جائز ہو جائے گا۔

۴.....مضطر اسلامی اصولوں کی مخالفت نہ کرے۔لہٰذا زنا،قتل،کفر،غصب وغیرہ کسی صورت میں بھی حلال نہیں ہوں گے۔اس لئے کہ ان کی ذات میں فساد پایا جاتا ہے۔اگر چہ حالت اکراہ میں زبان سے کفریہ الفاظ کہنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ دل مطمئن ہو۔اسی طرح بوقت ضرورت دوسرے کا کھانا لینے کی بھی گنجائش ہے اگر چہ زبردستی کرنی پڑے بشرطیکہ وہ خود مجبور اور مضطر نہ ہو۔اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اباحت اور رخصت میں فرق ہے۔اس لئے کہ اباحت حرام کو حلال میں بدل دیتی ہے اور اس سے حرام ہونے کی صفت کو بالکل زائل کر دیتی ہے۔ جب کہ رخصت صرف گناہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔فعل بدستور حرام رہتا ہے۔

آدمی کو قتل کرنا اور کھانا کسی صورت میں بھی مباح نہیں ہوتا۔اسی طرح شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک مرے ہوئے آدمی کو کھانا مباح نہیں ہوتا جیسا کہ میں بیان کروں گا۔ائمہ اربعہ کے راجح قول کے مطابق شراب کا استعمال حرام ہے۔ہاں اگر غصہ دور کرنے کی کوئی اور صورت ممکن نہ ہو تو اس کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔مالکیہ کے نزدیک خون اور پاخانہ بالکل حلال نہیں ہوتا۔اسی طرح گمشدہ اونٹ بھی۔

۵..... جمہور کی رائے کے مطابق یہ بھی ضروری ہے کہ ضرر کو دور کرنے کے لئے حرام کی ادنیٰ حد اور لازمی مقدار استعمال کی جائے۔جیسا کہ میں عنقریب واضح کروں گا۔اس لئے کہ حرام کا مباح ہونا ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے اور ضرورت بقدر ضرورت ہوتی ہے۔

۶.....اگر کسی کو دوا کی ضرورت ہو اور ایک عادل اور دینی و علمی لحاظ سے قابل اعتماد معالج اس کے لئے حرام چیز کو بطور دوا تجویز کرے۔اس

[1].....نظرية الضرورة الشرعيه ازمؤلف: ص ۶۶ وما بعدها.

کے متبادل کوئی غیر حرام طریقہ علاج موجود نہ ہو تب اس کا استعمال درست ہوگا۔

اضطراری حالت کسی مخصوص زمانے کے ساتھ مقید نہیں ہوتی اس لئے کہ مختلف لوگوں کا اس میں اختلاف ❶ ہے۔

سوم: کیا ضرورت سفر وحضر دونوں حالتوں کو شامل ہے؟...... اضطراری حالت میں حرام چیزیں مباح ہو جاتی ہیں چاہے سفر پر ہو یا اپنے مقام پر۔ اس لئے کہ ضرورت والی آیت فمن اضطر الخ (البقرۃ:۲/۱۷۳) مطلق ہے۔ اس میں سفر یا حضر کی قید نہیں لگی ہوئی۔ اور یہ لفظ ہر مضطر اور مجبور کے حق میں عام ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قحط کے دوران حالت حضر میں بھی اضطرار والی کیفیت آ جاتی ہے۔ اور اباحت کا سبب اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانا ہے۔ یہ بات سفر وحضر دونوں حالتوں میں پائی جاتی ہے۔ ❷

گناہ والا سفر...... اس مسئلے میں چاروں مذاہب کا اتفاق ہے۔ سفر کا مقصود اصلی گناہ ہو یا مباح سفر کے دوران اچانک گناہ کا پروگرام بن جائے، ان دونوں صورتوں میں حنفیہ ❸ کے ہاں کوئی فرق نہیں ہے۔ حنابلہ کے ہاں بھی راجح یہی ہے۔ امام مالک ❹ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ گناہ والے سفر میں مضطر کے لئے مردار وغیرہ کھانا جائز ہے لیکن نماز میں قصر کرنا اور روزہ نہ رکھنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ...... البقرۃ:۲/۱۷۳

"جب کہ وہ فساد اور زیادتی کرنے والا نہ ہو۔"

شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے مشہور قول میں۔ ❺ معصیت والے سفر میں اور عام سفر کے دوران معصیت کرنے میں فرق کیا ہے۔ اگر کسی نے ایسا سفر شروع کیا جو ذات کے اعتبار سے گناہ ہے جیسے نافرمان بیوی، ڈاکو اور لوگوں پر ظلم کرنے کی غرض سے سفر کرنے والا...... ایسے آدمی کے لئے حرام کا استعمال اور شرعی رخصتوں سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اسلامی رخصتیں گناہوں سے نہیں جوڑی جا سکتیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ پاک فرماتے ہیں:

غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ...... البقرہ:۲/۱۷۳

"جب کہ وہ فساد یا زیادتی کرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں"۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **باغ** اور **عاد** سے مراد "مسلمانوں کے خلاف فساد کرنے والا اور ان پر زیادتی کرنے والا ہے۔"

جس نے مباح سفر کیا اور سفر کے دوران گناہ کا ارتکاب کر لیا جیسے شراب پی لی تو ایسا آدمی سفر میں گناہ کرنے والا ہے۔ اس کے لئے شرعی رخصتیں مباح ہیں۔ اس لئے کہ وہ سفر سے متعلقہ ہیں اور نفس سفر گناہ نہیں۔

چہارم: ضرورت کی وجہ سے مباح ہونے والی چیز کی جنس...... چاروں مذاہب میں ضرورت کی وجہ سے ہر وہ حرام چیز مباح ہو جاتی ہے جو بھوک پیاس ختم کر سکے جیسے مردار، خنزیر، دوسروں کا کھانا وغیرہ۔ ❻

---

❶...... کشاف القناع: ۶/۱۹۴، المغنی: ۸/۵۹۵۔ ❷ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قرار دیا ہے۔ (المغنی: ۸/۵۹۶) دوسری کتابوں میں بھی یہی ہے (کشاف القناع: ۶/۱۹۴) ❸ التوضیح: ۲/۱۹۴، مسلم الثبوت: ۱/۱۱۳، احکام القرآن الجصاص: ۱/۱۴۷ وما بعدھا۔ ❹ الموافقات: ۱/۳۳۷، احکام القرآن لابن العربی: ۱/۵۸، تفسیر القرطبی: ۲/۲۳۳، القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۳، بدایۃ المجتھد: ۱/۴۶۲۔ ❺ مخطوط قواعد الزرکشی: ق ۱۰۷، الا شباہ والنظائر از سیوطی رحمۃ اللہ علیہ: ص ۱۲۴، مغنی المحتاج: ۱/۲۶۴، ۲۶۸، المغنی: ۸/۲۹۷، الشرح الصغیر: ۱/۴۷۷۔ ❻ الشرح الکبیر للدردیر: ۲/۱۱۵ وما بعدھا، بدایۃ المجتھد: ۱/۴۶۱، القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۳، الدر المختار وردالمحتار: ۵/۲۳۸، مغنی المحتاج: /۵۹۵، کشاف القناع: ۶/۱۹۴۔

حنابلہ نے زہر اور اس جیسی نقصان دہ چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے۔

مالکیہ نے خون، آدمی، خنزیر اور ناپاک چیزوں کا کھانا پینا جیسے پاخانہ، ان سب کو مستثنیٰ کیا ہے البتہ شراب کو غصہ دور کرنے کے لئے استعمال کرنے کی گنجائش ہے نہ کہ بھوک، پیاس مٹانے کے لیے۔ اس لئے کہ شراب سے بھوک، پیاس ختم نہیں ہوتی۔ بعض کے نزدیک مباح ہے۔ مشہور قول کے مطابق اسے بطور دوا استعمال نہیں کر سکتے اگر چہ موت کا خدشہ ہو۔ اسی طرح انہوں نے گمشدہ اونٹ کو بھی مستثنیٰ کیا ہے الا یہ کہ وہ علیٰحدگی کے وقت متعین ہو جائے۔ اگر یہ اور مردار دونوں موجود ہوں تو مردار اس پر مقدم ہوگا۔

بوقت ضرورت انسان کو کھانا...... مذاہب کے ائمہ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمان کا اور ایسے کافر کا قتل مباح نہیں جس کا خون محفوظ ہے۔ اسی طرح ان کا عضو تلف کرنا بھی جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ مثلہ ہے۔ لہٰذا دوسرے کی جان یا عضو کو تلف کر کے اپنی جان بچانا جائز نہیں ہوگا۔ زندہ انسان کا کان مباح نہیں ہوگا۔ اسی طرح شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک انسان کی میت میں سے کھانا جائز نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''میت کی ہڈی توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے۔ ❶ اگر کسی آدمی نے کسی کو مثال کے طور پر یوں کہا: ''میرا ہاتھ کاٹو اور کھالو'' تو یہ حلال نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ انسان کی شرافت اور کرامت کی وجہ سے اضطراری حالت میں بھی اس کا گوشت مباح نہیں ہوتا۔

شافعیہ ❷ فرماتے ہیں کہ اگر مضطر کو کوئی اور مرا ہوا جانور نہ ملے تو مرے ہوئے آدمی کو کھانا جائز ہوگا۔ اس لئے کہ زندہ انسان کا مقام مرے ہوئے سے بڑا ہے۔ البتہ اگر میت نبی کی ہو تو اس کو کسی صورت کھانا جائز نہیں اسی طرح اگر میت مسلمان اور مضطر کافر ہو تو بھی کھانا جائز نہیں ہوگا اس لئے میت کو اسلام کی وجہ سے شرف حاصل ہے۔ خطیب شربینی المنہاج کے شارح فرماتے ہیں کہ مسلمان میت کو کھانا جائز نہیں اگر چہ مضطر مسلمان ہو۔ اس طرح کی استثنائی صورتوں کی وجہ سے شافعیہ دوسروں کے قریب ہو گئے ہیں۔

حنابلہ نے ایسے کافر کی اجازت دی ہے جس کا خون محفوظ نہ ہو جیسے حربی کافر، مرتد، شادی شدہ (محصن) زناکار اور لڑائی میں قتل کرنے والا۔ ❸

اسی طرح شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ مضطر کے لئے حربی کافر اور مرتد کو قتل کر کے کھانے کی اجازت ہے۔ البتہ زندہ حالت میں اعضاء نہیں کاٹے جاسکتے۔ وجہ یہ ہے کہ قتل کے وقت ان دونوں کا خون محفوظ نہیں۔ اور نہ ہی ان کو کوئی شرف حاصل ہے۔ یہ درندے کی طرح ہوئے۔ مضطر کے لئے اس کی موت کے بعد اس کو کھانا جائز ہے۔ اس لئے کہ اس کو کوئی شرف حاصل نہیں۔

اسی طرح ان حضرات کے نزدیک شادی شدہ زناکار (محصن زانی)، ڈاکو اور قصاص والے کو قتل کرنا جائز ہے اگر چہ امام یعنی حاکم وقت نے اجازت نہ دی ہو۔ اس لئے کہ یہ لوگ قتل کے مستحق ہو چکے ہیں۔ رہی امام کی اجازت تو اس کا اعتبار حالت ضرورت کے علاوہ عام حالات میں ہوتا ہے۔ اس سے مقصود امام وقت کا ادب ہوتا ہے اور ضرورت کے وقت ادب کی رعایت نہیں رکھی جاتی۔

مضطر کے لئے ذمی، ❹ مستامن اور معاہد کو قتل کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ ان کا قتل ممنوع ہے۔ اور صحیح تر قول کے مطابق حربی بچے اور حربی

---

❶ ..... اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ، اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ سوائے ایک راوی سعد الانصاری کے۔ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف کہا ہے اور اکثر نے اس کی توثیق کی ہے۔ اس کے ہم معنی ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر کھودنے والے سے کہا جس نے ہڈی نکال لی تھی، اس کو توڑنا مت! اس لئے کہ اس کو مردہ حالت میں توڑنا زندہ حالت میں توڑنے کی طرح ہے۔ اس کو قبر کی ایک طرف دھنسا دینا'' ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میت کی ہڈی توڑنا گناہ میں زندہ کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے۔'' ❷ مغنی المحتاج: ۴/۳۰۷۔ ❸ کشاف القناع: ۶/۱۹۸۔ ❹ ذمی: مسلمان ملک میں رہنے اور جزیہ دینے والا کافر، مستامن: مسلمان ملک میں اجازت سے اور امان لے کر آنے والا کافر، معاہد: وہ کافر جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہو۔ حربی: کافروں کے ملک میں رہنے والا کافر۔

عورت کو قتل کرنا جائز ہے۔اس لئے کہ ان دونوں کا خون محفوظ نہیں۔عام حالت میں ان کا قتل ممنوع ہونے کی وجہ ان کی عزت وعظمت نہیں بلکہ غنیمت حاصل کرنے والوں کا حق ہے۔

پوسٹ مارٹم اور اعضاء کی پیوندکاری

مالکیہ اور حنابلہ اس حدیث ''میت کی ہڈی توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے۔'' پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حاملہ میت کا بچہ نکالنے کے لئے پیٹ چاک نہیں کیا جائے گا۔اس لئے کہ عموماً یہ بچہ زندہ نہیں رہتا۔تو ایک موہوم چیز کی خاطر یقینی بےحرمتی جائز نہیں ہوگی۔

شافعیہ نے میت کا بچہ نکالنے کے لئے اور میت کے پیٹ سے مال نکالنے کے لئے پیٹ چاک کرنے کی اجازت دی ہے۔اسی طرح اگر کسی کا مال نگل لیا ہو تو شافعیہ کی طرح حنفیہ کے ہاں بھی پیٹ چاک کرنے کی اجازت ہے۔بشرطیکہ اس کے پاس ادائیگی کے لئے ترکہ نہ ہو اور کوئی اس کی طرف سے ضامن بھی نہ بنے۔❶

مالکیہ فرماتے ہیں کہ اگر اپنی موت سے پہلے اپنا یا کسی اور کا مال اس کے ضائع ہونے کے خدشے کی وجہ سے یا کسی اور عذر کی وجہ سے نگل لیا اگر وہ کثیر ہو یعنی زکوٰۃ کے نصاب جتنا ہو تو میت کا پیٹ چاک کرنا جائز ہوگا۔لیکن اگر اس نے مثلاً وارث کو محروم کرنے کے ارادے سے ایسا کیا تو بہر صورت پیٹ چاک کیا جائے گا اگرچہ مال کم ہو۔

اباحت کی مذکورہ بالا آراء کی بنیاد پر بوقت ضرورت تعلیم کی غرض سے طبی مقاصد کے لئے یا وفات کا سبب معلوم کرنے اور قتل کے ملزم پر جرم ثابت کرنے کے لئے یا اس طرح کے دیگر جرم وسزا سے متعلقہ مقاصد کے لئے پوسٹ مارٹم کرنا جائز ہے۔جب کہ جرم میں حق تک رسائی اسی پر موقوف ہو۔اس جواز کی وجہ وہ تمام دلائل ہیں جو احکام میں عدل وانصاف کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔تاکہ بے گناہ پر زیادتی نہ ہو اور مجرم سزا سے نہ بچ سکے۔

اسی طرح تعلیم کی خاطر حیوان کا پوسٹ مارٹم جائز ہے۔اس لئے کہ تعلیم کی مصلحت ان کے درد سے بڑھ کر ہے۔

بہر حال مناسب یہی ہے کہ اعضاء کے وظائف کے علم (فزیالوجی) اور جرائم کی چھان بین کے لئے پوسٹ مارٹم میں زیادہ توسع نہ کیا جائے۔بس ضرورت اور حاجت پر اکتفاء کیا جائے۔اور اس میں بھی مرے ہوئے انسان کی حرمت وعظمت کا اچھی طرح خیال رکھا جائے۔اس کے پردے، ستر، اعضاء کو جمع کرنے، کفن پہنانے اور مقصود حاصل ہوتے ہی جسم کو سلائی وغیرہ سے دوبارہ اپنی اصلی حالت پر واپس لانے کا خوب اہتمام کیا جائے۔

اسی طرح جمہور کے نزدیک ایک انسان کے اعضاء دل، آنکھ، گردہ وغیرہ دوسرے میں منتقل کرنا جائز ہے۔

بشرطیکہ جس انسان کے اعضاء منتقل کئے جارہے ہیں اس کی موت کی تصدیق کوئی ایسا طبیب کرلے جو مسلمان، قابل اعتماد اور عادل ہو۔ وجہ یہ ہے کہ زندہ مرے ہوئے سے افضل ہے۔اور انسان کو بصارت یا زندگی مہیا کرنا بہت بڑی نعمت ہے جو کہ شرعاً مطلوب ہے۔انسان کو مہلک امراض اور معذوریوں سے بچانا بوجہ ضرورت جائز ہے۔اور ضرورت کی وجہ سے ممنوع کام بھی مباح ہوجاتے ہیں۔لیکن ان اعضاء کی بیع بالکل جائز نہیں۔جیسا کہ خون کی بیع جائز نہیں۔

اعضاء کی پیوندکاری میں ہبہ اور مکافاۃ کے طور پر تبرع جائز ہے۔اسی طرح اگر ہلاکت یا کسی شدید نقصان کا خطرہ ہو تو خون کا تبرع بھی جائز ہے۔اگر حتمی طور پر عوض دینا ہی پڑے اور رشتے داروں وغیرہ میں سے کوئی تبرع کرنے والا نہ ہو تو ضرورت کی وجہ سے مالی عوض دینا جائز ہے۔

❶.....الدر المختار وردالمحتار ۳/۲۴۶۔

شراب کا بطور دوا استعمال...... چاروں مذاہب ❶ کے ائمہ کرام کے نزدیک راجح یہی ہے کہ شراب اور دیگر نشہ آور چیزوں کو دوا کے طور پر استعمال کرنا یا اس کے علاوہ تیل، کھانے میں یا دوا پگھلانے میں استعمال کرنا حرام ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفا حرام کردہ چیزوں میں نہیں رکھی۔'' ❷ حضرت طارق بن سوید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا یا اس کو بنانا ناپسند فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں دواء کے لئے بنا رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ دواء نہیں ہے، بلکہ یہ بیماری ہے۔'' ❸

حنفیہ فرماتے ہیں ❹ کہ حرام کو بطور دوا استعمال کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں یقینی شفا کا علم ہو اور اس کا متبادل موجود نہ ہو۔ محض شفاء کے گمان سے جائز نہیں۔ طبیب کی بات سے یقین حاصل نہیں ہوتا۔ خنزیر کا گوشت بطور دواء استعمال کرنا جائز نہیں اگرچہ یہ واحد علاج ہو۔

شافعیہ ❺ نے شراب سے علاج کے حرام ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ خالص ہو اور کسی ایسی چیز میں ملی ہوئی نہ ہو کہ اس میں ختم ہو کر رہ جائے۔ اگر شراب کسی دوسری چیز میں ختم ہو کر رہ جائے تو اس کو بطور دواء استعمال کرنا جائز ہے۔

جب کہ اس کے متبادل کوئی صحیح طریقہ علاج نہ ہو۔ اسی طرح ناپاک چیز سے علاج کا بھی یہی حکم ہے۔ جیسے سانپ کا گوشت اور پیشاب۔ اسی طرح مذکورہ چیزوں سے جلد شفایابی کی خاطر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے بارے میں ایک مسلمان اور عادل طبیب خبر دے یا اس کو اس کے ذریعے علاج کا پتہ ہو۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ اتنی کم مقدار استعمال کی جائے جو نشہ آور نہ ہو۔

علامہ عز بن عبدالسلام ❻ فرماتے ہیں کہ ناپاک چیزوں سے دوا کرنا اس وقت جائز ہے جب کہ اس کے متبادل پاک چیز میسر نہ ہو۔ اس لئے کہ صحت وسلامتی کی مصلحت نجاست سے بچنے کی مصلحت سے زیادہ اہم ہے۔ اور صحیح قول کے مطابق شراب سے دوا کرنا اسی وقت جائز ہوتا ہے جب کہ اس سے شفا حاصل ہونے کا علم ہو اور کوئی اور دوا نہ ملے۔

ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ اور قرطبی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ❼ کہ ضرورت کی وجہ سے شراب سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ......البقرۃ: ۲/۱۷۳

لہٰذا ضرورت کی وجہ سے حرمت ختم ہوگئی اور ضرورت نے حرام کو خاص کردیا۔ اس لئے کہ صحیح طریقے سے دوا نہ لینا کبھی کبھی وفات کا سبب بن جاتا ہے۔

---

❶......البدائع: ۵/۱۱۳، الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین: ۵/۳۲۰، المنتقى على الموطا: ۳/۱۵۴، ۱۵۸، التاج والا كليل: ۶/۳۱۸، الشرح الكبير: للدردير: ۴/۳۵۲ وما بعدها، المهذب: ۱/۲۵۱، مغنى المحتاج: ۴/۱۸۷، كشاف القناع: ۶/۱۹۸، زادالمعاد: ۳/۱۱۴، المغنى: ۴/۲۵۵، ۸/۳۰۸، الفوائد البهية فى القواعد الفقهية للشيخ محمود حمزه ص ۲۸۶۔

❷ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ، طبری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی شیبہ نے بھی انہی پر موقوفاً روایت کی ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابویعلی اور بزار نے مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ ❸ اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ: ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ آخری دو نے صحیح کہا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ''حرام کو بطور دواء استعمال نہ کرو۔'' یہ حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے۔ اس کے رجال ثقات ہیں۔ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں منقول ہے۔ ''اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا پیدا فرمائی ہیں۔ اس لئے دوا کو استعمال کرو لیکن حرام کو بطور دوا استعمال نہ کرو۔'' (مجمع الزوائد: ۵/۸۶) ❹ الهدية العلائية للعلامه الشيخ علاؤ الدين عابدين ص ۲۵۱۔ ❺ مغنى المحتاج: ص ۴/۱۸۸۔ ❻ قواعد الاحكام: ۱/۸۱۔ ❼ احكام القرآن لابن العربى: ۱/۵۶ و ما بعدها، تفسير القرطبى: ۲/۲۳۱۔

پیاس کی حالت میں شراب پینا......جمہور فقہاء نے ❶ پیاس، اچھو اور اکراہ کی ضرورت کے وقت بقدر ضرورت شراب پینے کی اجازت دی ہے۔ اس لئے کہ زندگی کی حفاظت ہر اس چیز کی اباحت کا تقاضا کرتی ہے جو پیاس کو بجھائے۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❷ کہ پیاس کی ضرورت کے لئے شراب اس وقت حلال ہوگی جب اس میں کوئی پیاس بجھانے والی چیز ملا دی جائے۔ اگر خالص شراب پی یا ملاوٹ اتنی تھوڑی کی کہ پیاس نہیں بجھا سکتی تو اس کا استعمال جائز نہیں ہوگا۔ اور اس پر شراب والی حد آئے گی۔

پنجم: ضرورت کی وجہ سے کھائی جانے والی چیزوں میں فضیلت کے اعتبار سے ترتیب......جب مضطر اور مجبور آدمی کے پاس مردار بھی ہو، دوسرے کا کھانا بھی ہو، محرم کا شکار بھی ہو اور حلال جانوروں میں سے کوئی ذبح کئے بغیر ہو تو کیا وہ مردار کو مقدم کرے یا کسی اور کو؟ اس مسئلے میں فقہاء کی دو رائیں ہیں:

۱۔ **جمہور**......(حنفیہ، شافعیہ قابل اعتماد قول کے مطابق اور حنابلہ) ❸ فرماتے ہیں کہ مردار کو استعمال میں لائے۔ اس لئے کہ مردار کا کھانا قرآن کی نص سے ثابت ہے۔ دوسرے کا کھانا اور شکار کا مباح ہونا اجتہاد سے ثابت ہے۔ لہٰذا جس پر قران کی نص وارد ہوئی ہے۔ اس کو اختیار کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔ اور اس لئے بھی کہ مردار میں بندوں کا حق نہیں ہوتا۔ دنیا میں نہ آخرت میں۔ اس لئے اس کا کھانا، دوسرے کا کھانا کھانے سے بہتر ہوگا۔ اس لئے کہ بندوں کے حقوق میں سختی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں گنجائش ہے۔ اگر مردار کھانے سے کوئی نقصان ہو گیا تو دوا سے اس کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ حنابلہ کے نزدیک مردار کھانے پر سوال کو مقدم کرنا واجب ہے۔ ❹

اگر محرم کو زندہ اور مردہ شکار مل جائے تو وہ مردہ شکار کھائے۔ اس لئے کہ شکار ذبح کرنا جنایت ہے جو حالت احرام میں جائز نہیں۔ اگر مضطر محرم کو مردار نہ ملے تو شکار کو ذبح کر کے کھا لے۔

اور اگر مضطر کو کھانے کے لئے کچھ نہ ملے تو حنابلہ کے نزدیک اپنے اعضا کھانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اپنے اعضاء کھانے سے بعض اوقات آدمی مر جاتا ہے تو یہ خودکشی ہوئی۔ اپنے اعضاء میں سے کوئی عضو کھانے سے زندہ رہنا یقینی نہیں۔

نووی رحمۃ اللہ علیہ المنہاج ❺ میں فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ کچھ حصہ کاٹنا جائز ہے۔ پورا کاٹنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس طرح کل کو بچانے کے لئے بعض کو تلف کیا جا رہا ہے۔ جواز کی دو شرطیں ہیں۔ پہلی یہ کہ مردار اور اس جیسی کوئی چیز میسر نہ ہو دوسری یہ کہ کاٹنے میں، نہ کھانے کی بنسبت اندیشہ مرگ کم ہو۔ اگر اندیشہ برابر ہو یا زیادہ ہو تو قطعی حرام ہوگا۔ اسی طرح مضطر کے لئے دوسرے مضطر لوگوں کی خاطر اپنے اعضاء کاٹنا قطعی حرام ہے۔ اس لئے کہ دوسروں کے لئے اپنے اعضاء کاٹنے میں ''کل کو بچانے کے لئے بعض کو تلف کرنے'' والی بات نہیں ہے۔ مضطر کے لئے یہ بھی حرام ہے کہ اپنے لئے کسی دوسرے معصوم حیوان کا ٹکڑا کاٹ لے۔

۲۔ **مالکیہ**......مالکیہ فرماتے ہیں ❻ کہ خنزیر کے گوشت پر مردار کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اس لئے کہ خنزیر ذات کے اعتبار سے حرام ہے جب کہ مردار میں حرمت بعد میں آئی ہے۔ اسی طرح محرم مضطر کے لئے مردار ایسے زندہ شکار سے مقدم ہے جس کو محرم نے شکار کیا ہو یا مدد دی ہو۔ البتہ اگر مردار خراب ہو گیا ہو اور اس کو کھانے میں موت کا خدشہ ہو تو مذکورہ شکار کو اولیت حاصل ہوگی۔ اگر مضطر محرم نہ ہو تو محرم کے شکار کو مردار پر مقدم کیا جائے گا۔

---

❶......احکام القرآن لابن العربی: ۱/۱۴۷، بدایۃ المجتہد: ۱/۴۶۲، الافصاح لابن ہبیرہ: ص ۳۷۴، تفسیر القرطبی: ۲/۲۲۸ ❷ المغنی: ۸/۳۰۸، ۳۰۵۔ ❸ الاشباہ والنظائر لابن نجیم: ۱/۱۲۴، احکام القرآن للجصاص: ۱/۱۴۸، مغنی المحتاج: ۴/۳۰۹، المہذب: ۱/۲۵۰، المغنی: ۸/۶۰۰، کشاف القناع: ۶/۱۹۴ وما بعدھا۔ ❹ المغنی: ۸/۶۰۱۔ ❺ مغنی المحتاج: ۴/۳۱۰۔ ❻ الشرح الکبیر: ۲/۱۱۶، القوانین الفقہیہ: ص ۱۷۳، تفسیر القرطبی: ۲/۲۲۹۔

دوسرے کے کھانے کو مردار پر مقدم کرنا مندوب ہے واجب ہیں۔ بشرطیکہ کسی قسم کی اذیت وغیرہ کا خوف نہ ہو۔ اس لئے کہ کھانا پاک ہے اور عام طور پر لوگ مضطر کو کھانا دے دیتے ہیں۔ بہانے بازی نہیں کرتے۔ یہی مذہب معقول ہے۔ بلکہ میں تو دوسرے کے کھانے کو مردار پر مقدم کرنا واجب سمجھتا ہوں تاکہ ضرر سے بچا جا سکے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ❶ فرماتے ہیں کہ اگر مضطر کو مردار اور دوسرے کا کھانا ملے اور اس کھانے میں کوئی خرابی اور ضرر نہ ہو تو اس کے لئے مردار حلال نہیں۔ بلکہ بلا اختلاف دوسرے کا کھانا کھائے۔ ❷

ششم: ضرورت کی وجہ سے کھانے کی جائز مقدار..... کیا مضطر مردار کی طرح حرام کی صرف اتنی مقدار کھائے جو ضرر کو دور کردے یا اس کے لئے پیٹ بھر کر کھانا بھی جائز ہے؟ اس میں فقہاء کی دو رائیں ہیں:

جمہور..... جمہور (حنفیہ، شافعیہ کا راجح قول، حنابلہ کی صحیح روایت اور بعض مالکیہ جیسے ابن ماجشون رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ ❸ فرماتے ہیں کہ مضطر بھوک پیاس مٹانے کے لئے حرام، مردار یا کسی اور کے کھانے میں سے صرف اتنی مقدار کھا پی سکتا ہے جس سے ہلاکت کا خدشہ نہ رہے اور موت سے بچ جائے وہ اتنی مقدار ہے کہ جس سے آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے قابل ہو سکے۔ یعنی گنے چنے چند لقمے اور یہ سلسلہ کھانا ملنے تک جاری رہے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ...... البقرۃ: ۲/۱۷۳

ہاں اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو (اور ان چیزوں میں سے کچھ کھالے) جب کہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ (ضرورت کی) حد سے آگے بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اس وجہ سے بھی کہ ضرورت کی وجہ سے جائز ہونے والی چیز بقدر ضرورت جائز ہوتی ہے مضطر جان بچانے کے بعد مضطر نہیں رہے گا لہٰذا اس کے لئے اب کھانا حلال نہیں رہے گا۔ اور وہ جان بچ جانے کے بعد ایسا ہو جائے گا جیسا مضطر ہونے سے پہلے تھا اس وقت اس کے لئے کھانا مباح نہیں ہوگا اسی طرح حالت ضرورت ختم ہو جانے کے بعد بھی جائز نہیں ہوگا۔

۲۔ **مالکیہ**..... مالکیہ کے قابل اعتماد ❹ قول کے مطابق مضطر کے لئے جائز ہے کہ وہ حرام پیٹ بھر کر کھائے اور اگر اسے سفر میں ضرورت پیش آنے کا خدشہ ہو تو وہ مردار وغیرہ کو زاد راہ کے طور پر ذخیرہ بھی کر سکتا ہے جب اس کی ضرورت نہ رہے تو پھینک دے۔ اس لئے کہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے ان چیزوں کو ساتھ رکھنے میں کوئی نقصان نہیں ہے البتہ ضرورت کے بغیر ان میں سے نہ کھائے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ضرورت نے حرمت ختم کر دی ہے اس لئے آیۃ کریمہ:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ...... البقرۃ: ۲/۱۷۳

"ہاں اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو (اور ان چیزوں میں سے کچھ کھالے) جب کہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ (ضرورت کی) حد سے آگے بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔"..... کے ظاہر کی وجہ سے دوبارہ مباح ہو گئے ہیں اور کھانا نہ ملنے سے ملنے تک کا پورا وقت ضرورت میں شامل ہے اس لئے دوران یہ سب چیزیں مکمل طور پر حلال ہو گئی۔ اور اس لئے بھی کہ مباح ہو جانے والا کھانا حلال

---

❶..... تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۰۵۔ ❷ انہوں نے ایسا ہی کہا ہے۔ لیکن ہم جان چکے ہیں کہ اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ ❸ ردالمحتار: ۵/۲۳۸، المھذب: ۱/۲۵۰، کشاف القناع: ۶/۱۹۴، المغنی: ۸/۵۹۵، ۵۹۷، مغنی المحتاج: ۴/۳۰۷۔ ❹ بدایۃ المجتھد: ۱/۴۶۲، احکام القرآن لابن العربی رحمۃ اللہ علیہ: ۱/۵۵، الشرح الکبیر: ۲/۱۱۲ وما بعدھا القوانین الفقھیۃ: ص ۱۷۳، تفسیر القرطبی: ۳/۲۲۶ ومابعد

کھانے کی طرح جان بچانے کے لئے جائز ہے تو پھر پیٹ بھر کر کھانا بھی جائز ہوگا یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب کبھی کبھار بھوک کی وجہ سے اضطراری حالت آ جائے اگر عمومی فاقے آ جائیں اور مسلسل جاری ہیں تو پھر مردار اور دوسری حرام چیزوں کو پیٹ بھر کر کھانا بلا اتفاق جائز ہے۔

شافعیہ اور صحیح روایت کے مطابق حنابلہ، ❶ مالکیہ کے ساتھ اس مسئلے میں متفق ہیں کہ حرام کو زادِ راہ کے طور پر لے جانا جائز ہے اگرچہ حلال تک پہنچنے کی امید ہو۔ اگر کوئی حلال لقمہ مل گیا تو اسی سے ابتداء کرنا واجب ہے حلال لقمہ کھائے بغیر حرام کھانے کا استعمال جائز نہیں ہوگا تا کہ ضرورت پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے۔

شافعیہ نے تصریح کی ہے کہ اگر روئے زمین پر حرام عام ہو جائے اور حلال کمیاب ہو جائے تو جن جن چیزوں کی احتیاج ہو ان کا استعمال جائز ہوگا محض ضرورت پر اکتفا نہیں کیا جائے گا بلکہ حاجت کو دیکھا جائے گا۔ عزبن عبدالسلام ❷ نے ان حالات میں حرام کے استعمال کو جواز اور ضرورت پر اکتفاء نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ''عمومی مصلحت بھی خاص ضرورت کی طرح ہوتی ہے۔''

ہفتم: **ضرورت کی وجہ سے کھانا چھیننے کا حکم**...... اس مسئلے میں فقہاء کا اتفاق ہے ❸ کہ کھانے کا یا مال کا مالک اگر فی الحال خود اضطراری حالت میں نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ قیمت لے کر ضرورت مند کو یہ چیزیں فراہم کرے۔ تا کہ اس سے بھوک، پیاس، گرمی، اور سردی کی تکلیف یا اس سے لاحق ہونے والے نقصان کو دور کیا جا سکے اگر اس نے انکار کر دیا یا مارکیٹ ریٹ سے زیادہ قیمت مانگی تو اس سے چھیننے کے لئے لڑائی کرنا جائز ہے اگرچہ وہ مسلمان ہو۔ اس لئے کہ مسلمان برے وقت میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ المائدۃ: ۵/۲

''اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کروں۔ اور اس لئے بھی کہ مضطر کو مال یا کھانا دینے سے انکار کرنے والا دراصل اسے جان سے مارنے میں مدد کر رہا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے جس کسی نے مسلمان کو قتل کرنے میں مدد دی اگرچہ ایک آدھی بات سے ہی ہو تو قیامت کے دن اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا: آیس من رحمة الله اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس۔ ❹ اللہ تعالیٰ نے اس طرح روکنے والے کی مطلق مذمت کی ہے۔ ارشاد ہے:

وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۧ الماعون: ۱۰۷/۷

''اور دوسروں کو معمولی چیز دینے سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔''

مضطر کے لئے اس حالت میں مردار کھانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ وہ حقیقت میں مضطر نہیں ہے۔ شرعاً وہ کھانے کی قیمت ادا کرنے کا پابند ہے۔ اس لئے کہ اضطراری حالت کی وجہ سے ہونے والی اباحت ضمان کے یعنی قیمت ادا کرنے کے منافی ❺ نہیں۔

قاعدہ...... **الا ضطرار لایبطل حق الغیر**: اضطرار اور مجبوری دوسرے کا حق باطل نہیں کرتی۔

---

❶ مغنی المحتاج: ۳۰۷/۴، المغنی: ۵۹۷/۸، کشاف القناع: ۱۹۴/۶۔ ❷ قواعد الاحکام: ۱۶۰/۲۔ ❸ رد المحتار: ۲۳۸/۵، الموافقات: ۳۵۲/۲، الشرح الکبیر: ۱۱۶/۲، وما بعدھا، مغنی المحتاج: ۲۵۰/۱، المھذب: ۲۵۰/۱، کشاف القناع: ۱۹۵/۶، غایۃ المنتھی: ۳۱۶/۱، المغنی: ۶۰۲/۸ الطرق الحکمیہ ص ۲۶، ط السنۃ المحمدیۃ، الحسبۃ لا بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ: ص ۴۰، القواعد لا بن رجب: ص ۲۲۷۔ ❹ اس حدیث کو امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ ضعیف ہے۔ ❺ شرح الملجد للاتاسی۔ ص ۴۶، وما بعدھا، للمحاسنی: ص ۶۰ وما بعدھا، الفروق: ۱۹۵/۱، حاشیۃ الجمل علی المنھج، القواعد لا بن رجب: ص ۳۶، ۲۸۶، القواعد والفوائد: لا بن الحام الحنبل: ص ۴۳۔

عمومی قحط کے زمانے میں مالک پر لازمی نہیں ہے کہ وہ مضطر لوگوں کو کھانا دے "لان الضرر لا یزال بالضرر"۔ اس لئے کہ ضرر کو ضرر سے دور نہیں کیا جاتا۔ ❶

ہشتم: **ضرورت یا حاجت کے مخصوص حالات**......ضرورت کی کچھ مخصوص صورتیں یہ ہیں۔ باغ کے پاس سے گزرنے والے کے لئے باغ کے پھل کھانا، کھیتی کے پاس سے گزرنے والے کے لئے کھیتی کی فصل استعمال میں لانا اور جانوروں کے پاس سے گزرنے والوں کے لئے اس کا دودھ استعمال کرنا۔

نمبر ۱۔ **باغات کے پھل کھانا**......اگر راہ چلتے ہوئے کسی کے باغ سے گزر ہوا جس میں پھل دار درخت تھے تو بوقت ضرورت ان کو کھانا جائز ہے اگر چہ باغ کے گرد دیوار (حائط) ہو بشرطیکہ قیمت ادا کرنے (اگر ضرورت نہ ہو تو جمہور فقہاء ❷ کے نزدیک مالک کی اجازت کے بغیر اس سے کچھ لینا جائز نہیں اسی طرح ساتھ لے جانا بھی جائز نہیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "کسی مسلمان کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔" ❸ دوسری حدیث میں ہے کہ: "یقیناً تمہارے خون مال اور عزتیں تم پر اس دن (یوم عرفہ) کی طرح حرام ہیں۔ ❹ دینی اعتبار سے یہ رائے پاکیزگی تقویٰ اور احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔ ❺ حنابلہ فرماتے ہیں بھوک کی حالت میں پھولوں کے پاس سے گزرنے والے کے لئے کھانا جائز ہے ساتھ لے جانا جائز نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر باغ کی دیوار نہ ہو تو بھوک کی حالت میں اس سے کھالے اور اگر بھوک نہ ہو تو نہ کھائے۔ ایک سے زائد صحابہ کرام نے ایسا کیا ہے۔ اگر اس کی دیوار ہو تو نہ کھائے اس لئے کہ یہ دیوار حفاظتی چاردیواری (حریم) کے مشابہ ہوگئی اور اس لئے بھی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے اگر اس کی دیوار ہو تو یہ حفاظتی چاردیواری کی طرح ہے۔ لہٰذا اس میں سے نہ کھاؤ اور اگر اس کے گرد دیوار نہ ہو تو کھانے میں کوئی حرج نہیں علاوہ ازیں دیوار کے ذریعے پھلوں کو محفوظ بنانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مالک حریص ہے وہ اس مسئلے میں چشم پوشی نہیں کرے گا۔

دیوار کی عدم موجودگی میں بوقت ضرورت پھل کھانے کا جواز اس حدیث سے ثابت ہے۔ "اگر باغ میں سے کوئی ضرورت مند کچھ لے لے تو اس پر کچھ لازم نہیں بشرطیکہ ❻ جھولی بھر کر نہ لئے جائے اگر کچھ لے گیا تو اس پر تاوان مثلی اور سزا آئے گی۔" ❼ دوسری حدیث میں ہے: "جب آپ کا گزر کسی باغ سے ہو تو باغ والے کو تین بار آواز دو اگر اس نے جواب دے دیا تو ٹھیک ورنہ اس کے پھل خراب کئے بغیر استعمال کرو" ❽ ابی زینب التیمی سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ اور ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سفر کیا۔ وہ پھلوں کے پاس سے گزرتے ہوئے ان میں سے تناول فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ "کھالے پر جھولی بھر کر نہ لے جائے۔" ❾

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے بغیر دیوار والے باغات کے پھل کھانے کی مطلقاً اجازت دی ہے چاہے گزرنے والا بھوکا ہو یا نہ ہو۔ اقناع کے متن اور کشاف القناع میں لکھا ہے ❿ "جس کا گزر باغ کے درختوں پر لگے ہوئے پھلوں یا نیچے

---

❶...... کشاف القناع: ۱۹۸/۶۔ ❷ ردالمحتار: ۲۳۸/۵، المہذب: ۲۵۱/۲، المیزان للشعرانی: ۵۹/۲۔ ❸ اس حدیث کو حاتم اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابوحمید ساعدی سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: (ترجمہ) "کسی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی کی دلی رضامندی کے بغیر اس کی لاٹھی لے لے۔" ❹ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ہر مسلمان کا خون مال اور عزت دوسرے پر حرام ہے۔ ❺ المغنی: ۵۹۷/۸۔ ❻ الخبنة: جس کو آپ گود میں اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ یعنی جھولی بھر کر لے جانا۔ ❼ اس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اس کو ہم صرف یحییٰ بن سلیم کی حدیث سے جانتے ہیں۔ ❽ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے رجال ثقہ ہیں۔ سعید رحمۃ اللہ علیہ نے حسن رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت کی ہے۔ ❾ المغنی: ۵۹۸/۸۔ ❿ کشاف القناع: ۱۹۸/۶، وما بعد۔

گرے ہوئے پھلوں کے پاس سے ہو، باغ کی دیوار اور رکھوالا کوئی نہ ہو تو اس میں سے مفت میں کھانا جائز ہے۔ اگر چہ مسافر یا مضطر نہ ہو، اور سے کھانے کی حاجت نہ ہو۔ اسی طرح اگر اس نے ٹہنیوں پر لٹکے پھل پتھر وغیرہ مارے بغیر اور درخت پر چڑھے بغیر کھالئے تو یہ بھی جائز ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث کی وجہ سے۔

حقیقت حال...... درحقیقت یہ ان لوگوں کا عام عرف تھا۔ ان کی عادت ہوا کرتی تھی کہ وہ راہ گیروں کے پھل کھانے سے اور گرے ہوئے پھل مالک کی اجازت کے بغیر کھانے سے چشم پوشی کر لیتے تھے۔ الا یہ کہ وہ خود چن رہا ہو یا لوگوں کو لینے سے منع کر رہا ہو۔ ❶

۲۔ فصل استعمال کرنا...... جو کوئی کھیتی کے پاس سے گزرے اور حاجت کی وجہ سے اس میں سے کھانا چاہے اس کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔

پہلی روایت یہ ہے کہ کھیتی کی فصل کھانا جائز نہیں۔ رخصت پھلوں میں ہے کھیتی میں نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کھیتی کے استعمال کے بارے میں ہم نے کچھ نہیں سنا۔ پھل اور کھیتی میں فرق یہ ہے کہ پھلوں کو اللہ تعالیٰ نے تازہ تازہ کھانے کے لئے پیدا کیا ہے اور دل ان کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جب کہ کھیتی کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ❷

دوسری روایت یہ ہے کہ روندی ہوئی فصل کھانا جائز ہے اس لئے کہ عموماً یہ تازہ تازہ کھائی جاتی ہے۔ اس طرح یہ پھلوں کے مشابہ ہوگئی۔
ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پھلوں وغیرہ میں بہتر یہی ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر نہ کھائے جائیں۔ اس لئے کہ اس میں اختلاف ہے اور بعض احادیث اس کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔

۳۔ دوسروں کے مویشی دوہنا...... جانوروں کا دودھ دوہنے میں بھی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ ❸

ایک روایت یہ ہے کہ حاجت مند کے لئے دوسروں کے مویشی دوھ کر پینا جائز ہے۔ لیکن ساتھ لے کر نہ جائے۔ اس لئے کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ”تم میں سے کوئی اگر مویشیوں کے پاس سے گزرے، اگر مالک موجود ہو تو اس سے اجازت لے اگر وہ اجازت دے دے تو دودھ دوھ کر پی لے۔ اگر مالک نہ ہو تو تین مرتبہ آواز لگائے۔ اگر کوئی جواب دے تو اس سے اجازت لے۔ اگر جواب نہ ملے تو دودھ دوھ کر پی لے اور ساتھ لے کر نہ جائے۔“ ❹

دوسری روایت یہ ہے کہ دودھ دوہنا اور پینا جائز نہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”کوئی بھی کسی کے جانور بلا اجازت نہ دوہے۔ کیا کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی جگہ پر آیا جائے، ذخیرہ توڑا جائے اور کھانا لے جایا جائے۔ ان لوگوں کے مویشیوں کے تھن ان کے لئے کھانا ذخیرہ کرتے ہیں۔ لہٰذا کوئی بھی کسی کے مویشی بلا اجازت نہ دوہے۔“ یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ”اس لئے کہ ان کے مویشیوں کے تھنوں کا دودھ گھر کی چیزوں کی طرح ہے۔“ ❺

چوتھا مقصد...... ولیموں اور منکرات والی ضیافتوں کی دعوتیں قبول کرنا اور کھانے کے آداب

اول: ولیموں اور منکرات والی ضیافتوں کی دعوتیں قبول کرنا...... ولیموں کی دعوت قبول کرنا مشروع ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”سب سے برا کھانا ایسے ولیمے کا کھانا ہے جس میں آنے والوں کو روک لیا جاتا ہے اور نہ آنے والوں کو بلایا جاتا ہے۔ جس نے دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کی۔“ ❻ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ شادی کا ولیمہ

---

❶ ......الاشباه والنظائر للسيوطي: ص ٨١. ❷ المغني: ٨/٥٩٩. ❸ المغني: ٨/٥٩٩. ❹ المغني: ٨/٥٩٩. ❺ اس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ❻ متفق عليه.

سنت ہے۔ اس لئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب شادی کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "ولیمہ کرو! چاہے بکری ہی کیوں نہ ہو۔" ❶ شافعیہ اس حدیث کی وجہ سے ولیمے کو واجب کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض مستحب کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ ایک خوشی کے موقع کا کھانا ہے۔ اس لئے دوسری دعوتوں کی طرح واجب نہیں ہوگا۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ ❷

حنفیہ کے نزدیک دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ ❸ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک واجب ہے بشرطیکہ اس میں منکرات اور لہو ولعب نہ ہو۔ ❹ مالکیہ کے نزدیک ❺ ولیمے کی دعوت قبول کرنا واجب ہے۔ اپنے حلقہ احباب کو دوستی میں دی جانے والی دعوت قبول کرنا مستحب ہے۔ عقیقہ وغیرہ کی دعوت قبول کرنا جائز ہے۔ فخر مباہات کے لئے کی جانے والی دعوت قبول کرنا مکروہ ہے۔ اور ایسے آدمی کی دعوت قبول کرنا حرام ہے جس کا ہدیہ لینا حرام ہو جیسے مقروض کا ہدیہ اور فریقین میں کسی ایک کا ہدیہ قاضی کے لئے۔ مالکیہ کے نزدیک یہ تفصیل حسن ہے۔

کھانے سے فارغ ہونے والے کے لئے کھانا کھلانے والے کے لئے دعا کرنا مستحب ہے۔ اس لئے کہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاں افطاری کی اور فرمایا:

افطر عندکم الصائمون واکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملئکة

"(اللہ کرے) روزے دار آپ کے ہاں افطار کریں، فرشتے آپ کے لئے دعائے مغفرت کریں اور نیک لوگ آپ کا کھانا کھائیں۔"

دعوت قبول کرنے سے مانع گناہ...... اگر دعوت کی مجلس میں جانے سے پہلے معلوم ہو کہ وہاں گناہوں کا ارتکاب ہوگا مثلاً لھو ولعب، گانا بجانا اور موسیقی ہوگی، مجسمے لگے ہوں گے، دیواروں، پردوں اور تکیوں پر تصویریں ہوں گی...... تو نہ جائے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "میری امت میں لازماً کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو شراب، خنزیر، ریشم اور گانے بجانے کے آلات کو حلال سمجھیں گے۔" ❻ دوسرے الفاظ یوں ہیں۔ "میری امت کے کچھ لوگ شراب نام بدل کر پیا کریں گے، ان کے سامنے گانا بجانا ہوگا اور گانے والیاں گایا کریں گی۔ ❼ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ زمین میں دھنسا دیں گے۔ اور بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیں گے۔ ❽

اگر دعوت میں آنے کے بعد اچانک گناہ شروع کر دیا جائے...... اگر وہ دسترخوان پر ہو جیسے شراب تو وہاں نہ بیٹھے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

❷...... اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور باقیوں نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔ ترجمہ "سب سے برا کھانا ولیمے کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو بلایا جاتا ہے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جس نے دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ (نصب الرایة: ٤/ ٢٢١) ❶ اس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب ستہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ❸ المغنی: ٧/ ٢۔ ❹ تکملہ الفتح: ٨/ ٨٧، تبین الحقائق: ٦/ ١٣۔ ❺ المهذب: ٢/ ٦٤، المغنی: ٧/ ٢، مغنی المحتاج: ٣/ ٢٤٥۔ ❻ القوانین الفقهیه: ص ١٩٤، المهذب: ٢/ ٦٤۔ ٦٥، غایة المنتهی: ٣/ ٧٧، الشرح الصغیر: ٣/ ٥٠٠ وما بعدها۔ ❼ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن غنیم سے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ٢/ ٩٢) الخز: اون اور ریشم سے بنا ہوا کپڑا۔ ❽ آلات موسیقی کے بغیر گانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مطلقاً حرام ہے اور اس کو سننا گناہ ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں حدیثیں مطلق ہیں۔ اگر اچانک سن لے تو کوئی گناہ نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ قافیوں کی سوجھ بوجھ اور فصاحت جیسے مقاصد کے لئے گانے میں کوئی حرج نہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ تنہائی کی وحشت دور کرنے کے لئے جائز ہے لیکن لہو ولعب کے لئے جائز نہیں۔ یہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔ اگر اشعار میں حکمتیں یا عبرتیں ہوں یا کسی غیر معین عورت کا ذکر ہو تو مکروہ نہیں (تبیین الحقائق: ٦/ ١٤) شافعیہ کہتے ہیں کہ باجوں گانوں کی بغیر گانا مکروہ ہے۔ گانے کے بغیر بھی باجوں گاجوں کا استعمال حرام ہے۔ (المهذب: ٢/ ٣٢٦ ومابعد)

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اس حدیث کو ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔
''یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔'' اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دسترخوان پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے جس پر شراب پی جارہی ہو۔اسی طرح پیٹ کے بل گر کر کھانے سے بھی منع فرمایا۔''

اگر وہ منکر دسترخوان پر نہ ہو بلکہ گھر میں ہو تو اگر روک سکتا ہو تو روکے۔اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:''جو کوئی برائی ہوتے دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے۔اگر استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے۔اگر اس کی استطاعت بھی نہ ہو تو دل سے برا جانے۔اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''❶ اگر روک نہ سکتا ہو تو اگر وہ پیشوا ہو تو وہاں سے چلا جائے۔بیٹھا نہ رہے۔اس لئے کہ اس سے دین پر حرف آتا ہے اور مسلمانوں کے لئے گناہ کا دروازہ کھلتا ہے۔اگر پیشوا نہ ہو تو صبر سے وہیں بیٹھا رہے اور کھانا کھائے۔اس لئے کہ دعوت قبول کرنا سنت ہے۔❷

دوم: کھانے کے آداب:.....سنت نبوی(على صاحبها الصلوٰة والسلام) میں کھانے پینے کے بہت سے آداب آئے ہیں۔جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:❸

کھانے پینے کے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمدللہ پڑھنا سنت ہے۔شروع میں بسم الله الرحمن الرحيم کہے۔اگر شروع میں بھول جائے تو بسم الله اوله وآخره کہے۔بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھے تاکہ پاس والوں کو بھی تلقین ہو جائے۔جب تک سب کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں الحمدللہ اونچی آواز سے نہ کہے۔الحمدللہ یوں کہے:

الحمدلله حمداً كثيرا طيباً مباركاً فيه❹ یا الحمدلله الذى اطعمنى وسقانى من غير حول منى ولاقوة

دائیں ہاتھ سے کھانا پینا مستحب ہے۔ان سب باتوں کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا:''بسم اللہ کہو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔''❺ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے:''جب کوئی کھانا کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب پانی پیئے تو دائیں ہاتھ سے پیئے اس لئے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔''❻ کھانا اپنے سامنے سے ایک جگہ سے کھانا چاہیۓ الا یہ کہ طشتری میں مختلف قسم کے پھل رکھے ہوں تو جہاں سے چاہے کھائے۔اس لئے کہ یہ مختلف قسمیں(الوان) ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

تین انگلیوں سے کھانا مستحب ہے اس لئے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔❼ اسی طرح کم کھانا بھی مستحب ہے۔اس لئے پیٹ کے تین حصے کر لئے جائیں۔ایک تہائی کھانے کے لئے، ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے۔اسی طرح کھانا کھاتے

---

❶ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔❷ تكملة الفتح، تبيين الحقائق: سابقہ جگہ، المهذب: ۶۴/۲، مغنى المحتاج: ۲۴۷/۳۔❸ الدر المختار ورد المحتار: ۲۳۹/۵، القوانين الفقهيه: ص ۴۳۲ وما بعدها، مغنى المحتاج: ۲۵۰/۳، ۳۱۰/۴، المغنى: ۲۱۴/۸-۲۱۲۔❹ صحيح بخارى۔❺ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، شیخین رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔(نیل الاوطار: ۸/ ۱۶۱)❻ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ: مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے۔(نیل الاوطار: ۸/ ۱۶۱)❼ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ہوئے دراز ہو کر نہ بیٹھے اور ٹیک نہ لگائے۔ ❶ حنفیہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ کھانے اور پینے میں پھونک نہ مارے۔ برتن میں سانس نہ لے۔ لقمے چھوٹے بنانے، زیادہ دیر چبانے اور اطمینان سے کھانے میں اپنے ساتھ والوں کی موافقت کرے۔ برتن کے منہ سے نہ پیئے۔ کھڑے ہو کر پینا جائز ہے لیکن افضل بیٹھ کر پینا ہے۔ اگر بہت سے لوگوں کو پانی پیش کیا جارہا ہو تو پہلے کے بعد دائیں طرف والے ترتیب سے لیتے جائیں۔

میٹھا کھانا، کھانے میں بہت سے ہاتھوں کو شریک کرنا، مہمان کا اکرام کرنا اور کھانے پر تھوڑی بہت اچھی گفتگو کرنا سنت ہے۔ بالکل خاموش رہنا مجوسیوں سے مشابہت کی وجہ سے مکروہ ہے۔ ❷

اگر کھانا کسی دوسرے کا ہو تو اس کی برائی بیان کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے ایذا رسانی ہوتی ہے۔ اگر کھانا اپنا ہو تو مکروہ نہیں۔ برتن کی نچلی جانب سے کھانا سنت ہے۔ درمیان یا اوپر سے کھانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ برکت درمیان میں اترتی ہے۔ ❸ یہ بھی سنت ہے کہ کھانے پینے کی ابتداء اور انتہاء نمک سے کی جائے۔ اس لئے کہ اس سے ستر بیماریوں سے شفاء ملتی ہے۔ کھانے کے لئے بیٹھتے وقت بائیں ٹانگ بچھائے اور دائیں ٹانگ کھڑی کرے۔ گرم کھانا نہ کھائے اور کھانے کو سونگھے بھی نہیں۔

دوسری بحث: شرابیں..... شرابوں سے متعلقہ بحث میں ان کے حلال حرام ہونے، مشکیزوں اور برتنوں میں نبیذ بنانے اور شراب کو سرکہ بنانے کا حکم بیان ہوگا۔

اول: شرابوں کا حکم..... علماء کا اتفاق ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں اصل اباحت ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرۃ: ۲/ ۲۹)

''وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔''

لہٰذا آسمان سے برسنے والی، زمین سے ابلنے والی اور پھلوں پھولوں سے نچڑنے والی ہر چیز حلال ہے۔ تمام مذاہب (یہاں مذاہب کے مفتی بہ اقوال کا اتفاق مراد ہے یعنی حنفیہ میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مذاہب کے تمام ائمہ کرام) ❹ نشہ آور شرابوں کے حرام ہونے پر متفق ہیں چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ، کچی ہو یا پکائی ہو اور خمر (انگور کا نشہ آور شیرہ) ہو یا دوسری شرابیں ہوں جو کشمش، کھجور، شہد، انجیر یا اناج مثلاً گندم، گیہوں، مکئی وغیرہ سے بنائی جاتی ہیں۔ حنفیہ کے سوا دوسرے ائمہ کرام کے نزدیک شراب پینے والے پر حد جاری کی جائے گی چاہے کم پئے یا زیادہ۔ جب کہ حدود کی بحث میں آئے گا۔ اور حنفیہ کے نزدیک خمر کے سوا دوسری شرابوں میں نشے کے بغیر حد نہیں لگے گی اور خمر تھوڑی پئے یا زیادہ حد لگے گی۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''ہر نشہ آور چیز خمر یعنی شراب ہے۔ ❺ اور ہر خمر حرام ہے۔'' ''جس شراب کی تھوڑی مقدار نشہ آور ہو تو میں اس کی تھوڑی مقدار سے منع کرتا ہوں۔'' جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو تو اس کی تھوڑی مقدار بھی

---

❶ ..... امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بہت سے محدثین نے حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تو ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔'' (نیل الاوطار: ۸/ ۱۶۱) ❷ حنفیہ فرماتے ہیں کہ ٹیک لگا کر کھانے کی تمام صورتیں خلاف سنت ہیں۔ ❸ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''برکت کھانے کے درمیان میں نازل ہوتی ہے۔ اس لئے کناروں سے کھایا کرو۔ درمیان سے نہ کھایا کرو۔ (نیل الاوطار: ۸/ ۱۶۰)

❹ البدائع: ۵/ ۱۱۷، نتائج الانکار: ۸/ ۱۶۰ ومابعدها، الدر المختار: ۵/ ۳۲۳، اللباب: ۳/ ۲۱۵، بداية المجتهد: ۱/ ۴۵۷ و ما بعد، الشرح الكبير والدسوقی: ۴/ ۳۵۲، القوانين الفقهيه ص ۱۷۴، مغنی المحتاج: ۴/ ۱۸۷، المهذب: ۲/ ۲۸۶، المغنی: ۸/ ۳۰۴ وما بعدها، كشاف القناع: ۶/ ۱۱۶ وما بعدها۔ ❺ اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا (نصب الراية: ۴/ ۲۹۵)

حرام ہے۔''(1) ''انگور کی بھی شراب ہوتی ہے۔اور میں تمہیں ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔''(2)

وہ تمام شرابیں حرام ہیں جو نقصان دہ ہوں جیسے زہر وغیرہ اور جو ناپاک ہو جیسے بہتا خون، پیشاب اور انسان کے سوا دیگر نہ کھائے جانے والے جانوروں کا دودھ اور وہ چیز جو ناپاک ہو جائے جیسے وہ مائع چیز جس میں نجاست پڑ جائے صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے کہ یہ انسان کے لئے نقصان دہ ہیں۔

شراب کو کسی اور چیز میں ملانا.....شراب ملا پانی پینا بالاتفاق حرام ہے اس لئے کہ اس میں شراب کے ذرات ہوتے ہیں ایسا پانی پینے والے پر تعزیر آئے گی۔اگر شراب پانی سے زیادہ ہو تو حد واجب ہوگی۔اس لئے کہ اس میں شراب کا نام بھی باقی ہے اور معنی بھی۔اسی طرح پکی ہوئی شراب پینا بھی حرام ہے۔اس لئے کہ پکانے سے حرام حلال نہیں ہو جاتا۔اگر پی لی تو حد لازم ہوگی۔اس لئے کہ شراب کا نام اور معنی دونوں باقی ہیں۔(3)

حنفیہ کے نزدیک شراب سے گوندھی ہوئی روٹی کھانا مکروہ تحریمی ہے۔اس لئے کہ اس میں شراب کے ذرات ہوتے ہیں۔ایسی روٹی کھانے والے پر تعزیر آئے گی۔حنفیہ کے سوا دیگر آئمہ کے نزدیک یہ حرام ہے۔البتہ حد بالاتفاق نہیں جاری ہوگی۔اختلاف صرف نام دینے میں اور اصطلاح میں ہے۔جو دلیل ظنی سے ثابت ہو جیسے قیاس اور خبر واحد سے تو حنفیہ اسے مکروہ تحریمی کہتے ہیں جس کے مرتکب کو عقاب ہوگا۔جمہور اسے حرام کہتے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک شراب کی پچکاری لگانا(4) اور ناک میں چڑھانا مکروہ تحریمی ہے۔اس لئے کہ یہ حرام اور ناپاک چیز سے فائدہ اٹھانا ہے۔لیکن اس سے حد واجب نہیں ہوتی۔اس لئے کہ حد پینے پر واجب ہوتی ہے۔شافعیہ اور مالک کے نزدیک بھی شراب کی پچکاری لگانے اور ناک میں چڑھانے سے حد جاری نہیں ہوتی۔حنابلہ کے نزدیک پچکاری لگانے سے حد نہیں آتی لیکن ناک میں چڑھانے سے حد آتی ہے۔اس لئے کہ اس نے شراب حلق کے ذریعے سے اندر پہنچائی ہے۔(5)

حنفیہ (6) کے نزدیک شراب کی تلچھٹ (7) پینا اور بالوں کی چمک بڑھانے کے لئے کنگھا کرتے ہوئے استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے۔اس لئے کہ اس میں شراب کے ذرات بکھرے پڑے ہیں۔اور گزشتہ احادیث کی بنیاد پر تھوڑی شراب بھی زیادہ کی طرح ہے۔لیکن اس کے پینے والے کو نشے کے بغیر حد نہیں لگائی جائے گی اسلئے کہ اس کو خمر نہیں کہا جاتا۔حنفیہ کے سوا(8) دوسرے ائمہ کے نزدیک تلچھٹ پینا حرام ہے۔اس کی وجہ سے حد جاری ہوگی۔اس لئے کہ یہ بلاشبہ شراب ہے۔

زہریلی دوائیں......(9) حنابلہ کے صحیح قول کے مطابق جن دواؤں میں زہر شامل ہوتی ہے اگر ان کے پینے یا استعمال کرنے سے آدمی عام طور پر مر جاتا ہو یا پاگل ہو جاتا ہو تو ان کا پینا مباح نہیں۔اور اگر عام طور پر ان کے پینے سے آدمی صحیح وسالم رہتا ہو اور ان سے نفع کی بھی امید ہو تو بہتر یہی ہے کہ ان کا پینا مباح ہو، تاکہ اس سے زیادہ خطرناک چیز یعنی بیماری کو دور کیا جاسکے۔اور اس لئے بھی کہ اکثر دواؤں سے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ان کو مباح اسی لئے کہا گیا ہے تاکہ ان سے زیادہ خطرناک چیز یعنی بیماری کو دور کیا جاسکے۔

---

(1)......نو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے (نصب الرایة: ۳۰۱/۴ وما بعد) (2) اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی کے سوا تمام اصحاب سنن نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔(التلخیص الحبیر: ص ۳۵۹) (3) سابقہ حوالے، مغنی المحتاج: ۱۸۸/۴، المغنی: ۳۰۶/۸۔ (4) تکملة الفتح: ۱۶۷/۸۔ (5) الشرح الکبیر: ۳۵۲/۴، مغنی المحتاج، المغنی گزشتہ جگہ، کشاف القناع: ۱۱۸/۶۔ یہ ملحوظ رہے کہ آخری حوالے میں، نشہ آور چیز کے حقنے سے یا ناک میں چڑھانے سے حد جاری ہونے کا لکھا ہوا ہے۔ (6) تکملة الفتح: ۱۶۷/۸۔ (7) دردی الخیر: شراب کا میٹالا پن یا گدلا پن: دردی الشی: آخر میں بچ جانے والی چیز۔اس سے مراد شراب کے برتن سے نیچے بچ جانے والی تلچھٹ ہے۔ (8) مغنی المحتاج: ۱۸۸/۴۔ (9) المغنی: ۴۰۱/۱۔

منشیات.....تمام منشیات حرام ہیں۔منشیات سے مراد ہر وہ چیز ہے جو جسم اور عقل کے لئے نقصان دہ ہو۔جیسے بھنگ،افیون وغیرہ۔اس لئے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نشہ آور اور سست کرنے والی چیزوں سے منع فرمایا ہے۔"❶ اور اس لئے بھی کہ منشیات عقل اور جسم کے لئے نقصان دہ ہیں۔ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نشہ آور چیزوں سے اعمال ختم ہو کر رہ جاتے ہیں۔سستی، ڈھیلا پن اور کمزوری آجاتی ہے۔

منشیات.....یعنی نشہ آور چیزوں اور منشیات کے حکم سے مستثنیٰ چیزیں۔ضرورت کی وجہ سے تھوڑی سی نشہ آور چیز استعمال کرنا مباح ہے۔جیسے حلق میں اٹکے ہوئے لقمے کو اتارنے کے لئے..... جب کہ شراب کے علاوہ کوئی اور مشروب دستیاب نہ ہو۔اسی طرح ضرورت اور حاجت کے وقت الکحل ملی دوائیں استعمال کرنا مباح ہے۔جب کہ کوئی اور دواء میسر نہ ہو۔آپریشن کے لئے اور شدید درد کو آرام پہنچانے کے لئے نشہ آور چیز کا استعمال ضرورت کی وجہ سے مباح ہے چاہے حقنہ کیا جائے پیا جائے یا نگلا جائے۔

غیر نشہ آور شرابیں......وہ تمام شرابیں جن میں نشہ نہیں ہوتا ان کا استعمال حلال ہے۔اس لئے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔
غیر نشہ آور شرابوں میں سے ❷ منصف (وہ شراب جس کو پکا کر آدھا کر دیا گیا ہو) مکروہ تحریمی ہے۔یہ وہ شراب ہے جو چھوارے اور پختہ کھجور سے بنتی ہے۔اسی طرح خلیطان (دو مکس شرابیں) بھی مکروہ تحریمی ہیں۔یہ گدر کھجور اور پختہ کھجور یا چھوارے اور کشمش سے بنتی ہیں جب تک کہ جوش نہ آئے یا تین دن نہ گزریں۔اگر مدت کم ہو تو مکروہ نہیں لہٰذا نبیذ (یعنی چھوارے، کشمش یا اناج کو پانی میں ڈالنا) اگر اتنی تھوڑی مدت میں بنائی جس میں نشہ پیدا ہونے کا احتمال نہ ہو جیسے ایک دن یا ایک رات تو مباح ہے۔اس لئے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کشمش بھگو کر رکھتے تھے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اسی دن، دوسرے دن اور تیسرے دن کی شام تک پیتے تھے۔پھر اس کو بہا دینے کا کہہ دیتے تھے۔
مکروہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیطان (دو مکس شرابوں) سے منع فرمایا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے:"سرخ ❸ اور زرد گدر کھجور اور پختہ کھجور ملا کر نبیذ نہ بناؤ۔اور نبیذ اور پختہ کھجور ملا کر نبیذ نہ بناؤ۔بلکہ ہر ایک کی علیٰحدہ نبیذ بناؤ۔"❹ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوارے اور کشمش اور چھوارے اور گدر کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔"❺ اور اس لئے بھی کہ مکس کرنے سے رنگ بدلنے سے پہلے ہی تیزی سے نشہ آ جاتا ہے۔پینے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ نشہ آور نہیں ہے حالانکہ وہ نشہ آور ہوتی ہے۔

فقاع، سوبیا اور نبیذ العنب......مالکیہ اور حنابلہ ❻ نے تصریح کی ہے کہ فقاع پینے میں کوئی حرج نہیں۔(فقاع وہ شراب ہوتی ہے جو گیہوں اور چھوارے سے بنتی ہے۔بعض کے نزدیک اسے کہتے ہیں جس میں کشمش وغیرہ ڈال دی جائے یہاں تک کہ حل ہو جائے۔) اس لئے کہ یہ نشہ آور نہیں ہوتی۔یہ کھانا ہضم کرنے کے لئے بنائی جاتی ہے۔
ان حضرات کے نزدیک سوبیا بھی حلال ہے۔یہ چاول کو خوب پکا کر بنائی جاتی ہے یہاں تک کہ چاول پانی میں پگھل جاتے ہیں۔پھر اس کو صاف کیا جاتا ہے اور اس میں چینی ڈالی جاتی ہے تا کہ میٹھی ہو جائے۔

---

❶......اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔❷ الشرح الکبیر لدر دیر: ۲/۱۱۷، بدایۃ المجتهد: ۱/۴۶۰ وما بعدها، القوانین الفقهیه: ص ۱۷۴، مغنی المحتاج: ۴/۱۸۷، کشاف القناع: ۶/۱۲۰، المغنی: ۸/۳۱۸۔ ❸ الزهو: ایسی گدر کھجور جس میں سرخی یا زردی آجائے اور تیار ہو جائے۔بسر (گدر کھجور) کھجور کی ایک معروف قسم ہے۔❹ متفق علیه عن ابی قتادہ رضی اللہ عنه (نیل الاوطار: ۸/۱۸۵) ❺ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (نیل الاوطار: ۸/۱۸۵)۔❻ کشاف القناع: ۶/۱۲۰، المغنی: ۸/۳۱۸، بدایۃ المجتهد: ۱/۴۵۹، المنتقیٰ علی المؤطا: ۳/۱۵۳۔

نبیذ العنب بھی حلال ہے۔ یہ انگور کا وہ پانی ہوتا ہے جس کو جوش دیا جائے یہاں تک کہ گاڑھا ہو جائے۔ اور ابتدائی جوش سے پیدا ہونے والا نشہ ختم ہو جائے۔ اس کو رب صامت/ فاموش شیرہ بھی کہتے ہیں۔ یہ شرابیں اسی وقت حلال ہوتی ہیں جب نشے سے اطمینان ہو۔ اسی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ شیرہ اور اس جیسے دوسرے مربہ جات مباح ہیں اس لئے کہ ان میں نشہ نہیں۔

دوم: **مشکیزوں اور برتنوں میں نبیذ بنانا**...... چمڑے کے مشکیزوں میں نبیذ بنانا (ایسی نبیذ جو فی نفسہ مباح ہو) علماء کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے برتنوں میں اختلاف ہے۔

حنفیہ..... حنفیہ کے ❶ نزدیک تمام برتنوں میں نبیذ بنانا جائز ہے۔ اگرچہ وہ ❷ دباء، حنتم، مزفت اور نقیر ہوں۔ (یہ برتنوں کے نام ہیں جن میں عرب نبیذ اور شراب بنایا کرتے تھے۔ وضاحت حاشیے میں ہے) اس لئے کہ ان میں بننے والی شراب میں سست کر دینے والی شدت نہیں ہوتی۔ ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت اس حدیث سے منسوخ ہے: ”میں تمہیں چمڑے کے برتنوں کے علاوہ (دیگر برتنوں) سے منع کرتا تھا۔ اب ہر برتن میں پیو۔ ہاں نشہ آور چیز نہ پیو! ❸ دوسری روایت میں ہے: ”میں تمہیں برتنوں سے منع کرتا تھا۔ برتن کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرتا۔ ہاں نشہ آور چیزیں حرام ہیں۔“ ❹

مالکیہ..... مالکیہ ❺ فرماتے ہیں کہ صرف دباء اور مزفت میں نبیذ بنانا مکروہ ہے۔ دیگر ٹھیکری کے برتنوں اور دوسرے برتنوں میں مکروہ نہیں۔ اگرچہ کافی مدت گزر جائے۔ جب تک نشے کا گمان نہ ہو۔ مکروہ ہونے کی علت یہ ہے کہ جس برتن میں نبیذ بنائی جا رہی ہو اس میں جلد نشہ آنے کا خدشہ ہو۔ ایسے ہی برتن پر کراہت کا حکم لگ سکتا ہے نہ کہ دوسروں پر۔

شافعیہ اور حنابلہ..... شافعیہ اور حنابلہ کا قول بھی ❻ حنفیہ کی طرح ہے کہ ہر طرح کے برتن میں نبیذ جائز ہے۔

سوم: شراب کا سرکہ بن جانا اور بنانا

خود بخود سرکہ بن جانا...... فقہاء کا اتفاق ہے کہ شراب جب خود بخود سرکہ بن جائے تو اس کو کھانا جائز ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سرکہ بہترین سالن ہے۔ ❼ اگر شراب دھوپ سے سایے کی طرح یا اس کے برعکس منتقل کی جائے اگرچہ سرکہ بنانے کی نیت ہو تو حنفیہ، شافعیہ، ظاہریہ اور حنابلہ کے ایک قول کے مطابق سرکہ حلال ہوگا۔ اس لئے کہ ناپاک اور حرام ہونے کی علت۔ نشہ، ختم ہو گئی اور اس کی جگہ برتن میں کوئی نجاست نہیں آئی۔ اس لئے یہ حلال ہو گیا۔ حنابلہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ایسا سرکہ پاک نہیں۔ اس لئے کہ یہ شراب فعل سے سرکہ بنی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اس میں کوئی ❽ چیز ڈال کر سرکہ بنایا جائے۔ (جو کہ ان کے نزدیک جائز نہیں)

---

❶..... تکملة الفتح: ۱۶۶/۸، اللباب شرح الکتاب: ۲۱۶/۳۔ ❷ الدباء: خشک کدو سے بنایا ہوا برتن۔ الحنتم: سبز رنگ کا روغن لگا مٹکا۔ المزفت: وہ برتن جس کو روغن فار لگایا ہوا ہو۔ یہ شراب میں جلد تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ النقیر: لکڑی میں کھود کرید کر کے پیالے کی طرح بنا دینا۔ ❸ اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (نصب الرایة: ۳۰۸/۴ وما بعد، نیل الاوطار: ۱۸۳/۸) ❹ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے سوا بہت سے محدثین نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ❺ الشرح الکبیر: ۱۱۷/۲، بدایة المجتهد: ۴۶۰/۱، القوانین الفقهیه: ص ۱۷۴۔ ❻ شرح مسلم للنووی رحمة الله علیه: ۱۵۸/۱۳، کشاف القناع: ۱۲۰/۶، المغنی: ۳۱۸/۸۔ ❼ اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب سنن نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ سے روایت کیا (نصب الرایة: ۳۱۰/۴) ❽ دیکھئے: المبسوط: ۲۴/۷، البدائع: ۱۱۳/۵ وما بعدها، تکمله الفتح: ۱۶۶/۸، تبیین الحقائق: ۴۸/۶، الدرالمختار ۳۲۰/۵، مغنی المحتاج: ۸۱/۱، شرح المحلی علی المنهاج: ۷۲/۱، بدایة المجتهد: ۴۶۱/۱، القوانین الفقهیه: ص ۱۷۵، منتقی الموطا. ۱۵۳/۳، المغنی: ۳۱۹/۸، المحلی: ۱۱۸/۱۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شراب کے سرکہ بن جانے کی پہچان یہ ہے کہ کڑواہٹ کھٹاس میں بدل جائے۔ بایں طور کہ کڑواہٹ بالکل باقی نہ رہے۔ اگر کچھ کڑواہٹ باقی ہو تو پینا جائز نہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک شراب اس وقت تک سرکہ نہیں بنتی جب تک اس میں شراب کی پوری حقیقت نہ آ جائے جیسا کہ شراب کی حد میں آئے گا۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تھوڑی سی کھٹاس آنے سے بھی شراب سرکہ بن جاتی ہے۔ وہ شراب میں سرکے کے وصف کا ظہور کافی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ان کے نزدیک شیرے میں شراب کی علامت ظاہر ہونے سے شیرہ شراب بن جائے گا۔ بظاہر دیگر فقہاء کی بھی یہی رائے ہے۔

شراب کو سرکہ بنانا..... شراب کو فعل سے سرکہ بنانے کے لئے اس میں کوئی چیز مثلاً نمک، سرکہ، مچھلی، گرم روٹی یا پیاز ڈالا جائے یا اس کے قریب آگ جلائی جائے جس سے وہ کھٹی ہو جائے تو حنفیہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔ اور اس کا پینا حلال ہے اس لئے کہ یہ اصلاح ہے اور اصلاح مباح ہوتی ہے۔ حنفیہ اس کو کھال کی دباغت پر قیاس کرتے ہیں کہ دباغت کھال کو پاک کر دیتی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: ”جس کھال کی دباغت کی گئی وہ پاک ہو جاتی ہے۔“ ❶ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردہ بکری کی کھال کے بارے میں فرمایا: ”اس کی دباغت اس کو پاک کر دے گی جس طرح شراب کا سرکہ پاک ہو جاتا ہے۔“ ❷

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کا سرکہ بنانے کی اجازت دی۔ اور شراب کے سرکے کا حلال ہونا شرعاً ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”بہترین سرکہ شراب کا سرکہ ہے۔“ ❸ اور گزشتہ حدیث: ”سرکہ بہترین سالن ہے“ خود بخود سرکہ بننے اور بنانے میں فرق نہیں کرتی۔ لہٰذا نص مطلق ہوئی۔

اور اس لئے بھی کہ سرکہ بنانے سے فساد والا وصف ختم ہو جاتا ہے اور شراب کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اور اصلاح کرنا مباح عمل ہے۔ جیسا کہ گزر چکا۔ اس لئے کہ یہ شراب کو بہا دینے کے مشابہ ہے۔

جب شراب سرکہ بن گئی تو تبعاً اس کے گرد والا برتن بھی پاک ہو جائے گا جیسا کہ برتن کا اوپر والا حصہ (یعنی وہ حصہ جس سے نیچے نیچے شراب تھی) پاک ہے۔

مالکیہ...... مالکیہ کے ہاں شراب کو فعل سے سرکہ بنانے کے بارے میں تین قول ہیں۔ ایک قول ممانعت اور حرمت کا ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی نے شراب کی چھال ہدیہ کی تو آپ نے اسے گرانے کا حکم دیا۔ ❹ اگر اس کا سرکہ بنانا جائز ہوتا تو اس کو بہا دینا درست نہ ہوتا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا سرکہ بنانے کا کہتے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ شراب کو سرکہ بنانے کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ اس لئے کہ شراب کے حرام ہونے کی علت نشہ تھی۔ جب علت ختم ہوگئی تو حرمت بھی ختم ہوگی۔ جیسے اگر شراب خود بخود سرکہ بن جائے۔

تیسرے قول میں تفصیل ہے، اس شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے جو مالک کے ہاں خود بخود بن گئی تھی۔ شراب بنانے کا ارادہ نہیں تھا۔ اور اس

---

❶ ...... اس کو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن اسناد کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ❷ اس کو دارقطنی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ضعف ہے۔ (نصب الرایۃ: ۱/۱۱۹، ۴/۳۱۱) ❸ اس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے المعرفہ میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس کی روایت میں مغیرہ بن زیاد متفرد ہیں اور وہ قوی نہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ اہل حجاز انگور کے سرکے کو شراب کا سرکہ کہتے تھے۔ (نصب الرایۃ: ۴/۳۱۱) ❹ اس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (نیل الاوطار: ۸/۱۶۹) الراویۃ: یہ پانی کی بڑی مشک کو کہتے ہیں جو تین کھالوں سے بنتی ہے۔ اس میں پانی رکھا جاتا ہے۔

شراب کا سرکہ بنانا جائز نہیں جو خود نہ بنی ہو بلکہ اسے بنایا گیا ہو۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شراب کا اپنے فعل سے سرکہ بنانا جائز نہیں۔ اور نہ ہی وہ اس سے پاک ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہمیں شراب سے اجتناب کرنے کا حکم ہے۔ جب کہ سرکہ بنانے سے آدمی مال بنانے کے لئے شراب کے قریب ہوجاتا ہے۔ یہ اجتناب کے خلاف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شراب میں ڈالی جانے والی چیز اس سے ملتے ہی ناپاک ہوجائے گی۔ اور یہ سرکہ بننے کے بعد اسے ناپاک کردے گی۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب شراب کی حرمت پر سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کو بہادینے کا حکم دیا۔ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یتیموں کے حوالے سے پوچھا کہ انہیں وراثت میں شراب ملی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کو بہادو'' انہوں نے پوچھا کیا میں اس کا سرکہ نہ بنادوں۔'' فرمایا ''نہیں۔'' ❶ یہ نہی حرمت کا تقاضا کرتی ہے۔ اگر اس کی اصلاح کی کوئی صورت ہوتی تو اس کو بہادینا جائز نہ ہوتا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف رہنمائی فرماتے، بالخصوص اس وقت کہ یہ یتیموں کا مال تھا جس میں زیادتی حرام ہے۔ ❷

تیسری بحث: لباس، استعمال اور زیور.....لباس اور زیب وزینت میں اصل اباحت ہے۔ چاہے یہ کپڑے میں ہو، بدن میں یا جگہ میں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا.....البقرۃ: ۲/ ۲۹

''وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے، تمہارے لئے پیدا کیا۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ......الاعراف: ۷/ ۳۲

''تو کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو، جو اس نے پیدا کی اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی۔'' (ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

اسی طرح ارشاد باری ہے:

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِیْشًا ......الاعراف: ۷/ ۲۶

''اے اولاد آدم کی! ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرم گاہیں اور اتارے آرائش کے کپڑے۔''

''ریش'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق ہر ظاہری کپڑے اور سامان کو کہتے ہیں جسے پہنا جائے یا بچھایا جائے۔

مذاہب کے آئمہ کرام کا اتفاق ہے ❸ کہ برتنوں، کتابت اور زیب وزینت وغیرہ کے سامان میں سونے چاندی کا استعمال مردوں عورتوں کے لئے حرام ہے۔ سوائے خرید وفروخت کے۔ لہٰذا سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا، پینا، تیل لگانا، سرمہ لگانا، خوشبو لگانا اور وضو کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح سونے چاندی کی گھڑیاں، قلم، اسٹیشنری، آئینے اور بناؤ سنگھار کا سامان استعمال کرنا جائز نہیں۔ اپنے گھروں اور بیٹھکوں کی سونے چاندی سے آرائش جائز نہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''سونے چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور نہ ہی ان کے برتنوں ❹ میں کھاؤ اس لئے کہ یہ دنیا میں کافروں کے لئے ہیں اور آخرت میں تمہارے لئے ہیں۔'' ❺ ایک اور حدیث میں ہے: ''چاندی کے

---

❶.....اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا۔ (نصب الرایة: ۴/ ۳۱۱) ❷ دیکھئے فقہی انسائیکلوپیڈیا کویت میں شرابوں کے بارے میں میرا مقالہ۔ مقالات میں سے یہ پہلا مقالہ شائع ہوا ہے۔ ❸ دیکھئے تکملة الفتح ۸/ ۸۱۔۸۲، اللباب: ۴/ ۱۵۹ ومابعدها، شرح الرسالہ لابن ابی زید القیروانی: ۲/ ۳۷۱۔۳۷۳، حاشیة الباجوری علی ابن القاسم: ۱/ ۴۲، المغنی: ۱/ ۷۵۔۷۸، المهذب: ۱/ ۱۱ مابعدها، بجیرمی الخطیب: ۳/ ۲۹۴ ومابعدها۔ ❹ الصحاف: صحفة کی جمع ہے۔ الصحفہ وہ برتن جو پانچ آدمیوں کو سیر کردے۔ ❺ متفق علیه عن حذیفة بن الیمان رضی الله عنه (سبل السلام: ۱۰/ ۲۹)

برتن میں پینے والا اپنے پیٹ میں غٹا غٹ جہنم کی آگ بھر رہا ہے۔'' ❶

شافعیہ اور حنابلہ نے حنفیہ کے برخلاف سونے اور چاندی کے برتن رکھنا حرام قرار دیا ہے۔اس لئے ان کو رکھنا ان کے استعمال تک لے جاتا ہے۔جس چیز کا استعمال مطلقاً حرام ہے اس کو قابل استعمال بنانا بھی حرام ہے۔شافعیہ فرماتے ہیں کہ ان کو رکھنا حرام ہے چاہے تجارت کے لئے ہی کیوں نہ ہوں۔اس لئے کہ سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال ہر ایک کے لئے منع ہے۔اس کے برعکس ریشم کو تجارت کے لئے رکھنا جائز ہے۔اس لئے کہ اس کا استعمال ہر ایک کے لئے ممنوع نہیں۔

مستثنیات......ضرورت اور حاجت کی وجہ سے سونے چاندی کی حرمت سے درج ذیل امور مستثنیٰ ہیں:

۱......ناک کٹ جائے یا دانت گر جائے تو اس کے لگانے میں سونے چاندی کا استعمال جائز ہے۔یہ جمہور کی رائے ہے۔حنفیہ میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دانت سونے سے نہ باندھے جائیں بلکہ چاندی سے باندھے جائیں۔حنفیہ مزید فرماتے ہیں کہ انگوٹھی کے نگینے کو مضبوط کرنے کے لئے سونے کی کیل لگانے میں کوئی حرج نہیں۔اس لئے کہ یہ اس کے تابع ہے۔شافعیہ فرماتے ہیں کہ مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی کی دھار جس سے نگینے کو مضبوط کیا جاتا ہے......حرام ہے۔

۲......سونے چاندی سے آلات کا ملمع کرنا بوقت ضرورت جائز ہے۔بشرطیکہ اتنا تھوڑا ہو کہ آگ پر گرم کرنے سے کچھ حاصل نہ ہو۔یا اس کو جدا نہ کیا جا سکے۔

۳......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چاندی سے ملمع یعنی مزین کیے ہوئے برتن میں پانی پینے اور وضو کرنے کو، اسی طرح ایسی زمین پر سوار ہونے کو اور ایسی چار پائی پر بیٹھنے کو جائز کہا ہے۔

۴......انہوں نے ایسے برتن اور کرسی کو بھی جائز کہا ہے جس پر سونے اور چاندی کا پتر چڑھا ہوا ہو۔یہی حکم ہے کہ اگر اس کو تلوار میں یا آئینے کے حلقے میں رکھا جائے یا قرآن مجید پر سونے یا چاندی کا ملمع کیا جائے اسی طرح لگام، رکاب اور سونے چاندی کی لکھائی والے کپڑے کا بھی یہی حکم ہے۔سونے کے پانی سے قرآن مجید کو آراستہ کرنا اور مسجد کے نقش و نگار اور آرائش کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ مقصود تعظیم ہو اگر دکھلاوہ مقصود ہو تو مکروہ ہے۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ موروثی تلوار اور قرآن مجید کی چاندی سے (سونے سے نہیں) آرائش میں کوئی حرج نہیں البتہ لگام چھری اور زین وغیرہ میں درست نہیں۔ان کے نزدیک سونے چاندی کا پانی چڑھائی ہوئی چیز اور سونے چاندی کا پتر چڑھائے ہوئے برتن کے بارے میں دو قول ہیں ایک ممانعت کا اور دوسرا کراہت کا۔

شافعیہ فرماتے ہیں کہ سونے چاندی کے ملمع کئے ہوئے برتن کو آگ پر رکھنے سے کچھ حاصل ہو تو حرام ہوں گے ورنہ حلال۔چاندی کے پتر ❷ والے برتن کا پترا اگر عرف کے مطابق بڑا ہو اور زیب و زینت کے لئے ہو تو حرام ہے اگر بڑا ہو لیکن ضرورت کے لئے ہو تو کراہت کے ساتھ بڑے اگر چھوٹا ہو اور زینت کے لیے ہو تو مکروہ ہے اگر ضرورت کے لئے ہو تو مکروہ نہیں دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عاصم الاحول سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ''میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ دیکھا وہ ٹوٹ گیا تو انہوں نے چاندی سے جوڑ دیا۔''

---

❶......متفق علیہ عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا (نصب الرایہ: ۴/۲۲۰، سبل السلام: ۱/۳۰) الجرجرۃ: پانی کے پیٹ میں جانے کی آواز، غٹا غٹ۔ ❷ کہا جاتا ہے ضبب الاناء والباب ونحوهما: یعنی برتن اور دروازے وغیرہ کو مضبب کیا گیا۔یعنی اسے بکی لگا کر ٹھیک کیا گیا۔ملمع کرنے سے زیب و زینت مقصود ہوتی ہے جب کہ مضبب کرنے سے مضبوطی مقصود ہوتی ہے۔

سونے کا پتر کسی صورت جائز نہیں چھوٹا ہو بڑا ضرورت کے لئے ہو یا زیب وزینت کے لئے سارا سونے کا ہو یا کچھ حصہ سونے کا ہو۔ اگرچہ سرمے کی سلائی جتنا ہو۔

چاندی سے قرآن مجید کی آرائش مرد عورت دونوں کے لئے جائز ہے۔جنگلی آلات جیسے تلوار نیزہ کمر بند وغیرہ کی چاندی سے سجاوٹ مردوں کے لئے جائز ہے اس لئے کہ اسے کفار کو تپ چڑھتی ہے البتہ یہ عورتوں کے لئے جائز نہیں۔ جو جنگی آلات پہنے نہیں جاتے جیسے زین لگام وغیرہ ان کی سجاوٹ جائز نہیں عورت کے لئے قرآن مجید کی سونے سے سجاوٹ بھی جائز ہے۔

نوٹ......سجاوٹ اور آرائش سے پتلے پتلے ٹکڑے رکھنا مراد ہے۔

دیواروں اور چھت پر سونے چاندی کا پانی چڑھانا حرام ہے چاہے آگ کے گرم کرنے سے کچھ نکلے یا نہ نکلے کعبہ اور دوسری مساجد کو سونے چاندی سے آراستہ کرنا حرام ہے۔اسی طرح ان کو سونے چاندی کے تاروں پر ریشمی کپڑے کا پہناوا پہنانا بھی حرام ہے۔

حنابلہ کا قول شافعیہ کی طرح ہے کہ زیادہ سونے چاندی سے بنے ہوئے پتر والی چیزیں حرام ہیں چاہے حاجت ہو یا نہ ہو۔صرف ضرورت کے لئے تھوڑا سا سونا مباح ہے جیسے سونے کی ناک اور دانت باندھنے کا تار تھوڑی سی چاندی لوگوں کی حاجت کے لئے مباح ہے۔

فقہاء نے سونے چاندی کے حرام ہونے کی علت تکبر اور فضول خرچی بتائی ہے۔زیادہ صحیح علت یہ ہے کہ سونا چاندی اشیاء کی قیمتوں اور رائج الوقت نقدی کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اگر اس کا استعمال مباح کر دیا جائے تو بازاروں پر اس کا اثر پڑے گا اور لوگوں کو پریشانی ہوگی۔

سونے چاندی کے علاوہ دوسری نفیس چیزوں کے برتن استعمال کرنا جائز ہے جیسے یاقوت، زمرد، شیشہ، بلور، عقیق، زبرجد، مرجان، موتی، تانبے اور سیسے وغیرہ کے برتن اس لئے کہ ان میں سونے چاندی والی بات نہیں پائی جاتی اور اشیاء میں اصل اباحت ہے اور اس لئے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تانبے کے برتن سے وضو فرمایا۔❶

ریشم اور سونے چاندی کی انگوٹھی پہننا......مردوں کے لئے ریشم اور سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے عورتوں کے لئے ریشم اور ہر طرح کی انگوٹھی پہننا اور سونے چاندی کے زیورات استعمال کرنا جائز ہے۔❷ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ" سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لئے حلال ہے اور مردوں کے لئے حرام ہے۔"❸ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا۔❹ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو سے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا" جو آگ کے انگارے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے اپنے ہاتھ میں پہن

---

❶... شیخین رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔فرماتے ہیں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم نے ان کے لئے پیتل کے برتن میں پانی نکالا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا۔" ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں: میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیتل کے برتن میں غسل کیا کرتے تھے۔تور: پینے کا ایک برتن۔ الصفر: پیتل۔ الشبہ: اعلاوا پیتل۔❷ تکملة الفتح: ۸/۸۳، ۹۱۔۹۷، اللباب: ۴/۱۵۷۔۱۵۸، تبیین الحقائق: ۶/۱۴ وما بعدھا: الدر المختار: ۵/۲۵۵، شرح الرسالہ: ۲/۳۷۱ وما بعدھا، المنتقی علی المؤطا: ۷/۲۵۴، المھذب: ۱/۱۱ بجیر می الخطیب: ۲/۲۲۷۔۲۳۰، ۲۹۵، نیل الاوطار: ۲/۸۱۔۸۳، الدر المباحة فی الحظر والاباحة للشیبانی الخلاوی: ص ۲۴ وما بعدھا، کشاف القناع: ۲/۲۷۵۔۲۷۹، المغنی: ۵۸۸۱۔۵۹۱۔❸ اس کو ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ترمذی نے اس کو دوسرے الفاظ کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔اس معنی میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔ (نصب الرایة: ۴/۲۲۲۔۲۲۵)❹ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سوا بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔(نصب الرایة: ۴/۲۳۵)

لے۔" ❶ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" دنیا میں ریشم وہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کچھ حصہ نہ ہو۔" ❷

مردوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی...... مذاہب کے ائمہ کرام نے مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی کو مستثنیٰ کہا ہے اور اس کا پہننا مباح قرار دیا ہے بشرطیکہ چاندی تھوڑی ہو۔ اس کی مقدار حنفیہ کے ہاں ایک مثقال (۲،۹۷۵ گرام) اور اس سے کم کم ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اگر دو درہم سے زیادہ نہ ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی مقصود ہو تو جائز ہے۔ شافعیہ کے صحیح قول کے مطابق اس کی مقدار مثقال سے کم ہے۔ درحقیقت اس میں عرف عام پر اعتماد کیا جائے گا۔ چاہے مثقال سے کم ہو یا زیادہ اگر عرف اور عادت سے زیادہ ہو تو حرام ہوگی۔ انگوٹھی دائیں ہاتھ کی چھنگلیا (چھوٹی انگلی) میں پہنیں اگر کسی انگلی میں پہنی تو شافعیہ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ سلطان قاضی اور حاجت مند کے سوا دوسروں کے لئے انگوٹھی نہ پہننا بہتر ہے۔ اور حاجت سے مراد مہر لگانا وغیرہ ہے۔

مردوں کے لئے شادی منگنی وغیرہ کسی حال میں بھی سونے کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اگر غیر مسلموں کی پیروی مقصود ہو تو حرمت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

حنفیہ...... کے نزدیک انگوٹھی کی طرح چاندی والا پٹکا (جس سے مرد کمر باندھتے ہیں) چاندی والا پٹکا استعمال کرنے اور تلوار میں چاندی کا زیور لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ چاندی والی جگہ پر ہاتھ نہ لگے اس لئے کہ ان کی اباحت میں بھی کئی روایات وارد ہوتی ہیں۔

انگوٹھی کے بارے میں صحاح ستہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی سے ایک انگوٹھی بنائی تھی جس کا نگینہ حبشی تھا۔ اس میں محمد رسول اللہ نقش تھا۔

تلوار کے بارے میں بہت سی روایات وارد ہیں۔ ان میں سے ایک روایت وہ ہے جو امام ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا"

پٹکے کے بارے میں ابن سید الناس الیعمری العمری عیون الاثر میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک چمڑے کا پٹکا تھا۔ جس کے تین حصے بنے ہوئے تھے۔ اس کا حلقہ، بکسوا اور طرف چاندی کے تھے۔ ❸

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ریشم کا تکیہ بنانے بچھونا بنانے اور اس پر سونے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ اس میں اس کا استخفاف اور تذلیل ہے۔ تو یہ چٹائی کی تصویروں کی طرح ہو گیا کہ اس پر بیٹھنا جائز ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ ریشم کا تکیہ یا بچھونا بنانا یا اس پر بیٹھنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ نہی عام ہے اور اس لئے کہ یہ ان عجمیوں کا لباس ہے جن کا خیر میں کچھ حصہ نہیں۔

صاحبین کے نزدیک جنگ میں ضرورت کی وجہ سے دیباج پہننے میں کوئی حرج نہیں (دیباج وہ ریشمی کپڑا ہے جس کا تانا بانا دونوں ریشم کے ہوں یعنی اچھا والا ریشمی کپڑا) اس لئے کہ جنگ میں اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ لوہے کے اثر انداز ہونے میں رکاوٹ بنتا ہے اور دشمنوں کے دلوں میں رعب پیدا کرتا ہے۔ یہ اپنی چمک دمک کی وجہ سے دشمن کو ہیبت زدہ کرتا ہے۔ حضرت حکم بن عمیر سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں ریشمی لباس کی رخصت دی ہے ❹ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مکروہ کہا ہے۔ اس لئے کہ نہی عام ہے اور ضرورت مخلوط کپڑے سے پوری ہو جاتی ہے۔

---

❶......صحیح مسلم (نصب الرایۃ: ۴/۲۲۵) ❷ اس کو شیخین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/۲۲۲) ❸ الابزیم: جو پٹکے وغیرہ کے آخر میں ہوتا ہے۔ اس کا منہ ہوتا ہے جس میں دوسری طرف داخل ہوتی ہے۔ ❹ اس کو ابن عدی نے الکامل میں روایت کیا ہے۔ اس میں ایک راوی ضعیف ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے لیکن ان سے بھی "غریب" ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/۲۲۷)

حنفیہ نے جنگ اور عام حالات دونوں میں ملحم کپڑا پہننے کو مباح کہا ہے یہ ایسے مخلوط کپڑے کو کہتے ہیں جس کا تانا ریشم اور بانا ریشم کے علاوہ کسی اور کا ہو۔ جیسے کاٹن، سوت یا خز (ریشم ملی اون کا کپڑا جس کا تانا ریشم اور بانا اون کا ہوتا ہے) اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خز یعنی ریشم ملی اون کا کپڑا پہننا کرتے تھے۔ اور اس لئے بھی کہ بنائی بانے سے ہوتی ہے اور اعتبار بھی اسی کا ہوتا ہے نہ کہ تانے کا۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو کہ بانا ریشم ہو اور تانا ریشم کا نہ ہو تو حالت امن میں اس کا پہنا جائز نہیں اور جنگ میں پہننے میں حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق کوئی حرج نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک ریشم کی قلیل مقدار جائز ہے اس لئے کہ تھوڑا معاف ہوتا ہے اس کی مقدار تین چار انگل ہے جیسے دھاری، حاشیہ ترپائی وغیرہ۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا سوائے دو انگل، تین انگل یا چار انگل جتنی" ❶ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جبہ پہنا ہوا تھا جس کی ترپائی ریشم سے کی ہوئی تھی۔ ❷

ضرورت کی وجہ سے ستر چھپانے اور جسم کو گرمی سردی سے بچانے کے لئے ریشم پہننا جائز ہے۔ تا آنکہ دوسرے مباح کپڑے مل جائیں۔ اس لئے کہ ضرورت کی وجہ سے ممنوع کام مباح ہو جاتے ہیں۔ اور ضرورت بقدر ضرورت ہوتی ہے۔

مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک جوؤں اور ان جیسی کسی تکلیف یا خارش اور اس جیسی کسی بیماری کو دور کرنے کے لئے ضرورت کی وجہ سے ریشم پہننا جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کھجلی کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دی۔ ❸ مالکیہ کے نزدیک اس مقصد کے لئے بھی جائز نہیں۔ یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ولی کے لئے مکروہ ہے کہ مذکر بچوں کو سونا چاندی اور ریشم پہنائے۔ اس لئے کہ مردوں کے لئے یہ چیزیں حرام ہیں۔ جب پہننا حرام ہے تو پہنانا بھی حرام ہوگا۔ جیسے شراب کہ اس کا پینا حرام ہے تو پلانا بھی حرام ہے۔

حنابلہ کے صحیح قول کے مطابق ولی کے لئے بچوں کو ریشم پہنانا حرام ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "ریشم کا استعمال میری امت کے مردوں کے لئے حرام اور عورتوں کے لئے حلال ہے۔" امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ "ہم ریشمی لباس لڑکوں سے اتار دیتے تھے اور لڑکیوں پر چھوڑ دیتے تھے۔"

جمہور..... حنفیہ کے سوا جمہور کے نزدیک ریشم پر بیٹھنا، اس کا تکیہ بنانا، اس سے ٹیک لگانا اور اس سے دیواروں کے پردے بنانا حرام ہے۔ ہاں مالکیہ نے کھڑکی کے پردے کی اور حنابلہ نے خانہ کعبہ کے پردے کی اجازت دی ہے۔ شافعیہ فرماتے ہیں کہ اگر درمیان میں کوئی چیز حائل ہو جیسے کاٹن، اون یا سوت کی چادر وغیرہ تو ریشم پر بیٹھنا جائز ہے۔ اس پر جمہور کی دلیل حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سونے چاندی کے برتن میں کھانے پینے سے، ریشم سے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔" ❹

حنفیہ کی طرح جمہور نے بھی ریشم کی قلیل مقدار جائز قرار دی ہے۔ جیسے چار انگل کی مقدار نقش ❺ ونگار مالکیہ کے نزدیک ریشم ملی اون (خز) کا لباس کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ سلف کا لباس رہا ہے۔ جمہور کے دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالص ❻ ریشم کے کپڑے سے منع

---

❶..... اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (نصب الرایۃ: ۲۲۵/۴)۔ ❷ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو عبداللہ ابی عمر، مولی اسماء بنت ابی بکر سے روایت کیا ہے۔ اس کو ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے (نصب الرایۃ: ۲۲۶/۴) ❸ اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے۔ لیکن ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، الفاظ یہ ہیں: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جوؤں کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ریشم کی قمیص پہننے کی اجازت دے دی۔ (نیل الاوطار: ۸۸/۲) ❹ صحیح بخاری (نیل الاوطار: ۸۵/۲) ❺ العلم: اعلمت الثوب: یعنی میں نے اس کے نقش ونگار اور ڈیزائن وغیرہ بنائے۔ علم علامت کو کہتے ہیں۔ ❻ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا: (نیل الاوطار: ۹۰/۲)

فرمایا۔ ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''کپڑے کے تانے اور نقش ونگار (کے ریشمی ہونے) میں ہم کوئی حرج نہیں سمجھتے۔'' ❶

ریشم اور غیر ریشم سے بنے گئے کپڑے میں شافعیہ اور حنابلہ غالب کا اعتبار کرتے ہیں۔ اگر غیر ریشم یعنی کاٹن وغیرہ زیادہ ہو تو جائز ہوگا۔ اس لئے کہ ریشم ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ مالکیہ کا صحیح قول یہ ہے کہ مخلوط ریشمی کپڑا خالص کی طرح مکروہ ہے چاہے ریشم کم ہو یا زیادہ۔ حنابلہ کا راجح قول حنفیہ کی طرح ہے کہ بچے کے ولی کے لئے اس کو ریشم پہنانا جائز نہیں۔ شافعیہ نے بچے اور مجنون کو ریشم پہنانے کی اجازت دی ہے اس لئے کہ یہ غیر مکلف ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک مردوں کے لئے زرد رنگ میں رنگا ہو کپڑا اور زعفران میں رنگا ہوا کپڑا، سرخ اور پیلا مکروہ ہے۔ عورتوں کے لئے مکروہ نہیں۔ وہ سارے رنگ پہن سکتی ہیں۔

چوتھی بحث...... ہمبستری کرنا، دیکھنا، چھونا، لہو ولعب، تصویر، جانور کو نشان لگانا، گودنا، بالوں کے اور بال اکھیڑنے کے احکام اور سلام کرنا

اول: ہمبستری کرنا..... اگر کوئی عذر نہ ہو تو مرد پر اپنی بیوی سے فائدہ حاصل کرنا واجب ہے۔ تاکہ پاکدامن رہ سکے اور گناہ سے بچ سکے۔ ہم بستری کے تمام طریقے جائز ہیں۔ البتہ پچھلے راستے سے ہمبستری کرنا حرام ہے۔ ہمبستری کی جگہ بالاتفاق آگے والا راستہ ہے نہ کے پیچھے والا۔ ❷ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ...... سورۃ البقرہ، ۲/ ۲۲۳

''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ۔''

یعنی عورت جونسی حالت میں بھی ہو: کھڑی ہو، بیٹھی ہو، سامنے کی طرف سے ہو یا پیٹھ پھیری ہوئی ہو ہر حالت میں ہمبستری کی جا سکتی ہے بشرطیکہ راستہ آگے والا ہو۔ ❸ حضرت ابن عباس: فرماتے ہیں کہ آیت: فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ'' اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ۔'' کا مطلب یہ ہے کہ چاہے وہ عورت کھڑی ہو، بیٹھی ہو، سامنے کی طرف سے ہو یا پیٹھ پھیری ہوئی ہو اس کے آگے والے راستے سے ہم بستری کی جا سکتی ہے۔ اس سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔

اس آیت کی تفسیر میں ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر آپ چاہیں تو عورت سے آگے سے ہم بستری کریں۔ چاہیں تو پیچھے سے اور چاہیں تو بیٹھ کر۔ اس سے ان کی مراد بچے والی جگہ ہے یعنی کھیتی میں جہاں سے چاہو آؤ۔

پچھلے راستے سے ہم بستری ❹ کرنے کی حرمت بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ جن میں سے بعض یہ ہیں۔ ''جو اپنی بیوی کے ساتھ پچھلے راستے سے ہمبستری کرے وہ ملعون ہے۔'' ❺ اپنی بیوی کے ساتھ پچھلے راستے سے ہمبستری کرنا چھوٹی لوطیت ہے۔ ❻

''جو حائضہ سے ہم بستری کرے یا عورت سے پچھلے راستے سے ہم بستری کرے یا کاہن کے پاس آئے اور اس کی تصدیق کرے تو اس

---

❶ ...... المصمت من قز: یعنی جو مکمل طور پر ریشم ہو اس میں روئی وغیرہ مکس نہ ہو۔ خالص ریشم۔ ❷ القوانین الفقھیہ: ص ۲۱۱، فتح المعین شرح قرۃ العین: ص ۱۰۷ ❸ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رخصتی کے بعد صرف ایک مرتبہ جماع واجب ہے۔ حنفیہ کی ظاہر روایت بھی یہی ہے۔ شافعیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ عورت کے لئے جماع کا حق ہی نہیں۔ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ چار راتوں میں ایک دفعہ لازمی ہے۔ بعض کے نزدیک چار ماہ میں ایک مرتبہ لازمی ہے۔ یہ ایلاء کی مدت ہے۔ یہ تو عدالتی احکام کی بات ہوئی۔ عند اللہ شوہر پر لازم ہے کہ اپنی بیوی کو پاک دامن رکھے اور اسے گناہ میں مبتلا ہونے سے دور کرے۔ اگر اس پر قادر ہو۔ بعض کے نزدیک یہ زوجین کے حالات کے مطابق واجب ہے۔ یہی معقول رائے ہے۔ ❹ المھذب: ۲/ ۶۶۔ ❺ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ ❻ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ عمرو بن شعیب بن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے۔

نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہونے والے دین کا انکار کردیا۔ ❶ ''سرینوں کے درمیان والی جگہ سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِلَّا عَلٰٓی اَزۡوَاجِہِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَاِنَّہُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ۝ المومنون:۲۳/۶

''سوائے اپنی بیویوں کے اوران کنیزوں کے جوان کی ملکیت میں آچکی ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ قابل ملامت نہیں۔''

پیٹھ کی طرف سے آگے والے راستے میں ہم بستری کرنا جائز ہے اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:''جس طرف سے چاہے ہم بستری کرے، سامنے سے یا پیٹھ کی طرف سے بشرطیکہ راستہ آگے والا ہو۔''

پچھلے راستے میں ہمبستری کرنے سے بھی زیادہ گندااور بھیانک فعل یہ ہے کہ آلہ تناسل عورت کے منہ میں ڈلا جائے بے حیا اہل مغرب سے ہمارے ہاں منتقل ہونے والا یہ فعل حرام ہے۔اس لئے کہ اس کی قباحت اور نقصان پر شریعت اور ذوق سلیم متفق ہیں۔

حائضہ وغیرہ سے ہم بستری کرنا......حائضہ سے ہمبستری بالاتفاق حرام ہے۔اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡمَحِیۡضِ ؕ قُلۡ ہُوَ اَذًی ۙ فَاعۡتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الۡمَحِیۡضِ ۙ وَلَا تَقۡرَبُوۡہُنَّ حَتّٰی یَطۡہُرۡنَ ۚ فَاِذَا تَطَہَّرۡنَ فَاۡتُوۡہُنَّ مِنۡ حَیۡثُ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَ یُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ ۝ البقرۃ:۲/۲۲۲

''اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا۔ کہہ دے وہ گندگی ہے، سوتم الگ رہو عورتوں سے حیض کے وقت اور نزدیک نہ ہو ان کے جب تک پاک نہ ہوویں۔ پھر جب خوب پاک ہوجاویں تو جاؤان کے پاس جہاں سے حکم دیا ہے تم کو اللہ نے، بے شک اللہ کو پسند آتے ہیں توبہ کرنے والے اور پسند آتے ہیں گندگی سے بچنے والے۔'' نفاس والی عورت بھی حائضہ کی طرح ہے۔

حالت حیض میں ہم بستری کرنے والے نے اگر ابتدائے حیض میں ہمبستری کی تو ایک دینار صدقہ کرنا سنت ہے۔اور اگر آخر میں ہمبستری کی تو آدھا دینار۔اس لئے کہ امام ابوداؤداور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث روایت کی ہے اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح کہا ہے:''اگر کسی نے اپنی بیوی سے حالت حیض میں ہمبستری کرلی تو خون سرخ ہونے کی صورتمیں ایک دینار اور زرد ہونے کی صورت میں آدھا دینار صدقہ کرے۔'' ❷

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حیض کا خون بند ہوگیا ہوتو ہمبستری جائز ہے۔ اگر چہ غسل نہ کیا ہو۔البتہ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر حیض کی اکثر مدت یعنی دس دن کے بعد خود بند ہوا ہوتو ہمبستری جائز ہے۔اگر دس دن سے پہلے بند ہوگیا ہوتو ایک نماز کا وقت گزرنے یا غسل کرنے کے بعد ہمبستری جائز ہوگی۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک حیض کا خون بند ہونے اور جنابت والا غسل کرنے کے بعد ہی ہمبستری جائز ہوگی۔

ہمبستری کے سوا مباشرت......حالت حیض میں ہمبستری کے علاوہ دوسرے طریقوں چھونا، چمٹانا و کنار وغیرہ سے لطف حاصل

---

❶......امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب سنن نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔(مذکورہ تینوں آثار کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر:۱/۳۶۳)

❷ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور چاروں اصحاب سنن نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آدمی کے بارے میں روایت کیا ہے جو اپنی بیوی سے حالت حیض میں ہمبستری کرتا ہے۔''ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے۔''امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح روایت اس طرح ہے۔فرمایا''ایک دینار یا آدھا دینار''ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ الفاظ ہیں۔''اگر خون سرخ ہوتو ایک دینار اگر زرد ہوتو آدھا دینار''امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے''حیض والی عورت سے ہمبستری پر ایک دینار رکھا۔اگر خون بند ہوگیا ہو اور غسل نہ کیا ہوتو آدھا دینار۔''(نیل الاوطار: ۱/۲۷۸)

کرنے کا حکم یہ ہے کہ ناف سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے مباشرت کرنا بالاتفاق جائز ہے۔ ناف اور گھٹنوں کے درمیان مباشرت کے بارے میں تین قول ہیں: ❶

۱.....امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، شافعیہ، مالکیہ اور اکثر علماء اس کو حرام کہتے ہیں تا کہ ممنوع کام کی راہیں مسدود ہو جائیں۔ اور اس لئے بھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حدیث ہے: "ہم میں سے ایک حائضہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مباشرت کرنا چاہی تو حیض کے بالکل شروع میں اسے تہبند باندھنے کا حکم دیا اور پھر مباشرت فرمائی۔" ❷

۲.....حنابلہ، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور حنفیہ میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "ہم بستری کے علاوہ سب کچھ کرو۔" ❸ یہ حدیث ہمبستری کے علاوہ سب کچھ کے حلال ہونے میں صریح ہے۔

۳: **تفصیل**...... اگر مباشرت کرنے والا تقویٰ کی وجہ سے یا شہوت کی کمزوری کی وجہ سے اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکتا ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ راجح یہ ہے کہ عام حالات میں احتیاط والے قول پر عمل کرے۔ ہاں اگر کوئی سفر سے واپس آیا ہے یا بہت زیادہ شہوت والا ہے ❹ تو اس کے لئے آخری دو اقوال پر عمل کی گنجائش ہے۔ بشرطیکہ اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ اسی طرح وہ اجنبی عورتوں کو دیکھنے، حرام میں مبتلا ہونے سے بچ جائے گا۔ اور اس لئے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حائضہ سے مباشرت کرنا چاہتے تھے تو کپڑا ڈال دیتے تھے۔ ❺

عزل...... پیدائش کا تعلق درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہے۔ طبرانی کی ایک حسن حدیث میں ہے۔ "عزل کرو یا نہ کرو! اللہ تعالیٰ نے جس جاندار کا قیامت تک پیدا ہونا لکھ دیا ہے وہ پیدا ہو کر رہے گا۔ ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ بیوی کے ساتھ عزل جائز ہے۔ ❻ بشرطیکہ اس کی اجازت ہو۔ جواز کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے منع نہیں فرمایا۔" ❼ بیوی کی اجازت کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا ہے۔" ❽

البتہ شافعیہ، حنابلہ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو مکروہ کہا ہے اس لئے کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خفیہ طور پر زندہ درگور کرنے سے تعبیر فرمایا۔ لہٰذا نہی کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا جائے گا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اسباب کی وجہ سے عزل کو جائز کہا ہے جن میں سے ایک اولاد کی کثرت ہے۔

---

❶.....نیل الاوطار: ۱/۲۷۶، الدر رالمباحه فی الحظر والاباحة: ص ۴۱، اللباب: ۱/۴۸ وما بعدها، تبیین الحقائق: ۱/۵۷، الشرح الکبیر: ۱/۱۷۳، مغنی المحتاج: ۱/۱۱۰، المغنی: ۱/۳۰۶۔ ❷ متفق علیہ بین احمد والشیخین: خطابی فرماتے ہیں کہ "فور الحیض" ابتدائی اور زیادہ حیض کو کہتے ہیں۔ (نیل الاوطار: ۱/۲۸۰) ❸ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سوا بہت سے محدثین نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (نیل الاوطار: ۱/۲۷۶) ❹ حنابلہ کے نزدیک شدید شہوت والے کے لئے حائضہ سے وطی کی گنجائش ہے بشرطیکہ وطی کے بغیر شہوت دور نہ ہو سکے۔ اور خطرہ ہو کہ اگر وطی نہ کی تو خصیے پھٹ جائیں گے۔ اور حائضہ کے علاوہ دوسری بیوی نہ ہو۔ (کشاف القناع: ۱/۲۲۷) ❺ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے ازواج مطہرات میں سے کسی ایک سے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار ۱/۲۷۷) ❻ تکملة الفتح: ۸/۱۰۹، احیاء علوم الدین ۲/۴۷ وما بعدها، نیل الاوطار: ۶/۱۹۷، فتح القدیر: ۲/۴۹۴، الشرح الکبیر: ۲/۲۶۶، المهذب: ۲/۶۶، المغنی: ۷/۲۲۳، الاحیاء: ۲/۴۸، شرح مسلم: ۱۰/۶، ۱۷۔ ❼ العزل: جماع کرتے وقت دخول کے بعد خروج کر دینا تا کہ منی باہر گرے۔ ❽ اس معنی میں اور بھی احادیث مروی ہیں۔ (نیل الاوطار: ۶/۱۹۵ وما بعد)

اس بنا پر منع حمل کے جدید طریقے جیسے گولیاں وغیرہ استعمال کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ یہ مخصوص مدت تک ہوں اور ان سے حمل کا امکان مکمل طور پر ختم نہ ہو۔ علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حمل روکنے کی دوا کا استعمال عزل کی طرح کبھی کبھار تو جائز ہے لیکن یہ جائز نہیں کہ حمل کو بالکل روک دینے کی دوا استعمال کی جائے یا اس طرح نس بندی کی جائے کہ مستقبل میں حمل ٹھہرنے کا سلسلہ بند ہو جائے۔ اس میں غالب گمان کا اعتبار ہے یعنی پچاس فیصد سے زیادہ امکانات۔ یہی حکم مرد کو بانجھ بنانے کا ہے۔

جماع کے آداب...... سنت نبویہ میں جماع کے بہت سے آداب بیان ہوئے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں: ❶

مستحب ہے کہ اس سے پہلے بسم اللہ پڑھے۔ سورۂ اخلاص، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھے اور پھر یہ دعائیں پڑھے اگرچہ اولاد کی امید نہ ہو۔ "باسم الله العلى العظيم، اللهم اجعلها ذرية طيبة ان كنت قدرت ان تخرج ذالك من صلبى" "اللهم جنبنى الشيطان وجنب الشيطان مارزقتنى۔" رواہ ابوداؤد...... اور کعبے سے رخ پھیر دے۔ ہم بستری کے وقت کعبے کے احترام میں قبلے کی طرف منہ نہ کرے۔ اپنے آپ کو اور گھر والوں کو پردے میں کر لے۔ بالکل برہنہ نہ ہوں۔ ❷ اس لئے کہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

ابتداء ملاعبت، بوس وکنار اور دل بہلائی سے کرے۔ ضرورت پوری کرنے کے بعد ٹھہرا رہے تاکہ عورت کی ضرورت بھی پوری ہو جائے۔ اس لئے کہ اس کا انزال بعض اوقات تاخیر سے ہوتا ہے۔ ہم بستری کے وقت زیادہ باتیں مکروہ ہیں۔ مرد کو چاہئے کہ بلا عذر مسلسل چار راتوں تک وقفہ نہ کرے۔ حائضہ سے فائدہ حاصل کرنا ہو تو ناف اور گھٹنوں کے درمیان تہبند باندھ لے۔ دوسری بار ہمبستری کرنی ہو تو شرم گاہ کو دھولے اور وضو کر لے۔ اس لئے کہ وضو نشاط اور نظافت میں اضافہ کرتا ہے۔ کسی مخصوص رات جیسے اتوار جمعہ وغیرہ میں ہمبستری کے مستحب ہونے کا سنت میں کوئی ذکر نہیں۔ بعض علماء نے جمعے کا دن ہمبستری کو مستحب لکھا ہے۔

بالکل برہنہ ہو کر ہمبستری مکروہ ہے۔ اس لئے کہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عتبہ بن عبداللہ سے روایت بیان کی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی اپنے گھر والوں کے پاس جائے تو پردے کا اہتمام کرے۔ جنگلی گدھوں کی طرح بالکل ننگے نہ ہو جائیں۔" "العتیر" جنگلی گدھے یعنی گورخر کو کہتے ہیں۔ تشبیہ اس حالت سے نفرت دلانے کے لئے دی ہے۔ میاں بیوی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ آپس کے تعلقات کے بارے میں لوگوں میں باتیں کریں۔ بعض نے تو اسے حرام کہا ہے۔ اس لئے کہ یہ پردہ دری ہے۔ جو کہ حرام ہے۔

آداب میں سے یہ بھی ہے کہ حالت جنابت میں بال نہ مونڈھے، ناخن نہ تراشے اور خون نہ نکالے۔ سہاگ رات میں ہمبستری سے پہلے عورت کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دعا پڑھنا مستحب ہے:

اللهم انى اسئلك من خيرها وخيرما جبلتها عليه واعوذبك من شرها وشرما جبلتها عليه ❸

---

❶..... محدثین کہتے ہیں کہ اس کی سند مضبوط نہیں اس لئے کہ اس کی سند میں ابن لهیعہ ہے۔ اس کے بارے میں کلام معـ ـہ ہے۔ اس کی شاہد وہ روایت ہے جو امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا۔" ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے روایت کی ہے کہ وہ اپنی باندی سے عزل کرتے تھی۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ (نصب الرأية: ۲۵۱/۴، نیل الا وطار: ۱۹۶/۲ و مابعد) ❷ المغنى: ۲۵/۷، احياء علوم الدين: ۴۶/۲ وما بعدها، كشاف القناع: ۲۱۶/۵ وما بعدها، مختصر منهاج القاصدين: ص ۷۳، فتح المعين: ص ۱۰۷، الاذكار للنووى رحمة الله عليه ص ۱۵۹، نيل الا وطار: ۶ ۱۹۴۔ ❸ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے عتبہ بن عبدالسلمی سے روایت کی ہے: "جب آپ میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے تو پردے کا اہتمام کرے گدھوں کی طرح بالکل ننگے نہ ہو جائیں۔ (نیل الاوطار: ۱۹۴/۲)

حمل گرانا.....تمام علماء متفق ہیں کہ چوتھے مہینے کے بعد، یعنی حمل کی ابتداء سے ایک سو بیس ۱۲۰ دن گزر جانے کے بعد بلا عذر حمل گرانا حرام ہے۔ یہ ایک جرم ہے جس پر غرہ (۱) واجب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ایسا کرنے والے نے ایک جان کو ہلاک کیا ہے اور ایک انسان کو قتل کیا ہے۔ (۲)

زیادہ راجح یہ ہے کہ حمل ٹھہرتے ہی اس کو گرانا ناجائز ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اب اس کی پیدائش کی ابتداء ہو چکی ہے اور زندگی وجود پذیر ہو چکی ہے۔ ہاں ضرورت کی وجہ سے گنجائش ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شدید اور مہلک قسم کی بیماری ہو جیسے سل، کینسر، یا کوئی عذر ہو جیسے حمل ٹھہرنے کے بعد عورت کا دودھ ختم ہو جاتا ہو، اس کی گود میں شیر خوار بچہ ہو بچے کا باپ دایہ کا انتظام نہ کر سکتا ہو اور بچے کے ہلاک ہو جانے کا خدشہ ہو.....اس قول کی وجہ سے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کی طرف مائل ہوں۔ وہ حمل گرانے کو زندہ درگور کرنے کی طرح قرار دیتے ہیں اگرچہ حمل کا پہلا دن ہو۔ اس لئے کہ یہ وجود پذیر ہو جانے والی جان کے خلاف جنایت کا ارتکاب ہے۔ (۳)

ساتھ ساتھ میں حمل گرانے کے بارے میں دوسرے فقہاء کے اقوال بھی ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ حنفیہ کا مذہب..... (۴) حمل کے بعد جب تک اس کی باقاعدہ تخلیق نہ ہو جائے، اسقاط جائز ہے۔ یہ ایک سو بیس ۱۲۰ دنوں سے پہلے نہیں ہوتا۔ جواز کی وجہ یہ ہے کہ یہ ابھی تک آدمی نہیں بنا۔ ان کے قول سے یہ لگتا ہے کہ انہوں نے تخلیق سے روح پھونکا جانا مراد لیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک یہ بھی بلا عذر مکروہ ہے۔ اگر بغیر عذر کے حمل گرایا تو گناہ ہوگا۔

اعذار میں سے ایک یہ ہے کہ حمل کی وجہ سے اس کا دودھ ختم ہو جاتا ہو، بچے کا والد اجرت پر دایہ نہ رکھ سکتا ہو اور بچے کی ہلاکت کا خدشہ ہو۔

بعض حنفیہ نے ہر طرح کے اسقاط کی اباحت کو حالت عذر پر محمول کیا ہے۔ اس لئے کہ پانی جب رحم میں چلا جاتا ہے تو اس کا نتیجہ زندگی کی شکل میں نکلتا ہے۔ لہٰذا یہ زندگی کے حکم میں ہوگا۔ یہ تاویل معقولہ اور ضروری ہے۔

۲۔ مالکیہ کا مذہب..... (۵) ان کے نزدیک رحم میں موجود منی کو نکالنا حرام ہے۔ چاہے چالیس دن سے پہلے ہی کیوں نہ ہو۔ بعض کے نزدیک چالیس دن سے پہلے مکروہ ہے۔ روح پھونک دیئے جانے کے بعد بالا جماع حرام ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور ظاہریہ کی بھی یہی رائے ہے۔ (۶)

۳۔ شافعیہ کا مذہب..... (۷) اگر اسقاط حمل کی ابتداء سے چالیس کی دہائی (۴۰، ۴۲، ۴۵ وغیرہ) تک مکمل ہو جائے تو کراہت کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ میاں بیوی راضی ہوں اور حاملہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے چالیس کی دھائی کے بعد اسقاط مطلقاً حرام ہے۔ علامہ رملی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روح پھونکے جانے سے پہلے اسقاط حمل جائز ہے اور اس کے بعد حرام ہے۔ اسی طرح ان کی رائے حنفیہ کی طرح ہوئی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۸) حمل گرانے کو مطلقاً حرام کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ وجود پذیر ہو جانے والی زندگی کے خلاف جنایت ہے۔

---

(۱)..... یہ ایک حدیث سے ثابت ہے جس کو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کیا گیا ہے۔ روایت کرنے والے امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (نیل الاوطار : ۱۸۹/۶) (۲) الغرۃ: جنین کی دیت کو کہتے ہیں جو کل دیت کا پانچ فیصد (پانچ فیصد) ہوتی ہے یعنی پچاس دینار یا پانچ سو درہم۔ (۳) احیاء علوم الدین : ۴۷/۲۔ (۴) فتح القدیر : ۴۹۵/۲، حاشیہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ : ۲۷۸/۱، ۵۲۲/۲، الا سیریۃ: ۴۱۸/۵، الفتاوی الھندیہ: ۳۶۵/۵۔ ۳۶۷۔ (۵) الشرح الکبیر مع الدسوقی: ۲۶۶/۲ وما بعدھا، القوانین الفقھیۃ: ص ۲۱۲۔ (۶) المحلی: ۳۸/۱۱۔ (۷) بجیرمی الخطیب: ۴۰/۴، حاشیہ الشبرا مسلی علی نھایۃ المحتاج: ۲۰۵/۶، تحفۃ المحتاج لابن حجر رحمۃ اللہ علیہ :۲۴۱/۸، نھایۃ المحتاج: ۲۳۹/۸ و مابعدھا، شرح مسلم: ۱۹۰/۱۶۔ (۸) احیاء علوم الدین: ۴۷/۲۔

۴۔ حنابلہ کا مذہب...... ❶ ان کی رائے حنفیہ کی طرح ہے۔ کہ روح پھونکے جانے سے پہلے تک یعنی حمل کی ابتداء سے چار ماہ (ایک سو بیس دن) تک اسقاط جائز ہے۔ اس کی بعد قطعی حرام ہے۔ یعنی ارادی حرکت ظاہر ہونے کے بعد حمل گرانا جائز نہیں۔

بانجھ بنانا...... اعقام اور تعقیم کا مطلب ہے عورت کو بذریعہ علاج بانجھ بنانا۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایسی دواؤں اور طریقوں کا استعمال حرام ہے جس سے حمل ٹھہرنا بالکل بند ہو جائے۔ اس لئے کہ یہ فعل ❷ زندہ درگور کرنے کی طرح ہے۔ ہاں اگر کوئی مجبور کر دینے والی ضرورت پیش آ جائے تو گنجائش ہے۔ جیسے کوئی خطرناک موروثی مرض بچوں کی طرف منتقل ہو جانے کا خطرہ ہو وجہ یہ ہے کہ نقصانات کو دور کرنا فوائد حاصل کرنے پر مقدم ہے۔ اور دو نقصانوں میں سے ہلکے والے کا ارتکاب کرنا ہوتا ہے۔ اگر کسی عورت کو بہت ہی شدید مرض لاحق ہو تو اسے بانجھ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کو ان عورتوں میں شمار کیا جائے گا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہے کہ وہ بانجھ ہوں:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ...... الشوریٰ: ۴۲/۴۹۔۵۰

سارے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے یا پھر ان کو ملا جلا کر لڑکے بھی دیتا ہے اور لڑکیاں بھی، اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے۔ آسان ترجمہ قرآن

اور جس علاج سے حمل ٹھہرنا بالکل بند نہ ہو بلکہ کچھ عرصے کے لئے سست پڑ جائے وہ حرام نہیں۔ بلکہ اگر کسی عذر کی وجہ سے ہو جیسے بچوں کی تربیت وغیرہ تو مکروہ بھی نہیں۔ ورنہ شافعیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔

مصنوعی حمل کاری...... یعنی جماع کے بغیر منی عورت کی بچہ دانی میں داخل کرنا۔ اگر یہ عمل شوہر کی منی سے کیا جائے تو جائز ہے۔ اس لئے کہ اس میں ممانعت والی کوئی بات نہیں بلکہ بعض اوقات یہ مندوب ہو جاتا ہے جب کہ جنسی ملاپ سے کوئی شرعی مانع موجود ہو۔

اگر یہ عمل کسی اجنبی کی منی سے کیا جائے تو حرام ہے۔ اس لئے کہ یہ زنا کے حکم میں ہے کہ مرد اپنی منی کسی ایسی عورت کے رحم میں ڈالے جو اس کی بیوی نہیں۔ یہ عمل مقام بشریت کے بھی منافی ہے۔ ہاں اس سے نباتات اور حیوانات کی تخم ریزی کی جاسکتی ہے۔

جانوروں کو خصی کرنا...... حنفیہ کے نزدیک جانوروں کو کرنے اور خچر کی پیدائش کے لئے گدھے کی گھوڑی کے ساتھ جفتی کرانے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ جانور کو فائدے کے لئے خصی کیا جاتا ہے۔ خصی کرنے سے جانور اور اس کا گوشت اچھا ہو جاتا ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ گھوڑے کے علاوہ تمام جانوروں کو خصی کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ خصی کرنے سے جانور زیادہ موٹا ہو جاتا ہے۔ اور گھوڑے کو خصی کرنے سے اس کی طاقت کم اور نسل ختم ہو جاتی ہے۔ چہرے پر داغنا مکروہ ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور جگہ پر داغنے میں حرج نہیں۔ ❸

دوم: دیکھنا...... دیکھنے کی چار صورتیں ہیں۔ ہر صورت کا الگ حکم ہے۔ وہ صورتیں درج ذیل ہیں: مرد کا عورت کو دیکھنا عورت کا مرد کو دیکھنا، مرد کا مرد کو دیکھنا اور عورت کا عورت کو دیکھنا۔ ❹

---

❶...... الفروع لشمس الدین المقدسی: ۱/۲۸۱، الانصاف لعلاء الدین المرادوی: ۱/۳۸۶، منتھی الارادات لابن النجار: ۱/۲۸۶، المغنی: ۷/۸۱۶۔ ❷سابقہ حوالہ جات۔ ❸ اللباب: ۴/۱۶۱، القوانین الفقھیہ: ص۴۴۵، شرح الرسالہ: ۲/۴۱۴۔ ❹ دیکھئے تکملۃ الفتح: ۸/۹۷۔۱۰۷، البدائع: ۵/۱۱۹۔۱۲۴، اللباب: ۴/۱۶۲۔۱۶۵، تبیین الحقائق: ۶/۱۷۔۲۱، الدرالمختار: ۵/۲۵۷۔۲۶۴، الشرح الکبیر: ۲/۲۱۵، القوانین الفقھیہ: ص۱۹۳، ۴۴۶، تحفۃ المحتاج بشر المنھاج لابن حجر رحمۃ اللہ علیہ: ۷/۱۹۰۔۲۰۵ المھذب: ۲/۳۴۔۳۵، المغنی: ۶/۵۵۲و ما بعد، ۵۵۸۔۵۶۳، ۵۸، مغنی المحتاج: ۳/۱۲۸۔۱۳۴، فتح المعین: ص۹۸۔

پہلی صورت: مرد کا عورت کو دیکھنا:

ا۔اپنی بیوی کو دیکھنا......اپنی بیوی کے پورے بدن یہاں تک کہ شرم گاہ کو بھی دیکھنا اور چھونا چاروں مذاہب میں جائز ہے۔شرم گاہ فائدہ حاصل کرنے کی جگہ ہے۔لیکن میاں بیوی کے لئے بلاضرورت ایک دوسرے کی شرم گاہ دیکھنا اور اپنی شرم گاہ دیکھنا مکروہ ہے۔شرم گاہ کے اندر دیکھنے میں تو اور بھی زیادہ کراہت ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''میں نے ان صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں دیکھا اور انہوں نے میرے نہیں دیکھا۔'' (1)

ب:محرم عورت کو دیکھنا......حنابلہ کے نزدیک محرم عورتوں (2) کے جو اعضاء عام طور پر ظاہر ہوتے ہیں ان کو دیکھنا جائز ہے۔جیسے گردن،سر،ہتھیلیاں،قدم۔اور جو اعضاء عام طور پر پوشیدہ رکھے جاتے ہیں ان کو دیکھنا جائز نہیں۔جیسے سینہ،پیٹھ وغیرہ۔

حنفیہ کا مذہب حنابلہ کے قریب ہے کچھ تبدیلی کے ساتھ۔ان کے نزدیک چہرہ،سر،سینہ،پنڈلیاں اور بازو(کہنیوں سے کندھوں تک)دیکھنا جائز ہے۔پیٹ اور پیٹھ کو دیکھنا جائز نہیں۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو ماں کی پیٹھ سے تشبیہ دینے پر حرام فرمایا ہے۔تو پیٹھ کی طرف دیکھنا بھی حرام ہوگا۔اور پیٹ تو پیٹھ سے بڑھ کر ہے۔اس لئے کہ اس میں زیادہ شہوت ہوتی ہے۔

مالکیہ نے اس مسئلے میں سختی کی ہے۔ان کے نزدیک صرف چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے۔باقی بدن کو دیکھنا جائز نہیں۔شافعیہ نے درمیانی راہ اختیار کی ہے۔ان کے نزدیک بالغ آدمی کے لئے اپنی محرم عورت کے ناف اور گھٹنوں کے درمیان دیکھنا حرام ہے۔اس کے علاوہ باقی جسم کو بغیر شہوت کے دیکھنا مباح ہے۔ناف اور گھٹنوں کو دیکھنا جائز ہے اس لئے کہ محرم عورت کو دیکھنے کے لحاظ سے یہ ستر میں داخل نہیں۔

ج:اجنبی عورت کو دیکھنا......حنفیہ کے نزدیک اجنبی عورت کو چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا دیکھنا حرام ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ......النور: ۲۴/ ۳۱

''اور اپنی سجاوٹ کو کسی پر ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو اس میں سے ظاہر ہو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ''مَاظَهَرَمِنْهَا'' سے چہرہ اور ہتھیلیاں مراد لی ہیں آیت میں زینت سے زینت کی جگہیں مراد ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ لین دین کے معاملات کرنے کے لئے چہرے اور ہتھیلیوں کو ظاہر کرنا ضرورت بن جاتی ہے۔اگر غیر محرم پر بلا ارادہ نظر پڑ جائے اس کو فوراً ہٹانا واجب ہے۔پہلی دفعہ کی بلا ارادہ نظر سے گناہ نہیں ہوتا۔امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جریر بن عبداللہ البجلی سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے مجھے نظر پھیر دینے کا حکم دیا۔امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:''اے علی!پہلی نظر کے پیچھے دوسری نظر نہ جائے۔اس لئے کہ پہلی آپ کے لئے جائز تھی دوسری جائز نہیں۔''

مسئلہ......اگر شہوت سے اطمینان نہ ہو تو ضروری حاجت کے بغیر اس کے چہرے کی طرف نہ دیکھے۔اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ دیکھنے

---

(1)......رہی یہ حدیث کہ شرم گاہ کو دیکھنے سے بینائی ختم ہو جاتی ہے،تو ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسے ضعیف روایات میں سے روایت کیا ہے بلکہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے موضوع روایات میں ذکر کیا ہے۔یہ منکر ہے۔اس کی کوئی اصل نہیں۔ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اختلاف کیا ہے اور اس کی سند حسن بتائی ہے۔(نصب الرایۃ: ۴/ ۲۴۸)حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ (2) ذوات المحارم: اپنی محرم عورتوں سے مراد ہر وہ عورت ہے جس سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو چا ہے نسب کی وجہ سے ہو،رضاعت کی وجہ سے ہو یا حرمت مصاہرت(سسرالی رشتے) کی وجہ سے۔شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مباح سبب سے۔حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے جیسے ساس۔حنفیہ کے نزدیک حلال بسبب سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے جیسے نکاح اور حرام سبب سے بھی جیسے زنا۔

کا جواز شہوت نہ ہونے سے مشروط ہے۔ ورنہ حرام ہے۔ آج کل جوان عورت کو نہ دیکھنا واجب ہے۔ نظر کی حرمت پر ایک صحیح حدیث میں وارد ہے: ''آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں ان کا زنا دیکھنا ہے۔ ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں ان کا زنا پکڑنا ہے۔'' ❶

شہوت کی حد آلہ تناسل کا حرکت میں آنا ہے۔

اس میں مالکیہ بھی حنفیہ کے ساتھ متفق ہیں۔ انہوں نے بوڑھی عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنے کی اجازت دی ہے اور جوان عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنے کو حرام کیا ہے۔ الا یہ کہ کوئی عذر ہو جیسے گواہی، علاج منگنی وغیرہ۔

اجنبی عورت کو دیکھنے میں خصی عام مرد کی طرح ہے۔

اسی طرح شافعیہ فرماتے ہیں کہ عاقل بالغ اور مختار مرد کے لئے اجنبی عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ اگرچہ وہ بہت بوڑھا ہو یا وطی کے قابل نہ ہو یا مخنث ہو (یعنی عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والا ہو) اسی طرح عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کو دیکھنا بھی حرام ہے چاہے فتنے کا خوف ہو یا نہ ہو۔ اس لئے کہ دیکھنے میں فتنے گمان ہوتا ہے اور شہوت پیدا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ......النور: ۲۴/ ۳۰

''مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورت پردے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ ❷

دیکھنے کی ممانعت اس وجہ سے نہیں کہ ان پر ذاتی طور پر ستر واجب ہے۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس میں عام مصلحت اور عمومی فائدہ ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے علماء سے نقل کیا ہے کہ راستے میں عورت پر چہرہ چھپانا واجب نہیں بلکہ سنت ہے اور آیت شریفہ کی وجہ سے مردوں پر نظریں جھکانا واجب ہے۔

حنابلہ بھی اجنبی عورت کو بلا وجہ دیکھنے کو حرام کہتے ہیں۔ اس لئے کہ حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک عورت کا پورا بدن ستر میں شامل ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک چہرہ اور ہتھیلیاں ستر میں شامل نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ قدم بھی ستر میں شامل نہیں۔ بعض حنابلہ کا کہنا ہے کہ چہرے کی طرف دیکھنا کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ بشرطیکہ فتنے کا خدشہ نہ ہو اور بغیر شہوت کے دیکھے۔

اور فرماتے ہیں کہ ایسی بوڑھی یا بدصورت عورت کے عام طور پر ظاہر رہنے والے اعضاء دیکھنے میں کوئی حرج نہیں، جس سے شہوت کا خدشہ نہ ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا ......النور: ۲۴/ ۶۰

''اور جو بیٹھ رہی ہیں گھروں میں تمہاری عورتوں میں سے جن کو توقع نہیں رہی نکاح کی''۔

ان کے نزدیک خصی، مخنث جس کو شہوت نہ ہوتی ہو، بوڑھا اور ایسا آدمی جس کی شہوت بڑھاپے، نامردی یا کسی ایسی بیماری کی وجہ سے ختم ہوگئی ہو جس سے صحت مند ہونے کی امید نہ ہو...... یہ سب دیکھنے میں محرم مردوں کے حکم میں ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ ......النور: ۲۴/ ۳۱

''یا خدمت میں مشغول رہنے والوں کے جو مرد کو کچھ غرض نہیں رکھتے۔''

یعنی جنہیں عورت کی طرف حاجت نہ ہو۔

---

❶ ...... امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایة: ۴/ ۲۴۸) ❷ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

مستثنیٰ صورتیں...... وہ حالات جن میں عورت کو کسی استثنائی حاجت کی وجہ سے دیکھنا جائز ہے درج ذیل ہیں: پیغام نکاح، علاج، معاملہ جیسے خرید وفروخت، گواہی یا فیصلہ، تعلیم وغیرہ۔ ان صورتوں میں حاجت کی بقدر دیکھنے کی گنجائش ہے۔ اس سے تجاوز جائز نہیں۔ اس لئے کہ ضرورت کی وجہ سے حلال ہونے والی چیز بقدر ضرورت حلال ہوتی ہے۔

پیغام نکاح...... کے دوران صرف چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنا جائز ہے۔ منگنی کرنے والا بار بار بھی دیکھ سکتا ہے۔ البتہ چھو نہیں سکتا۔ اور چہرے ہتھیلیوں کے علاوہ کچھ دیکھ بھی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ چہرہ خوبصورتی پر اور ہتھیلیاں جسمانی خوشحالی پر دلالت کرتی ہیں۔

علاج...... کرتے ہوئے معالج کے لئے بوجہ ضرورت دیکھنا جائز ہے۔ لیکن اس پر واجب ہے کہ اپنی نظر عورت کے بیماری والے حصے پر مرکوز رکھے۔ علاج کرتے وقت عورت کے ساتھ کسی محرم مرد، شوہر یا قابل اعتماد عورت کا ہونا ضروری ہے تا کہ خلوت ختم ہو سکے۔

مرد طبیب سے علاج کرانے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ علاج کرنے والی کوئی مناسب عورت دستیاب نہ ہو۔ اس لئے کہ ہم جنس کا اپنے ہم جنس کو دیکھنا انجام کے اعتبار سے زیادہ ضعیف اور آسان ہے۔ اسی طرح امین معالج کے ہوتے ہوئے غیر امین سے، مسلمان کے ہوتے ہوئے ذمی سے اور مسلمان عورت کے ہوتے ہوئے ذمی عورت سے علاج نہیں کرایا جائے گا۔

چہرے اور ہتھیلیوں کو دیکھنے کے لئے معمولی حاجت کا اعتبار بھی کیا جا سکتا ہے۔ باقی جسم دیکھنا صرف ایسی ضرورت کی وجہ سے مباح ہوگا جس سے تیمم مباح ہوتا ہے۔ سوائے شرم گاہ اور اس کے قریبی جگہ کے۔ کہ اس میں ایسی شدید ترین ضرورت کا اعتبار ہوگا جس میں ستر کھولنے کو پردہ دری نہ سمجھا جاتا ہو۔

معاملات...... یعنی خرید وفروخت میں صرف چہرے کو دیکھنا مباح ہے۔ تا کہ قیمت وصول کرنے اور خریدی ہوئی چیز حوالے کرنے اور اس طرح کے دیگر امور سر انجام دیئے جا سکیں۔

گواہی...... کی ادائیگی اور تحمل میں بھی عورت کو دیکھنا جائز ہے چاہے گواہی عورت کے حق میں ہو یا خلاف ہو۔ اگر زنا، ولادت، آلہ تناسل کے بڑا ہونے، زخم بھرنے اور اگلے پچھلے راستے کے ایک ہو جانے کی گواہی دینے کے لئے شرم گاہ کو دیکھنا ہو تو عورتوں یا محرم رشتے داروں کی موجودگی میں انہی کی گواہی متعین ہے۔

فیصلہ...... قاضی کے لئے عورت کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت اس کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ اس لئے کہ عدالتی فیصلوں کے ذریعے لوگوں کے حقوق کی پاسداری ایک مستقل ضرورت ہے لہٰذا وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھ سکتا ہے۔ اگرچہ شہوت کا خدشہ ہو۔

تعلیم...... جن چیزوں کا سیکھنا سکھانا واجب ہے جیسے فاتحہ، ضروری ہنر وغیرہ تو ان کی تعلیم کے لئے عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ تعلیم کے لئے کوئی عورت یا محرم مرد دستیاب نہ ہو، پردے کے پیچھے سے تعلیم دینے کی بھی کوئی صورت نہ ہو اور عورت کے ساتھ کوئی محرم وغیرہ موجود ہو جس کی وجہ سے خلوت ختم ہو جائے۔

دوسری صورت۔ عورت کا مرد کو دیکھنا...... عورت کے مرد کو دیکھنے کی بھی وہی تین صورتیں ہیں۔

۱...... اگر وہ اس کا شوہر ہو تو جو کچھ وہ اس کا دیکھ سکتا ہے وہی کچھ یہ اس کا بھی دیکھ سکتی ہے۔

۲...... اگر مرد محرم رشتے دار ہو تو ستر کے علاوہ باقی جسم دیکھا جا سکتا ہے۔

۳...... اگر مرد اجنبی ہو تو حنفیہ کے نزدیک ناف سے گھٹنوں تک کے علاوہ باقی بدن دیکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ شہوت کا خدشہ نہ ہو۔

مالکیہ اور حنابلہ کے دو قول ہیں: ایک حنفیہ کی طرح کہ ستر (ناف اور گھٹنوں کے درمیان) دیکھنا جائز نہیں باقی بدن دیکھنا جائز ہے۔ جس

طرح مرد کے لئے اپنی محرم عورتوں کو دیکھنا جائز ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ یہ قول راجح ہے۔ اس لئے کہ ایک متفق علیہ حدیث کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے فرمایا: ”تم ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر عدت گزارو! اس لئے کے وہ نابینا ہیں، تمہیں کپڑے بدلتے نہیں دیکھ سکیں گے۔“ ❶

دوسرا قول جو کہ شافعیہ کے نزدیک اصح ہے کہ اس کے لئے مرد کو اسی طرح دیکھنا جائز ہے جس طرح مرد کو اسے دیکھنا جائز ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی نظریں جھکانے کا حکم دیا ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے روایت بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ابن مکتوم سے پردہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ”کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کہ ان کو نہیں دیکھتیں۔“

تیسری صورت: مرد کا مرد کو دیکھنا..... تمام مذاہب کا اتفاق ہے کہ مرد کا مرد کے ستر کے علاوہ پورے جسم کو دیکھنا جائز ہے، اگر چہ وہ بے ریش ہو، بشرطیکہ شہوت کا خطرہ نہ ہو۔ مرد کا ستر ناف اور گھٹنوں کے درمیان ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”مومن کا ستر ناف اور گھٹنوں کے درمیان ہے۔“ ❷ ایک اور حدیث میں ہے۔ ”ران ستر میں شامل ہیں۔“ ❸ ستر کو چھپانا واجب ہے۔ یہاں تک کہ بچے پر بھی اور حمام وغیرہ میں بھی۔ ❹

بے ریش لڑکوں کو (جن کے چہرے پر ابھی داڑھی نہ اگی ہو) شہوت کی نظر سے دیکھنا حرام ہے۔ اسی طرح داڑھی والوں کو اور محرم عورتوں کو بھی شہوت سے دیکھنا حرام ہے۔

چوتھی صورت: عورت کا عورت کو دیکھنا..... عورت کے عورت کو دیکھنے کا وہی حکم ہے جو مرد کے مرد کو دیکھنے کا ہے۔ اس لئے کہ دونوں کی باہمی جنس ایک ہے اور عموماً شہوت بھی نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی عورتوں کو آپس میں جسم ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ایسے وقت میں ستر یعنی ناف سے گھٹنوں تک دیکھنا منع ہے، باقی جسم دیکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ شہوت سے اطمینان ہو۔ اگر شہوت یا فتنے کا خوف ہو تو حرام ہے۔

کافر عورت کا مسلم عورت کو دیکھنا..... حنابلہ کے سوا جمہور کے نزدیک کافر عورت (ذمی ہو یا کوئی اور) اگر غیر محرم ہو تو اس کا مسلمان عورت کو دیکھنا ممنوع ہے۔ مسلمان عورت اس سے حجاب کرے گی اور اس کے سامنے پورے بدن پر چادر اوڑھے گی سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے۔ المختصر یہ کہ کافر عورت مرد کی طرح ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ ......النور: ۲۴ / ۳۱

”یا اپنے میل جول کی عورتوں کے“۔

اگر اس کے لئے دیکھنا جائز ہو تو عورتوں کی تخصیص کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔ صحیح روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اہل کتاب کی عورتوں کو مسلمان عورتوں کے ساتھ حمام میں داخل ہونے سے منع فرمادیا تھا۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہوسکتا ہے وہ کافر عورت اپنے مردوں کے سامنے مسلمان عورت کے اوصاف کا تذکرہ کرے۔ لہٰذا ”**نسائهن**“ سے مراد خاص طور سے مسلمان عورتیں ہوں گی یعنی ایک دین والی۔ اس بنا پر مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ کافر عورت کے سامنے اپنی پوشیدہ زینت ظاہر کرے۔

---

❶ ..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”میں مسجد میں حبشیوں کو کھیلتے دیکھ رہی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی چادر سے چھپایا ہوا تھا۔“ (متفق علیہ) ❷ اس کو سمویہ (اسماعیل بن عبداللہ ۔ ۲۶۷ھ) نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (الفتح الکبیر والجامع الصغیر) ❸ اس کو ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے زرعۃ بن عبدالرحمٰن بن جرھد سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴ / ۲۴۳ وما بعد) ❹ قاضی حسین شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حمام میں ران ستر نہیں ہیں۔

حنابلہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ دو مسلمان عورتوں اور ایک مسلمان اور ایک ذمی عورت میں دیکھنے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ جیسا کہ دو مسلمان مردوں اور ایک مسلمان اور ایک ذمی مرد میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے کہ کافروں، یہودیوں وغیرہ..... کی عورتیں ازواج مطہرات کے ہاں جایا کرتی تھیں۔ وہ ان سے پردہ نہیں کرتی تھیں اور نہ ہی ان کو پردے کا حکم دیا گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان پائی جانے والی پردے کی وجہ، مسلمان عورت اور کافر عورت میں موجود نہیں۔ لہٰذا ان کے درمیان پردہ نہ ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ مسلمان اور ذمی کے درمیان۔ رہی آیت ''نِسَآئِهِنَّ'' (النور: ۲۴/۳۱) تو اس سے تمام اور عام عورتیں مراد لی جاسکتی ہیں۔ چاہے مسلمان ہوں یا کافر۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ مسلمان عورت جن اعضاء کو مسلم عورت سے سامنے ظاہر کرسکتی ہے ان کو کافر عورت کے سامنے بھی ظاہر کرسکتی ہے۔ ❶ اس رائے میں وسعت اور آسانی ہے۔ یہ آج کل کے حالات کے زیادہ مناسب ہے۔

سوم: چھونا..... جب دیکھنا حرام ہو تو چھونا بھی حرام ہوگا یعنی شہوت سے چھونا۔ اس لئے کہ چھونا، لذت میں اور شہوت بھڑکانے میں دیکھنے سے بڑھ کر ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اگر چھونے سے انزال ہوگیا تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر دیکھنے سے انزال ہوگیا تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور جب دیکھنا جائز ہو تو چھونا بھی جائز ہوگا۔ بشرطیکہ اپنے آپ پر اور عورت پر شہوت سے اطمینان ہو۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سر کا بوسہ لیا کرتے تھے۔ اور اگر چھونے والے کو شہوت سے اطمینان نہ ہو یا شک ہو تو اس کے لئے چھونا اور دیکھنا دونوں جائز نہیں۔ ❷

یہ تفصیل اجنبی جوان عورت کے سوا دوسری عورتوں کے لئے ہے۔ جوان عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کو چھونا جائز نہیں۔ اگرچہ شہوت سے اطمینان ہو۔ اس لئے کہ اس کی ضرورت نہیں۔ البتہ دیکھنے کی بات الگ ہے کہ اس کی ضرورت پڑسکتی ہے۔

عورت سے مصافحہ کرنا..... عورت سے مصافحہ کرنا حرام ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔'' ❸ لیکن شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک ایسی بوڑھی عورت سے مصافحہ کرنا اور اس کا ہاتھ چھونا جائز ہے جس سے شہوت نہ ہوتی ہو۔ اس لئے کہ فتنے کا خوف نہیں۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عورتوں سے مصافحہ کو مکروہ کہا ہے اور اس میں سختی کی ہے، یہاں تک کہ محرم کے لئے بھی۔ البتہ والد کے لئے جائز رکھا ہے۔ اسی طرح بدصورت بڑھیا کا ہاتھ پکڑنے کو بھی جائز کہا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک عورت کو چھونا اور دیکھنا مطلقاً حرام ہے۔ اگرچہ بوڑھی ہو۔ اگر درمیان میں کوئی ایسی چیز حائل ہو جائے جسم کو نہ ملنے دے تو مصافحہ جائز ہے۔

عورت کے ساتھ سفر اور خلوت..... جب چھونا جائز ہو تو مرد کا عورت کے ساتھ سفر بھی جائز ہوگا۔ اور خلوت بھی بشرطیکہ اپنے آپ پر اور عورت پر اطمینان ہو۔ محرم عورتوں کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا جائز ہے سوائے رضاعی بہن اور جوان ساس کے ساتھ خلوت اختیار کرنا یا سفر کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''عورت اپنے شوہر یا محرم کے بغیر تین دن سے زیادہ کا سفر نہ کرے۔'' ❹ دوسری

---

❶..... مذکرة تفسیر آیات الاحکام للسایس: ۳/۱۶۴۔ ❷ دیکھئے تکملة الفتح: ۸/۹۸، ۱۰۲، ۱۰۶، الدر المختار: ۵/۵۹ ومابعدها، ۲۶۳، ۲۶۹ و مابعدها، اللباب: ۴/۱۶۴، القوانین الفقهیه: ص ۴۴۶، مغنی المحتاج: ۳/۱۳۲، ۱۳۴، غایة المنتهٰی : ۳/۸، کشاف القناع: ۲/۱۷، ۵/۱۴، الاذکار للنووی رحمة الله علیه: ص ۱۴۸، ص ۱۵۰، الدر المباحة فی الحظر الاباحة للشیبانی: ص ۳۶ وما بعد۔ ❸ اس کو مؤطا، ترمذی اور نسائی نے حضرت امیہ بنت رقیقہ سے روایت کیا۔ (جامع الاصول: ۱/۲۶۸) ❹ اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ صحیح بخاری کے الفاظ میں ''ثلاثة ایام'' آیا ہے۔ شیخین رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے ''جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ایک دن، رات سے زیادہ کا سفر محرم کے بغیر کرے۔ (نصب الرایة: ۴/۲۴۹۔)

حدیث میں ہے: "مرد جب بھی عورت کے ساتھ علیحدگی میں ہوتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ لازمی طور پر جماعت کے ساتھ رہا کرو اور علیحدگی سے بچو اس لئے کہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو آدمیوں سے (نسبتاً) دور ہو جاتا ہے۔ ❶

مسئلہ.....جن اعضاء کو بدن کے ساتھ جڑے ہوئے دیکھنا حرام ہے ان کو بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی دیکھنا حرام ہے۔ موت کے بعد بھی یہی حکم ہے۔

بال لگانا.....آدمی کے بالوں کے بال لگانا حرام ہے..... جیسا کہ عنقریب آئے گا..... چاہے عورت کے بال ہوں یا کسی اور کے۔ اس لئے کہ یہ جعلسازی ہے اور اس لئے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اللہ کی لعنت ہے بالوں میں دوسرے بال لگانی والی اور لگوانے والی پر، گودنے والی اور گودوانے والی پر، بال اکھیڑنے والی اور اکھیڑوالے والی پر۔" ❷

مسئلہ.....جس کو دیکھنا منع ہے اس کے ساتھ اکٹھے بیٹھنا اور اکٹھے کھانا کھانا بھی منع ہے۔ سوائے ضرورت کے۔ ❸

داڑھی بڑھانا.....داڑھی بڑھانا سنت مطلوبہ ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مشرکوں کی مخالفت کرو۔ مونچھیں خوب کٹاؤ اور داڑھی بڑھاؤ۔" "مونچھیں کاٹو اور داڑھی چھوڑ دو۔ مجوسیوں کی مخالفت کرو۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "دس چیزیں فطرت میں سے ہیں: مونچھیں کاٹنا، داڑھی بڑھانا، مسواک....." حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مونچھیں خوب اچھی طرح کاٹنے اور داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے۔" ❹

احفاء الشوارب.....(مونچھیں کاٹنے میں مبالغہ کرنا) سے مراد یہ ہے کہ لبوں پر سے لمبے بال کاٹ دیئے جائیں تاکہ سفیدی نظر آئے۔

اعفاء اللحیۃ (داڑھی بڑھانا) سے مراد یہ ہے کہ داڑھی زیادہ کی جائے۔ اہل فارس کی طرح کاٹی نہ جائے۔ شریعت اس سے منع کرتی ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک داڑھی منڈانا حرام ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ ایک مٹھی داڑھی سنت ہے کاٹ کر اس سے کم کرنا یا بالکل ختم کر دینا جائز نہیں۔ ❺ شافعیہ کے نزدیک داڑھی منڈانا مکروہ ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء نے داڑھی کے بارے میں دس باتیں مکروہ لکھی ہیں۔ ان میں سے بعض میں دوسری بعض کی بنسبت کراہت زیادہ ہے۔ انہی مکروہات میں داڑھی منڈانا بھی شامل ہے۔

اگر عورت کی داڑھی نکل آئے تو اس کو منڈانا مستحب ہے۔ ❻

دس فطری خصلتیں..... ❼ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی مذکورہ حدیث کے مطابق دس فطری خصلتیں یہ ہیں: مونچھیں کاٹنا اور

---

❶ ..... یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ اور عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/ ۲۴۹ وما بعد) ❷ اس بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں جن میں سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ: اسماء رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر امام احمد اور شیخین متفق ہیں (نیل الاوطار: ۶/ ۱۹۰) النامصۃ: چہرے سے بال نوچنے والی۔ المتنمصۃ: چہرے کے بال اکھڑوانے والی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب ضرورت نہ ہو اس لئے کہ نوچنے کے ذریعے سے بال اکھیڑنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ تبیین المحارم میں ہے: چہرے کے بال ختم کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر عورت کی داڑھی یا مونچھیں نکل آئیں تو ان کو دور کرنا حرام نہیں بلکہ مستحب ہے۔ تاتارخانیہ میں ہے کہ مرد کے لئے ابروئیں اور چہرے کے بال لینا جائز ہے بشرطیکہ مخنث سے مشابہت نہ ہو جائے۔ (ردالمحتار: ۵/ ۲۶۴) ❸ القوانین الفقھیہ: ص ۴۴۲ وما بعدھا، مغنی المحتاج: ۴/ ۱۳۵۔ ❹ یہ احادیث امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہیں: پہلی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے، دوسری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے تیسری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور چوتھی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے (شرح مسلم: ۳/ ۱۴۷) ❺ اندر المختار: ۲/ ۱۵۵۔ ❻ شرح مسلم: ۳/ ۱۴۹، نیل الاوطار: ۱/ ۱۱۶۔ ❼ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث میں ہے: فطری خصلتیں پانچ ہیں: ختنہ، زیرناف بال مونڈنا، مونچھیں کاٹنا، ناخن تراشنا اور بغلوں کے بال نوچنا۔

داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن کاٹنا انگلیوں کے جوڑ دھونا ❶ بغلوں کے بال اکھیڑنا، زیر ناف بال مونڈنا، استنجاء کرنا، کلی کرنا اور ختنہ کرنا۔ اس کا دسویں ہونا بہتر ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

اکٹھے لیٹنا...... اپنی بیوی کے علاوہ کسی عورت کے ساتھ ایک ہی بستر میں اکٹھے لیٹنا جائز نہیں چاہے کپڑے پہنے ہوں یا نہ ہوں۔ اسی طرح دو مردوں اور دو عورتوں کا ایک ہی بستر میں اکٹھے ہونا بھی جائز نہیں۔ معامعہ اور مکاعمہ شرعاً ممنوع ہیں یعنی ایک بستر میں اکٹھے سونا کہ درمیان میں کوئی پردہ نہ ہو۔ ❷ شافعیہ کے نزدیک دو مردوں یا دو عورتوں کا برہنہ حالت میں ایک ہی کپڑے میں اکٹھے سونا حرام ہے۔ دس سال کے بچوں بچیوں اور بہن بھائیوں کے بستر الگ کرنا واجب ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں ارشاد ہے،'' اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم کرو اور دس سال کی عمر میں نماز کی وجہ سے سزا دو اور ان کے بستر الگ کر دو۔'' ❸

مصافحہ کرنا...... دو مردوں اور دو عورتوں کا آپس میں مصافحہ سنت ہے۔ اس لئے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا:'' مومن جب بھی مؤمن سے ملتا ہے اس کو سلام کرتا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرتا ہے تو ان دونوں کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔'' ایک حدیث میں ہے:'' جب دو مسلمان آپس میں ملتے اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔'' ❹ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا سنت ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ الاذکار میں فرماتے ہیں کہ مصافحہ ملاقات کے وقت مستحب ہے۔ لوگوں نے جو فجر اور عصر کے بعد مصافحے کی عادت بنالی ہے، شریعت میں اس کی اس طور پر کوئی اصل نہیں۔ لیکن اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ اصل کے اعتبار سے مصافحہ سنت ہے۔ فجر اور عصر کے بعد کی تخصیص ان کے زمانے کی عادت تھی ورنہ ہر نماز کے بعد اسی طرح ہے۔ حنفیہ کے نزدیک راجح یہی ہے کہ مصافحہ مطلقاً جائز ہے، اگرچہ نمازوں کے بعد ہو۔ بعض حنفیہ نے نمازوں کے بعد مصافحے کو مکروہ کہا ہے۔

وبائی امراض جذام برص وغیرہ میں مبتلا شخص سے مصافحہ مکروہ ہے۔ ❺

چومنا اور جھکنا...... حنفیہ کے نزدیک ملاقات کے وقت یا رخصت ہوتے وقت ایک مرد کا دوسرے مرد کے منہ ہاتھ وغیرہ کو چومنا مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح عورت کے عورت کو چومنے کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ اس وقت ہے جب شہوت کی وجہ سے ہو۔ اگر حسن سلوک کی وجہ سے ہو تو جائز ہے۔

شافعیہ کے نزدیک گلے ملنا اور سر کا بوسہ لینا مکروہ ہے اگرچہ ان میں سے ایک یا دونوں صالح ہوں۔ اس لئے کہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ البتہ سفر سے لوٹنے والے اور کافی عرصہ بعد ملاقات کرنے والے کے لئے سنت ہے۔ عرصے کا دارومدار عرف پر ہے۔ یہ مسئلہ بھی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں آیا ہے۔

کسی بھی انسان کے سامنے جھکنا مطلقاً مکروہ ہے۔ علماء اور بڑوں کے سامنے زمین چومنا حرام ہے۔ عالم اور عادل سلطان کا ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں۔ عالم کا سر چومنا زیادہ اچھا ہے۔

---

❶ ...... البراجم: انگلیوں کی گرہیں اور جوڑ۔ کانوں کے سوراخ، ناک کا رندرونہ اور وہ جگہیں جہاں میل جمع ہوتی ہے وہ بھی اسی حکم میں ہیں۔ ❷ اس کو ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے عامر الحجری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۲۵۷/۴) ❸ اس کو احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ ❹ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۲۶۰/۴) ❺ دیکھئے: الدر المباحۃ فی الحظر والا باحہ: ص ۴۲ وما بعدھا، سنن المحتاج: ۱۳۵/۳، تکملۃ الفتح: ۱۲۰/۸، شرح الرسالہ: ۳۹۳/۲، الدر المختار: ۲۶۹/۵۔

اہل فضل وکمال یعنی علماء صلحاء اور شرفاء کے لئے کھڑا ہونا سنت ہے بشرطیکہ یہ اکرام کے لئے ہو ریاء کے لئے نہ ہو۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ روضہ میں فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کے بارے میں صحیح روایات وارد ہیں۔

چہارم......لہو ولعب

ا۔ کھیل......جس کھیل میں جوا ہو ❶ وہ بالاتفاق حرام ہے۔ جوا اُسے کہتے ہیں جس میں ایک کو فائدہ اور دوسرے کو نقصان ہو۔ حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جوے سے اللہ تعالیٰ نے بچنے کا حکم دیا ہے:

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ الْأَنْصَابُ وَ الْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ ......المائدۃ: ۵/ ۹۰)

''یہ جو شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے سوان سے بچتے رہو۔''

بار بار جوا کھیلنے والا عادل نہیں رہے گا اور اس کی گواہی رد ہو جائے گی۔

اگر دونوں میں سے ایک نے اس بنا پر مال نکالے رکھا کہ اگر وہ جیت گیا تو اپنا مال لے لے گا۔ اگر مدمقابل جیت گیا تو مال اسے مل جائے گا۔ اس طرح کا عقد صحیح نہیں۔ اس لئے کہ یہ جنگ کے ذرائع میں سے نہیں۔ اس لئے اس میں عوض دینا بھی صحیح نہیں اور اس سے گواہی بھی رد نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ یہ جوا نہیں ہے جیسا کہ میں نے اس کا مطلب بیان کر دیا ہے۔

ب......جس کھیل میں جوا نہ ہو یعنی اس میں دونوں طرف سے یا ایک طرف سے عوض نہ ہو تو ان میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں۔ لیکن کوئی بھی فضول کھیل کراہت سے خالی نہیں۔ اس لئے کہ اس سے وقت ضائع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر، نماز اور مفید کاموں سے غفلت اور بے رخی ہوتی ہے۔

نرد......نرد کھیلنا حرام ہے۔ اس کی وجہ سے شہادت رد ہو جاتی ہے۔ حنفیہ نے اس کو اپنی اصطلاح کے مطابق مکروہ تحریمی سے تعبیر کیا ہے۔ اس لئے کہ اس کی دلیل ظنی ہے۔ حرام اس لئے ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے: ''نرد کھیلنے والے نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔'' ❷ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نردشیر کھیلنے والے نے گویا اپنے (نیا پہرہ) ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون میں رنگ دیئے۔'' ❸ بار بار کھیلنے والے کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔ چاہے جوا ہو یا نہ ہو۔ اس میں چاروں مذاہب کا اتفاق ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ جوا نہ بھی کھیلے تو بھی اس کے فضول اور لھو ولعب ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں شامل نہیں وہ لہو ولعب ہے یا وہ سہو ولغو ہے، سوائے چار کھیلوں کے۔ اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا، گھڑسواری سیکھنا یا تیراندازی سیکھنا اور تیرا کی سیکھنا۔'' ❹ اور فرمایا: ''نہ میں کھیل کودوالا ہوں اور نہ وہ میرے لئے ہے۔'' ❺

---

❶..... دیکھئے البدائع: ۵/ ۱۲۷، تکملۃ الفتح: ۸/ ۱۳۲، القوانین الفقھیہ: ص ۱۹۴، شرح الرسالۃ: ۲/ ۴۱۷، ۴۲۰، الشرح الکبیر مع الدسوقی: ۱/ ۱۹۸ وما بعدھا، المھذب: ۲/ ۳۲۵۔۳۲۸، المغنی: ۹/ ۱۷۰۔۱۷۶، الدر المختار: ۵/ ۲۷۹، ۳/ ۳۳۷، الفتاویٰ الھندیۃ: ۵/ ۳۲۳، تبیین الحقائق: ۶/ ۱۳ وما بعد۔ ❷ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (المنتقیٰ علی المؤطا: ۷/ ۲۷۸، نیل الاوطار: ۹۴) ❸ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت یوں ہے ''من لعب النرشیر فکانما صبغ یدہٗ فی لحم خنزیر ودمہ'' (نصب الرایۃ: ۴/ ۲۷۴) ❹ اس کو نسائی رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں نقل کیا ہے۔ اس بارے میں مزید احادیث حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ ''المشی بین الغرضین او الھدفین'' سے مراد تیراندازی سیکھنا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/ ۲۷۳ ومابعد) ❺ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے۔ پہلی کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اور دوسری کو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (تخریج احادیث التحفہ: ۳/ ۴۹۷) الدد: کھیل کود۔

چودہ کھیلنا حرام ہے۔ اس لئے کہ اس کا دارومدار طرفین سے لگائے ہوئے مال پر ہوتا ہے۔ تو یہ ہانسوں اور نرد کی طرح ہوا۔ درحقیقت نرد کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اہل فارس کا جوا اسی کے گرد گھومتا تھا۔

شطرنج..... شافعیہ کے سوا جمہور کے نزدیک شطرنج بھی حرام ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''شطرنج بھی جوا ہے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ شطرنج کھیلنے والوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون

''یہ کیسی مورتیاں ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو۔''

شافعیہ فرماتے ہیں کہ شطرنج کھیلنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس کا کوئی دینی فائدہ ہے نہ ضرورت۔ اس کو نہ کھیلنا بہتر ہے۔ البتہ یہ حرام نہیں۔ اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن زبیر رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا کھیلنا مروی ہے۔ اس کی حرمت کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں۔ اور منصوص کھیلوں کی حقیقت بھی اس میں موجود نہیں۔ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے ذہن تیز ہوتا ہے۔

اگر اس میں طرفین سے یا ایک طرف سے کوئی عوض مقرر ہو جو جیتنے والا ہارنے والے سے وصول کرے تو یہ حرام ہے جیسا کہ لہو ولعب والی بحث کے شروع میں ذکر ہوا۔

گانا اور اس کے آلات..... بعض حنفیہ اور بعض حنابلہ کے نزدیک آلات موسیقی کے بغیر گانا گانا حرام ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی ہے: ''گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔'' ❶ بعض دوسرے حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اور مالکیہ کے نزدیک آلات کے بغیر گانا بغیر کراہت کے جائز ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کی رائے راجح ہے۔

شافعیہ فرماتے ہیں کہ آلات موسیقی کے بغیر گانا گانا اور سننا مکروہ ہے۔ حرام نہیں۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میرے پاس دو لڑکیاں ترنم سے اشعار پڑھ رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو فرمایا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں شیطان کا باجا؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انہیں رہنے دو! یہ عید کے دن ہیں۔'' ❷

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ترنم سے اشعار پڑھنا سوار کا توشہ سفر ہے۔''

خلاصہ یہ کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک تالیف میں آلات موسیقی کے بغیر گانے کے حلال ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے۔ ❸

آلات موسیقی..... چاروں مذاہب کے مشہور اقوال کے مطابق گانے بجانے کے آلات سارنگی، ستار، باجا، ڈھول، بانسری، رباب اور ان کے علاوہ گاجوں باجوں کی دیگر اقسام ❹ حرام ہیں۔ جو ان کے سننے کا معمول بنالے اس کی شہادت مردود ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میری امت کے کچھ لوگ شراب، خنزیر، ریشم اور باجوں کو حلال کریں گے۔ ❺ دوسرے الفاظ یوں ہیں: ''میری امت کے کچھ لوگ شراب کو نام بدل کر پئیں گے، ان کے سامنے کا باجے بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو زمین

---

❶ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ (المغنی: ۹/۱۷۵) ❷ متفق علیہ۔ ❸ نیل الاوطار: ۸/۱۰۱، الاحیاء: ۲/۲۳۸ وما بعدھا۔ ❹ سماع کی بحث کے لئے دیکھئے امام غزالی کی احیاء العلوم: ۲/۲۳۷۔۲۶۸۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے قضیب، طبل اور دف وغیرہ سننا مباح قرار دیا ہے۔ انہوں نے صرف باجوں گاجوں کو مستثنیٰ کیا ہے جن کے بارے میں شریعت میں ممانعت آئی ہے۔ لذت کی وجہ سے نہیں۔ جیسے بربط اور طنبور۔ اور دیکھئے نیل الاوطار: ۸/۱۰۰۔۱۰۵، الشرح الصغیر وحاشیۃ الصاوی: ۲/۵۰۲ وما بعدھا۔

❺ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

میں دھنسا دیں گے اور بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیں گے۔'' ❶

علماء نے باجوں کی حرمت پر قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَہۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ ...... لقمان: ۳۱/ ۶

''اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو خرید لیتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں۔''

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ آلات مست کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکنے کا اور مال ضائع کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک قضیب مکروہ ہے جو گانے میں مزید مستی پیدا کرتی ہے لیکن اکیلی کچھ نہیں کرتی۔ اس لئے کہ یہ گانے کے تابع ہوتی ہے۔ تو اس کا حکم وہی ہوگا جو گانے کا ہے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی حرام یا مکروہ مل جائے جیسے تالیاں، گانا، ناچ تو یہ مکروہ ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ کچھ نہ ہو، اکیلی ہو تو مکروہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ کوئی آلہ نہیں ہے اس سے مستی بھی پیدا نہیں ہوتی اور اس کو اکیلے سنا بھی نہیں جاتا۔ بخلاف دوسرے آلات کے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ظاہریہ اور صوفیاء کی ایک جماعت نے سماع کو مباح کہا ہے اگرچہ اس کے ساتھ سارنگی اور بانسری ہو۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی یہی رائے ہے (جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر، معاویہ رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہ) اور بعض تابعین کی بھی یہی رائے ہے جیسے سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ۔

رقص...... دوہرا ہو کر، ناز نخرے سے، مائل ہو کر اور اوپر نیچے ہو کر موزوں حرکات کرنے کو رقص کہتے ہیں۔ یہ حرام ہے اور اس کو حلال سمجھنے والا فاسق ہے۔

مباح کھیل...... گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کے ذریعے دوڑ کے جائز مقابلے اور اسلحے کی مشق مباح ہے۔ اس میں عوض بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ تیسرے آدمی کی طرف سے یا فریقین میں سے کسی ایک کی طرف سے ہو۔

شادی اور ختنے میں مباح گانا گانا اور دف بجانا جائز ہے۔ ❷ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''نکاح کا اعلان کرو اور اس میں دف بجاؤ۔'' ❸

وہ تمام گانے حرام ہیں جو شر پر ابھاریں، ان میں حسن کی تعریف ہو، گناہوں اور شراب پینے کا تذکرہ ہو۔

رویانی نے قفال سے نقل کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باجوں گاجوں والے گانے مباح ہیں۔ ظاہریہ کا بھی یہی مسلک ہے اہل مدینہ میں سارنگی کے مباح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ❹ بعض شافعیہ کا یہی قول ہے۔ اباحت پر ان کی دلیل یہ ہے کہ ممانعت والی حدیث صحیح نہیں۔ فاکھانی کہتے ہیں میرے علم میں کوئی آیت یا کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں جو آلات موسیقی کی حرمت پر دلالت کرتی ہو۔ اس مسئلے میں قرآن حدیث کے ظاہر اور عموم سے استدلال کیا گیا ہے قطعی دلائل موجود نہیں۔ ❺

میں کہتا ہوں کہ قومی ترانوں اور فضل و کمال اور جہاد پر مشتمل نغموں کے جواز میں کوئی امر مانع نہیں۔ بشرطیکہ اختلاط نہ ہو اور عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ پورا جسم باپردہ ہو ذلیل کاموں پر ابھارنے والے گانوں کی حرمت میں کوئی شک نہیں۔ یہاں تک کہ جو حضرات گانے کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی یہ حرام ہیں۔

---

❶ دف: یہ غربال کی طرح ایک طرف سے گول ہوتا ہے۔ اگر دونوں طرف سے گول ہو جیسے مِزہر تو اس کے بارے میں مالکیہ کے تین قول ہیں۔ جواز، ممانعت اور کراہت۔ ❷ اس کو امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۶/ ۱۸۷) ❸ نیل الاوطار ۶/ ۱۸۸ ❹ نیل الاوطار: ۸/ ۱۰۰۔ ۱۵۰۔ ❺ نیل الاوطار ۸/ ۱۰۴۔

بالخصوص آج کل ریڈیو اور ٹی وی پر پیش کئے جانے والی ڈھیر منکرات بلاشبہ حرام ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کل کے دور میں سماع سے بچنا بہتر ہے۔ اس لئے کہ اس میں شبہ ہے۔ اور ایمان والے شبہات سے بچتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں تصریح کی گئی ہے۔ جس نے شبہات کو چھوڑ دیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔ اور جو چراگاہ کے گرد منڈلاتا رہا اسے خطرہ ہوتا ہے کہ اس میں جا پڑے۔ خاص طور پر جب کہ گانے میں راگ ورخسار، جمال ودلال، ھجر ووصال اور کثرت شراب نوشی کا تذکرہ ہو۔ جیسا کہ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ (1)

بعض نفسیاتی اور اعصابی امراض کے علاج کے لئے موسیقی استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک لہو ولعب کے جائز وناجائز ہونے کا ضابطہ...... شافعیہ کے نزدیک لہو ولعب میں امتیاز کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ جس کھیل کا کچھ فائدہ نہ ہو مباح ہوتا ہے اور جس کا نقصان ہو وہ حرام ہوتا ہے۔

کھیل کی اقسام میں فرق کرنے کی بنیاد یہ ہے ذہین کو مشغول اور فکر کو متحرک کرنے والے کھیل مکروہ ہیں جیسے شطرنج۔ اور جو کھیل اتفاق پر مشتمل ہوں اور فکر اور عقل پر پردے ڈالنے والے ہوں وہ حرام ہیں جیسے نرد۔

اسی اصول کی بنیاد پر لہو ولعب والے مجالس میں ہے محابلہ بے تکلفانہ گفتگو مکروہ ہے اگر جھوٹ اور استہزاء بھی ساتھ شامل ہو جائے تو حرام ہے۔

آلات موسیقی والی گانے بجانے والی مجالس حرام ہیں۔ شطرنج مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے ذہن کی ورزش ہوتی ہے۔ اگر اس کی وجہ سے دینی واجبات فوت ہو رہے ہوں تو حرام ہے۔ تاش کھیلنا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ اللہ کے ذکر سے غافل کرتا ہے۔ اگر مال کی شرط لگائی جائے تو حرام ہے۔ نرد حرام ہے اگر چہ جوئے اور مالی عوض سے خالی ہو۔ اس لئے کہ اس کا دارو مدار مصادفت پر ہے۔

اس سے انسان پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اور یہ ذہن بنتا ہے کہ کارہائے زندگی میں مصادفت اثر پزیر ہوتی ہے۔ مرغے لڑانا، جانور لڑانا، بل فائٹنگ، کشتی، باکسنگ اور اس طرح کہ دوسرے کھیل حرام ہیں۔ اس لئے کہ یہ انسانی اور حیوانی زندگی میں نقصان کا باعث ہیں اگر باکسنگ میں اور کشتی میں طرفین سے کسی کو نقصان نہ ہو تو یہ مباح ہوں گے اس طرح اگر اس سے مقصود طاقت حاصل کرنا اور لڑائی کی مشق کرنا اور ذاتی دفاع کی مشق ہو تو یہ مباح ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ پہلوان سے کشتی کی اور غالب رہے۔ (2)

اگر لہو ولعب میں ایک طرف سے یا دونوں طرف سے یا تیسرے آدمی کی طرف سے مال کی شرط لگائی جائے تو جوا ہونے (نیا پہو) کی وجہ سے حرام ہے۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مراسیل میں جو یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ پہلوان سے اس کے قبول اسلام سے پہلے بکریوں پر کشتی کی تو یہ زمانہ جاہلیت میں رکانہ کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں بکریاں یہ کہتے ہوئے واپس کردی تھیں کہ ہمارا مقصد کشتی کے مال لینا نہیں تھا اپنی بکریاں لے لو۔

علماء کی ایک جماعت کے نزدیک کبوتر بازی مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس کی اجازت نہیں دی گئی کبھی یہ حرام بھی ہو جاتی ہے اس لئے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو کبوتری کے پیچھے بھاگتے دیکھا فرمایا یہ شیطان شیطان کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔

حدی اور شعر...... اونٹوں کو چلانے کے لئے جو اشعار پڑھے جاتے ہیں ان کو حدی کہتے ہیں۔ یہ مباح ہے اس کے کہنے سننے میں کوئی

(1) ...نیل الاوطار: ۱۰۵/۸۔ (2) ابوداؤد۔

حرج نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا۔ اس طرح عربوں کے اشعار کو برقرار رکھا اس لئے اشعار پڑھنے کی تمام صورتیں جب تک گانے کی حد تک نہ پہنچیں...... جائز ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اشعار سنتے تھے تو منع نہیں فرماتے تھے۔ ❶

شعر کہنا بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کئی شعراء تھے جن میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، کعب بن مالک اور عبداللہ بن احمد رضی اللہ عنہ شامل ہیں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بیان کی۔ کعب بن زبیر نے جب قصدیدہ لامیہ بانت سعاد پڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر عنایت فرمائی۔

شعر حکم کے اعتبار سے عام باتوں کی طرح ہوتے ہیں۔ جائز ناجائز ہونے میں، مکروہ و مستحب ہونے میں اور ان سے گواہی کے رد ہونے میں ان کا حکم وہی ہے جو عام باتوں کا حکم ہوتا ہے۔ اچھے اشعار عام باتوں کی طرح اچھے ہوتے ہیں اور برے اشعار عام باتوں کی طرح برے ہوتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''بعض اشعار میں دانائی ہوتی ہے۔'' ❷

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''شعر عام باتوں کی طرح ہوتے ہیں، اچھے شعر اچھی باتوں کی طرح ہیں اور برے اشعار بری باتوں کی طرح ہوتے ہیں۔'' ❸

قرآن مجید خوش آوازی سے پڑھنا...... خوش آوازی کے بغیر قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن افضل یہ ہے کہ قرآن مجید خوش آوازی سے پڑھا جائے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''قرآن مجید کو اپنی آواز سے مزین کرو'' یا ''اپنی آواز کو قران مجید سے مزین کرو۔'' ❹

خوش آوازی سے پڑھنے میں اگر کھینچنے، مد کرنے اور حرکتوں کے اسباع میں مبالغہ نہ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید پڑھا، ترجیح کی اور آواز بلند کی اگر لمبا کرنے اور عام کرنے میں حد سے تجاوز کیا تو مکروہ ہوگا۔ ❺

پنجم: تصویر...... عربی زبان میں تصویر کے اصل معنی بنانے، ترتیب دینے اور فرق کرنے کے آتے ہیں۔ اسی سے **المصور** ہے جو اللہ تعالیٰ کا نام ہے جس نے تمام موجودات کو بنایا، ترتیب دیا، ہر چیز کو ایسی خاص صورت اور منفرد ہیئت دی کہ اختلاف اور کثرت کے باوجود دوسروں سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ ❻ اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ (الاعراف: ۷/۱۱) پھر ہم نے تمہاری صورتیں بنائیں۔

وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ...... التغابن: ۶۴/۳

اور صورت کھینچی تمہاری، پھر اچھی بنائی تمہاری صورت۔

فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ﴿۸﴾ الانفطار: ۸۲/۸

(اس نے) جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ ...... آل عمران: ۳/۶

وہی تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں۔

---

❶ ...... دیکھئے المہذب: ۲/۲۲۷، المغنی: ۹/۱۷۶، الا حیاء: ۳/۱۰۹۔ ❷ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: ''ان من البیان سحراً وان من الشعر حکماً۔'' ❸ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الادب میں اور عبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور ابویعلیٰ نے اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ (الفتح الکبیر) ❹ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (الجامع الصغیر) ❺ المہذب: ۲/۳۲۸، المغنی: ۹/۱۷۹ ومابعد۔
❻ النہایۃ لا بن الاثیر: ۳/۵۸۔

اسی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی اسی صورت پر پیدا فرمایا۔ آپ علیہ السلام کا قد ساٹھ ذراع تھا۔“ ❶ امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں فرماتے ہیں۔ صورت سے مراد انسان کی وہ خاص ہیئت ہے جو بصارت اور بصیرت سے نظر آتی ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان کو بہت سی مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے۔ ❷

عہد نبوت میں پائی جانے والی تصویر..... جس کے بارے میں ممانعت اور حرمت نازل ہوئی میں تین صفات پائی جاتی تھیں:

۱..... تصاویر ذی روح چیز کی ہو یعنی انسان یا حیوان کی۔

۲..... تعظیم مقصود ہو۔

۳..... اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت۔

حرام کرنے کی حکمت یہ تھی کہ بت پرستی کی مشابہت سے روکا جائے، شرک کے خلاف جنگ کی جائے اور اکیلے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جائے۔

تصویر کے متعلق مشہور احادیث..... تصویر کے بارے میں وارد ہونے والی اہم احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ کتے اور تصویر والے گھر میں فرشتوں کے داخل نہ ہونے والی حدیث..... امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ”فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔“ یعنی رحمت، برکت اور استغفار والے فرشتے۔ رہے حفاظت کرنے والے فرشتے تو وہ ہر گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ اور انسان سے کسی حال میں جدا نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ وہ اعمال شمار کرنے اور لکھنے پر مامور ہیں۔ علماء فرماتے ہیں: تصویر والے گھر میں فرشتے اس لئے داخل نہیں ہوتے کہ یہ انتہائی مذموم گناہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت ہے۔ اسی طرح کتا نجاست بہت زیادہ کھاتا ہے۔ ❸

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔“ اس سے مراد وہ کتا اور تصویر ہے جس کو رکھنا حرام ہے۔ جو حرام نہ ہو جیسے شکار، کھیتی اور مویشیوں والا کتا اور وہ تصویر جو توہین آمیز جگہ پر ہو جیسے چٹائی، تکیہ وغیرہ پر، تو اس کی وجہ سے فرشتے نہیں رکتے۔

۲۔ قرام والی حدیث..... امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے: فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے۔ میں نے اس وقت تصویر والا ❹ پردہ لگایا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ پکڑ کر پھاڑ لیا۔ اور فرمایا: ”قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔“ ❺ پردے سے متعلق یہ حکم شروع شروع میں تھا۔ بعد ازاں اس میں رخصت آگئی۔

اس کی دلیل دوسری روایت ہے جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے خالد جہنی سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے: **”الا رقماً فی ثوب“** سوائے اس کے جو کپڑے میں نقش ہو۔

---

❶..... اس کو امام احمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام اسی صورت پر پیدا ہوئے جس پر پیدائش سے موت تک رہے۔ ان کے قد وقامت اور شکل وصورت میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس ان کی اولاد پہلے نطفہ ہوتی ہے، پھر جما ہوا خون، پھر بوٹی پھر ہڈیاں اور پٹھے۔ بعد ازاں اس پر بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے حالات آئے ہیں۔ ❷ **معجم مفردات الفاظ القرآن**: ص ۲۹۷۔ ❸ شرح مسلم للنووی رحمۃ اللہ علیہ: ۱۴/۸۴۔ ❹ القرام: پلنگ کی چادر اور استر جیسا باریک پردہ۔ ❺ شرح مسلم: ۱۰۴/۷، ۸۷ وما بعد۔

اس رخصت کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس ایک پردہ تھا جس پر پرندے کی تصویر تھی۔ گھر میں داخل ہونے والا جب داخل ہوتا تھا تو وہ اس کے سامنے پڑتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''اس کو بدل دو اس لئے کہ میں جب بھی داخل ہوتا ہوں، اس پر نظر پڑتی ہے تو مجھے دنیا یاد آجاتی ہے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ہمارے پاس ایک چادر تھی جس پر ریشم کے نقش ونگار تھے۔ ہم اسے پہنا کرتے تھے۔

علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پہلے پہل ہر قسم کی تصاویر سے روکا گیا، اگرچہ وہ کپڑے کے نقش ونگار ہوں۔ اس لئے کہ وہ تصویروں کی عبادت کے قریب کا وقت تھا۔ اس لئے تمام تصویروں سے منع کر دیا گیا۔ پھر جب اس کی ممانعت پختہ ہوگئی تو کپڑا بنانے کی ضرورت کی وجہ سے نقش کی اجازت دے دی گئی اور مقام حقارت والی تصاویر کو بھی مباح کر دیا گیا۔ اس لئے کہ اسطرح کی تصویروں کی جاہل تعظیم نہیں کرتے۔ اور جو تصویریں مقام حقارت میں نہیں ان میں نہی باقی رہی۔

۳۔نمرقہ والی حدیث...... ❶ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک چھوٹا تکیہ (نمرقۃ) خریدا جس پر تصاویر تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہوگئے۔ اندر داخل نہیں ہوئے۔ میں نے ان کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار جان لئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توبہ کرتی ہوں۔ مجھ سے کیا گناہ سرزد ہوگیا؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تکیہ کیسا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا ''یہ میں نے آپ کے لئے خریدا ہے تاکہ آپ اس کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھیں اور سر کے نیچے رکھیں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان تصویروں والوں کو عذاب ہوگا اور ان سے کہا جائے گا کہ اپنے پیدا کئے ہوؤں کو زندہ کرو۔'' پھر فرمایا ''جس گھر میں تصویریں ہوں فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے۔'' ❷ یہ حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ حرمت تصویر بنانے والوں کے لئے ہے جو جاندار اجسام کی تصویریں اس طرح بناتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت ہوتی ہے۔

۴۔تصویر بنانے والوں کو چیلنج...... امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوزرعہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مروان کے پاس گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے وہاں تصویریں دیکھیں تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے سنا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو میری طرح تخلیق کرنے چلا ہے۔ ایسے لوگ ایک ذرہ پیدا کریں، ایک دانہ پیدا کریں، ایک جو پیدا کریں۔'' ❸

۵......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نقل کی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں صلیب ❹ کی تصویروں والی ہر چیز مٹا دیتے تھے۔''

تصویر کے بارے میں علماء کی آراء...... علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ علماء کی آراء ❺ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جاندار کی تصویر بنانا بہت سخت حرام ہے۔ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اس لئے کہ اس پر انتہائی شدید وعید آئی ہے۔ جو مذکورہ احادیث میں مذکور ہے۔ اور بنانے میں عموم ہے چاہے اس کو حقارت والی جگہ کے لئے بنایا گیا ہو یا کسی اور جگہ کے لئے۔ تصویر بنانا ہر حال میں حرام ہے۔ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت ہے۔ اور اس میں بھی عموم ہے کہ چاہے وہ کپڑے پر ہو یا چٹائی، درہم، دینار، سکے، برتن، دیوار یا کسی اور چیز پر۔

---

❶......النمرقة: چھوٹا تکیہ۔ ❷شرح مسلم: ۱۴/۸۹ومابعد۔ ❸ سابقه حواله: ۱۴/۹۳ وما بعد۔ ❹التصاليب: صلیب کی تصویریں۔

❺شرح المسلم سابقه حواله: ۱۴/۸۱ وما بعد۔

درختوں اونٹ کے کجاووں اور اس طرح کی بے جان چیزوں کی تصویر بنانا حرام نہیں۔ یہ تصویر بنانے کا حکم ہوا۔

تصویر رکھنے کا حکم...... جاندار کی تصویر والی اشیاء گھروں وغیرہ میں لگانے اور لٹکانے کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ دیوار، لباس، عمامے اور اس طرح کی دوسری چیزوں پر ہو جن کو حقارت والی نہیں سمجھا جاتا تو وہ حرام ہیں۔

اور اگر یہ نیچے بچھائی جانے والی چٹائی، گدے تکیے یا اس جیسی دوسرے چیزوں پر ہو جو حقارت والی ہیں تو حرام نہیں اس میں سایہ دار اور غیر سایہ دار کا کوئی فرق نہیں۔ یہ شافعیہ اور جمہور صحابہ وتابعین اور بعد کے علماء کی رائے ہے امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

رحمت کے فرشتے اس کتے اور تصویر کی وجہ سے گھر آنے سے رکتے ہیں جس کا رکھنا حرام ہے۔ جس کتے کا گھر میں رکھنا حرام نہیں جیسے کہ، شکار یا مویشیوں والا کتا اسی طرح جس تصویر کا گھر میں رکھنا حرام نہیں چٹائی تکیئے وغیرہ پر لگی ہوئی مقام حقارت والی تصویر تو اس کی وجہ سے فرشتے نہیں رکتے۔ جیسا کہ گزر چکا۔

بعض علماء سلف فرماتے ہیں: نہی اور ممانعت صرف سایہ والی تصویر کی ہے۔ سائے کے بغیر والی تصویروں میں کوئی حرج نہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مذہب باطل ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پردے والی تصویر سے منع فرمایا تھا اس کے مذموم ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔ اس کی تصویر کا سایہ نہیں تھا۔ علاوہ ازیں دوسری احادیث مطلق ہیں اور ان میں تمام تصویریں شامل ہیں۔

زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصویر کی نہی عام ہے۔ یہی حکم تصویر والی چیز استعمال کرنے اور تصویر والے گھر میں داخل ہونے کا ہے۔ چاہے تصویر کپڑے پر نقش ہو یا نہ ہو، دیوار پر ہو یا کپڑے اور چٹائی پر، مقام حقارت میں ہو یا کہیں اور سب کا یہی حکم ہے۔ اس لئے کہ احادیث کا ظاہر یہی ہے۔ بالخصوص صحیح مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی تکیئے والی حدیث کا مفہوم۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مذہب قوی ہے۔

دوسرے بعض علماء فرماتے ہیں کہ کپڑے کا نقش جائز ہے چاہے مقام حقارت میں ہو یا نہ ہو۔ اور چاہے دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا ہو یا نہ ہو۔ ان کے نزدیک سایہ دار تصاویر، دیواروں پر بنی تصاویر اور ان جیسی دوسری تصویریں مکروہ ہیں، چاہے نقش ہوں یا نہ ہوں۔ انہوں نے حدیث **الا رقماً فی ثوب** سے استدلال کیا ہے۔ یہ قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

سایہ دار تصاویر کی ممانعت اور ان کو بدلنے کے وجوب علماء کا اجماع ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چھوٹی بچیوں کی گڑیا اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان میں رخصت ہے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری میں تصویر رکھنے کے بارے میں ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے نقل کی ہے:

تصویر رکھنے والے مسئلے کا خلاصہ یہ ہے کہ تصویر اگر جسم والی ہو تو بالا جماع حرام ہے۔ اور اگر نقش ہو تو اس میں چار اقوال ہیں۔

پہلا......حدیث "**الا رقماً فی ثوب**" کے مطابق مطلقاً جائز ہے۔

دوسرا......مطلقاً ناجائز ہے۔

تیسرا......اگر تصویر کی ہیئت باقی ہو اور شکل وصورت قائم ہو تو حرام ہے۔ اور اگر اس کا سر کٹا ہوا اور اجزاء متفرق ہوں تو جائز ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی اصح ہے۔

چوتھا......بمقام حقارت میں جائز ورنہ ناجائز۔

تصویر کے بارے میں بحث کا خلاصہ...... جاندار کی سایہ دار تصویریں، جسم والی تصویریں اور مورتیاں حرام ہیں۔ ان کی حرمت پر علماء کا اجماع ہے۔ مورتیوں کو بنانا اور کسی جگہ نصب کرنا حرام ہے۔ اس لئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ومسلم رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی حدیث نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں موتیاں ہوں“۔

نباتات اور کائنات کے قدرتی مناظر جیسے آسمان، زمین، باغات، پہاڑ، سمندر نہریں اور جامد اشیاء جیسے جہاز، گاڑیاں اور اس طرح کی دوسری بے جان مخلوقات کی تصاویر مباح ہیں۔ اس لئے کہ یہ حدیث کی ممانعت سے خارج ہیں۔ اس طرح **یشبھون بخلق اللہ** اور ”**یقال لھم احیوا ماخلقتم**“ میں اشارہ موجود ہے۔

گدوں، تکیوں، پردوں، چٹائیوں، بستروں اور استر پر بنی ہوئے تصویروں میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ یہ مقام حقارت پر ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک قلمی تصویریں، دیواروں کے نقوش، کاغذ پر بنی ہوئی تصویریں، کپڑوں اور پردوں پر چھپی ہوئی اور بنی ہوئی تصویریں، ڈیزائن، نقش ونگار اور مختلف قسم کے دھاگوں سے کیا ہوا کام اور اسی طرح کی دوسری غیر سایہ دار تصاویر مباح ہیں۔

بچوں کے لئے موم اور دھاگوں سے بنے ہوئے مختلف قسم کے کھلونوں کی صورتیں جائز ہیں۔ جیسے گڑیا وغیرہ اور ان کو بیچنا بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی ❶ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لاتے اور اس وقت میرے پاس لڑکیاں بھی ہوتیں۔ ❷ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوتے تو وہ نکل جاتیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکل جاتے تو وہ آجاتیں۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جیسی ایک اور روایت نقل کی ہے۔ اس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک یا خیبر سے واپس تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود گڑیوں کو برقرار رکھا۔ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصویروں سے کھیلنا صرف بچیوں کے لے جائز ہے اس کے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں۔ ان تصویروں اور کپڑے کے نقش کے علاوہ سب تصویریں حرام ہیں۔

اگر تصویر ایسی حالت میں ہو جس میں زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو جیسے سر کٹی تصویر یا آدھی، تصویر مباح ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ اس کو بھی گھر میں یا کہیں اور نصب نہ کیا جائے۔

حنفیہ میں سے علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ❸ گھروں میں تصویریں رکھنا مکروہ (تحریمی) ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: ”فرشتے اس گھر میں دخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو“ دوسری بات یہ ہے کہ گھر میں تصویر رکھنے سے بت پرستوں سے مشابہت ہوجاتی ہے۔ ہاں اگر وہ چٹائیوں پر اور چھوٹے تکیوں پر ہو جن کو بیٹھنے کے لئے زمین پر ڈالا جاتا ہے تو مکروہ نہیں۔ اس لئے کہ اس کو پاؤں سے روندنے سے اس کی حقارت واہانت ہوتی ہے۔ تصویر کو ایسی حقارت والی جگہ رکھنے سے بت پرستوں سے مشابہت نہیں ہوتی البتہ اس پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ مشابہت والے معنی حاصل ہوگئے۔

پردوں، دیوار کے لبادوں، بڑے تکیوں اور چھتوں پر بنی تصویریں مکروہ ہیں۔ اس لئے کہ اس میں ان کی تعظیم ہے۔ اگر اس کا سر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ تصویر نہیں بلکہ نقش ہے۔ اگر اس کا سر اس طرح کاٹ دیا کہ اس کے گلے پر دھاگے سے سلائی کردی تو اسے کچھ نہیں ہوتا..... اس لئے کہ اس طرح یہ تصویر کے حکم سے خارج نہیں ہوئی بلکہ اس کا حلیہ مزید واضح ہوا ہے۔ جسے بعض پرندوں کے گلے کا قدرتی حلقہ۔ مکروہ تحریمی جاندار چیزوں کی تصویر ہے۔ بے جان چیزوں درخت چراغ وغیرہ کی تصویر میں کوئی حرج ہے نہیں۔

فوٹو جائز ہیں گھر وغیرہ میں فوٹو لٹکانے میں کوئی مانع نہیں بشرطیکہ فتنہ انگیز جیسے عورتوں کی تصاویر جن میں چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ دیگر اعضاء بازو پنڈلیاں بال وغیرہ ظاہر ہوں۔ ٹی وی کی تصویروں اور اس پر پیش کئے جانے والے رقص، اداکاری اور گلوکاری کا بھی یہی حکم ہے میری رائے میں یہ سب حرام ہیں۔

---

❶..... البنات: بچوں کے کھیلنے میں استعمال ہونے والی گڑیوں کی صورتیں۔ ❷ الجواری: یہ جاریہ کی جمع ہے۔ نوجوان لڑکی۔ ❸ البدائع: ۱۲۶/۵ ومابعد۔

فنون لطیفہ کے کالجوں کے طلبہ کا برہنہ عورتوں کی صورتیں تراشنا اور تصویریں بنانا سخت اور گناہ کبیرہ ہے۔ ڈرائنگ کو میڈیکل کالج میں کئے جانے والے پوسٹ مارٹم پر قیاس کرنا درست نہیں۔ اس لئے کہ پوسٹ مارٹم انسانی زندگی کو تحفظ دینے والی ایک سائنسی ضرورت ہے۔ اس کے برعکس ڈرائنگ ایک زائد اور تفریحی مشغلہ ہے۔ ایسی طرح پوسٹ مارٹم موت کے بعد ہوتا ہے اور ڈرائنگ زندگی میں۔

فوٹو کے مباح ہونے کی وجہ یہ ہے اسے لغوی اعتبار سے تو تصویر کہا جاتا ہے لیکن شرعی اعتبار سے یہ تصویر نہیں ہے۔ اس لئے کہ عہد نبوت میں جس چیز پر تصویر کا اطلاق ہوتا تھا اس کا ذکر گزر گیا ہے۔ دوسری بات یہ فوٹو سائے یا شکل کو قید کرتا ہے۔ جیسے آئینے اور پانی والی تصویر میں ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ آئینے اور پانی والی تصویر متحرک ہوتی ہے۔ ثابت نہیں ہوتی۔ جب کہ فوٹو کیمیاوی مادوں سے ثبت ہوجاتا ہے۔ یہ حقیقت میں تصویر نہیں ہے۔ اس لئے کے کیمیاوی مادے اس کی نقل وحرکت سے مانع ہوتے ہیں۔ ❶

ششم......حیوان کو نشان لگانا

الوسم...... جانور کو داغ کر یا کان میں سوراخ کر کے نشان لگانے کو وسم کہتے ہیں۔ اہل لغت کے مطابق وسم داغ کے اثر کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: بعیر ''موسوم'' داغا ہوا اونٹ۔ یہ وسم یسم وسماً وسمۃ سے ہے۔ **المیسم**: اس چیز کو کہتے ہیں جس سے داغا جائے۔ اس کی جمع میاسم اور مواسم ہے۔ ان سب کی اصل سمۃ ہے جس کا معنی ہے علامت۔ اسی سے ہے ''**موسم الحج**'' یعنی لوگوں کے اجتماع کی علامت۔ **فلان موسوم بالخیر** فلاں آدمی خیر کی علامت ہے۔ **علیہ سمۃ الخیر** اس پر خیر کی علامت ہے۔ **توسمت فیہ کذا** میں نے اس میں علامت دیکھیں۔

حکم......اس میں دو رائیں ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور یہ مثلہ ہے جو کہ ممنوع ہے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ جانور کو چہرے کے علاوہ باقی جسم پر نشان لگانا جائز ہے۔ البتہ آدمی کو داغ وغیرہ کا نشان لگانا جائز نہیں۔ زکوٰۃ اور جزیئے کے جانوروں کو نشان لگانا مندوب ہے۔ دلیل وہ صحیح اور صریح احادیث ہیں جن کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی بہت سے آثار بھی اس کی دلیل ہیں۔ علاوہ ازیں بعض اوقات اونٹ بدک کر بھاگ جاتے ہیں۔ تو جس کو ملیں گے وہ علامت سے پہچان کر واپس کر دے گا۔ مثلے والی روایات کا جواب یہ ہے کہ وہ روایات عام ہیں اور نشان والی احادیث خاص ہیں۔ اس لئے ان کو مقدم کرنا واجب ہے۔

احادیث میں سے ایک وہ ہے جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ہشام بن زید سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بیان کرتے سنا کہ ان کی والدہ کے ہاں ولادت ہوئی تو بچے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحنیک (کوئی میٹھی چیز چبا کر نرم کر کے بچے کے تالو سے لگانا) کے لئے لے جایا گیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت باڑے ❷ میں بکریوں کو نشان لگا رہے تھے۔ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میرا رجحان اس طرف ہے کہ انہوں نے ''**فی آذانھا**'' (بکریوں کے کانوں میں) کہا تھا۔

دوسری روایت میں ہے: ہشام بن زید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا: ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باڑے میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کو داغ رہے تھے۔ ہشام کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے انہوں نے **فی آذانھا** کہا تھا۔ ❸

---

❶......تفسیر آیات الاحکام للشیخ الاستاذ محمد علی السایس: ۶۱/۴۔ ❷المرید: اونٹ بند کرنے کی جگہ۔ یہ بکریوں کے باڑوں کی طرح ہوتا ہے۔ ❸شرح مسلم: ۹۸/۱۴۔

ہفتم: **بالوں کے احکام**...... سر کے بال لمبے کرنا اور پورا سر منڈانا جائز ہے۔ اس لئے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ دیکھا جس کا کچھ سر مونڈا ہوا تھا اور کچھ چھوڑا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ سارا مونڈ دیا سارا چھوڑ دو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو صفائی رکھنا چاہتا ہو اس کے لئے سر منڈانا جائز ہے۔

قزع بال مکروہ ہیں۔ یعنی بچے کے بال مونڈتے ہوئے مختلف جگہوں سے چھوڑ دینا۔ اس کو بال کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے مشابہہ ہونے کی وجہ سے قزع کہتے ہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قزع مطلقاً سر کا بعض حصہ مونڈنے کو کہتے ہیں یہی اصح ہے۔

بال رکھنا جائز ہے۔ اس لئے کہ نسائی کے علاوہ تمام صحاح ستہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال وفرۃ سے زیادہ جمہ سے کم تھے۔ ❶

بالوں والے کے لئے کنگھی کرنا اور بال سنبھال کر رکھنا مستحب ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: ''جس کے بال ہوں اسے چاہئے کہ ان کا اکرام کرے۔'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بالوں کو کنگھا کرنا تیل لگانا اور منڈانے کے بجائے بڑھانا مستحب ہے۔ اس لئے کہ کاٹنا اکرام کے خلاف ہے۔ ہاں اگر لمبے ہوجائیں تو کاٹے جائیں گے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اسی کے سر اور داڑھی کے بال پراگندہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ فرمایا گویا بالوں اور داڑھی کو ٹھیک کرنے کا اشارہ کررہے ہوں۔ جب وہ آدمی بال ٹھیک کر کے واپس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا یہ حالت اس سے بہتر نہیں ہے کہ آدمی آئے اور اس کے بال بکھرے ہوئے ❷ ہوں گویا کہ وہ شیطان ہے۔

سفید بال اکھیڑنا...... سفید بال اکھیڑنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے **حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ** سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سفید بال نہ نکالا کرو! اس لئے کہ یہ مومن کا نور ہیں۔ جب بھی مسلمان کا کوئی بال سفید ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک نیکی دیتے ہیں ایک درجہ بلند کرتے ہیں اور ایک گناہ معاف فرماتے ہیں۔''

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صریح نہی کی وجہ سے اگر سفید بال اکھیڑنے کو حرام کہا جائے تو کچھ بعید نہیں۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ سفید بال داڑھی سے نوچے جائیں یا سر مونچھوں، ابروؤں اور رخساروں سے مرد کے ہوں یا عورت کے سب کا ایک ہی حکم ہے۔

بالوں کو سرخ، زرد، کالے اور دوسرے رنگوں سے رنگنا (خضاب لگانا) جائز ہے۔ البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کالا رنگ حرام ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک محض مکروہ ہے۔ خضاب کے جواز کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت ❸ ابوقحافہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ ان کا سر ثغامہ ❹ کی طرح سفید تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان کو اپنی کسی عورت کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ ان کے بال رنگ دے البتہ کالے رنگ سے بچنا۔''

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین نے امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال معمولی سفید ہوئے تھے۔ لیکن ان

---

❶......الوفرۃ: سر پر جمع بال یا کانوں پر پڑے بال یا وہ بال جو کانوں کی لو سے تجاوز ہو گئے ہوں۔ الجمۃ: لو سے نیچے تک کے بال۔ ❷التائر: پراگندہ بال جن میں کافی عرصہ تک تیل کنگھی کا استعمال نہ ہوا ہو۔ ❸ابو قحافہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد محترم۔ ❹ثغامۃ: ابوعبید کہتے ہیں یہ سفید پھل اور پھول والی بوٹی ہے جو سفید بالوں کے مشابہہ ہوتی ہے۔

کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے مہندی اور وسمہ (کتم) سے بال رنگے۔'' ❶

سلف صالحین صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں خضاب اور اس کی جنس کے بارے میں اختلاف ہے۔بعض کے نزدیک خضاب نہ کرنا افضل ہے۔اس لئے کہ حدیث شریف میں سفید بالوں کا رنگ بدلنے سے منع کیا گیا ہے۔اور اس سے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال کبھی بھی نہیں رنگے۔ ❶ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ خضاب افضل ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور بعد والوں کی ایک معتدبہ تعداد نے خضاب استعمال کیا۔اس لئے کہ یہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔

پھر مؤخر الذکر حضرات کا آپس میں اختلاف ہے۔اکثر زرد رنگ یعنی سرخ زرد رنگ استعمال کرتے تھے۔ان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ شامل ہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ان میں سے بعض مہندی اور وسمہ (کتم) استعمال کرتے تھے اور بعض زعفران۔بعض کالا رنگ بھی استعمال کرتے ہیں۔یہ حضرت عثمان، حضرت حسن، حضرت حسین، عقبہ بن عامر، ابن سیرین، ابوبردہ رضی اللہ عنہم اور دوسروں سے مروی ہے۔ ❸

صحیح یہ ہے کہ سفید بال رنگنا نہ رنگنا دونوں طرح جائز ہے۔اور ہر طرح کا رنگ جائز ہے۔البتہ کالا رنگ مکروہ ہے۔

آدمی کے بالوں کے ساتھ بال جوڑنا بالاتفاق حرام ہے۔جیسا کہ پہلے گزرا۔چاہے مرد ہو یا عورت۔شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔خوبصورتی کے لئے ہو یا کسی اور مقصد کے لئے۔اسی طرح چاہے مرد کے بال ہوں چاہے عورت کے محرم کے ہوں، شوہر کے یا کسی اور کے۔اس لئے کہ دلائل عام ہیں اور اس لئے بھی کہ آدمی کے بالوں اور دوسرے اجزاء سے انتفاع، اس کی شرافت اور مرتبے کی وجہ سے حرام ہے۔بلکہ اس کے بال ناخن اور تمام اجزاء دفن کئے جاتے ہیں۔

آدمی کے علاوہ کسی کے بال جوڑے تو اگر وہ ناپاک ہوں جیسے مردار کے اور حرام جانوروں کے بال جو ان کی زندگی میں جدا ہوئے ہوں تو بھی حرام ہے۔اس لئے کہ آگے آنے والی حدیث میں بال جوڑنے اور جڑوانے والی پر لعنت آئی ہے۔اور اس لئے بھی کہ اس نے نماز اور غیر نماز میں جان بوجھ کر نجاست اٹھائی ہوئی ہے۔آدمی کے علاوہ کسی اور کے پاک بال اور مصنوعی بال جوڑنے کا حکم یہ ہے کہ اگر اس عورت کا شوہر یا آقا نہ ہو تو یہ بھی حرام ہے۔اگر شوہر ہو تو اس کی اجازت سے جوڑنا جائز ہے۔بلا اجازت ناجائز ہے۔اس بناء پر وگ پہننا مرد کے لئے جائز ہے۔اور عورت کے لئے شوہر کی اجازت سے جائز ہے۔

شافعیہ، امام لیث اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رنگین ریشم کے دھاگوں سے بال جوڑنا جائز ہے۔اس لئے کہ یہ بال جوڑنے کے حکم میں نہیں۔یہ محض زیب وزینت اور خوبصورتی کے لئے کیا جاتا ہے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، طبری اور بہت سے علماء فرماتے ہیں کہ جوڑنا ہر چیز سے ممنوع ہے۔چاہے، بالوں سے جوڑے یا اون سے کپڑے سے۔اس لئے کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ❹ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اپنے سر سے کوئی بھی چیز جوڑنے سے منع فرمایا۔

حنفیہ میں سے علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عورت کے لئے اپنے بالوں کے ساتھ کسی کے انسانی بال جوڑنا مکروہ یعنی مکروہ تحریمی ہے۔اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے بال جوڑنے اور جڑوانے والی پر لعنت کی ہے۔'' اور اس لئے بھی کہ آدمی اپنے تمام اجزاء سمیت قابل احترام ہے اور اس سے الگ ہونے والے جزو سے انتفاع اس کی توہین ہے۔اسی وجہ سے اس کو فروخت کرنا مکروہ ہے۔جانوروں کے بال اور اون کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔اس لئے کہ یہ ایسی چیز کو زیب وزینت کے لئے استعمال کرتا ہے۔جو

❶ .....الحناء: اس کے معنی معروف ہیں۔یعنی جس سے سرخ رنگ میں رنگا جائے۔ الکتم و الکتمان: ایک بوٹی جس کو مہندی سے ملا کر بال رنگے جاتے ہیں یہ وسمہ کے نام سے مشہور ہے۔یعنی نیل کے پتے۔اس کے پتے آس کے پتوں جیسے ہوتے ہیں۔جنہیں کوٹ کر خضاب کیا جاتا ہے۔ ❷ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر سے مروی ہے۔ ❸ نیل الاوطار: ۱/۱۱۸۔ ❹ سابقہ حوالہ: ۶/۱۹۱ ومابعد۔

اس کام کے لئے استعمال ہوسکتی ہے۔ اسی لئے ان سے تمام طریقوں سے انتفاع کیا جاسکتا ہے۔تو زیب وزینت کے لئے استعمال بھی درست ہوگا۔ ❶

عورت کے لئے کانوں سے نیچے بال کاٹنا جائز ہے۔تاکہ مردوں سے مشابہت نہ ہو جیسا کہ گزر چکا ہے۔وہ گھر میں مختلف طریقوں سے سر کنگھا کرسکتی ہے۔البتہ گھر سے باہر چھپا کر رکھے۔

ہشتم: گودنا، بال اکھیڑنا اور دانتوں میں فاصلہ کرنا......الوشم (گودنا) بھی حرام ہے۔اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ سوئی وغیرہ ہتھیلی، کلائی، چہرے یا ہونٹ وغیرہ کی جلد میں چھبوئی جائے۔ جب خون بہہ جائے تو اس سوراخ میں سرمہ وغیرہ بھر دیا جائے تاکہ وہ جگہ سبز ہو جائے۔

النمص......یعنی چہرے سے بال نوچنا۔ یہ بھی حرام ہے۔البتہ اگر عورت کے چہرے پر بہت سے بال مونچھ داڑھی کی شکل میں نکل آئیں تو ان کو ختم کرنا مستحب ہے۔

تفلیج الاسنان......یعنی سامنے والے دانتوں ثنایا اور رباعی کے درمیان ریتی وغیرہ سے فاصلہ کرنا۔اسی طرح عورتوں کے وہ تمام میک اپ جن سے بڑی عورت کو چھوٹا ظاہر کیا جاتا ہے وہ بھی حرام ہیں۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھیلنے اور چھلوانے والی، گودنے اور گودوانے والی اور بال جوڑنے اور جڑوانے والی پر لعنت کیا کرتے تھے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ بیماری کے بغیر بال اکھیڑنے، دانتوں کو تیز اور باریک کرنے، بال جوڑنے اور گودنے سے منع فرمایا۔

الواشرۃ......وہ عورت جو دانتوں کو باریک اور نوکیلے کرنے کے لئے تیز کرتی ہے۔یہ عموماً بڑی عمر کی عورتیں نوعمر عورتوں سے مشابہت کے لئے کرتی ہیں۔

القاشرۃ......(چھیلنے والی) جو اپنے یا کسی اور عورت کے چہرے کا غمرہ (ورس سے بنی طلاء) سے علاج کرتی ہے تاکہ رنگ صاف ہو جائے۔

المقشورۃ:......وہ عورت جس کے ساتھ ایسا کیا جائے......ایسی عورتیں گویا اپنی جلد اوپر سے چھیل لیتی ہیں اور نیچے والی جلد ظاہر ہو جاتی ہے۔یہ بال اکھیڑنے (نمص) سے ملتا جلتا عمل ہے۔

گودنا، بال اکھیڑنا اور دانتوں کا فاصلہ کرنا مردوں عورتوں پر حرام ہے۔کرنا بھی اور کرانا بھی۔اس لئے کہ ان سب پر لعنت آئی ہے جو کہ حرام ہونے کی دلیل ہے۔

گودنے والی جگہ خون رک جانے کی وجہ سے ناپاک ہو جاتی ہے۔اگر علاج سے اس کا خاتمہ ممکن ہو تو وہی واجب ہے۔اور اگر زخمی کئے بغیر ممکن نہ ہو تو اگر نقصان کا اندیشہ ہو یا ظاہری اعضاء چہرے ہتھیلیوں وغیرہ میں کسی سخت عیب کا اندیشہ ہو تو اس کو ختم کرنا ضروری نہیں۔البتہ توبہ ضروری ہے۔اور اگر نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔

ان تینوں (گودنا، بال نوچنا اور دانتوں میں فاصلہ کرنا) کے حرام ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔فرماتے ہیں ”اللہ تعالیٰ نے بال جوڑنے اور جڑوانے والیوں، بال اکھیڑنے اور اکھڑوانے والیوں اور حسن کے لئے دانتوں میں فاصلے کرانے والیوں اللہ کی تخلیق بدلنے والیوں پر لعنت کی ہے۔“ انہوں نے

---

❶...... البدائع: ۱۲۵/۵ وما بعد۔

یہ بھی فرمایا ہے" مجھے کیا ہوا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔"
اس موضوع پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اور احادیث بھی مروی ہیں۔ ❶

نہم۔عورتوں کا مردوں سے اور مردوں کا عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا......مردوں کا عورتوں سے لباس زیب وزینت جیسے کنگن، ہار، بالیاں وغیرہ میں مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔اور عورتوں کا مردوں کے ساتھ بات چیت، چال ڈھال، بال مونڈنے اور بتکلف سخت اور مردانہ آواز وانداز اختیار کرنے میں مشابہت اختیار کرنا بھی حرام ہے۔ایسی عورتوں کو مترجلات کہتے ہیں۔یعنی مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والی عورتیں۔تخنث بھی حرام ہے یعنی مردوں کا چال ڈھال، نرم گفتگو، پتلی آواز، مہندی اور اسی کی طرح میک اپ کی دوسری اقسام، سرخ کرنا، سفید کرنا، انگلیاں رنگنا وغیرہ میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا۔
عورتوں کے لئے مہندی وغیرہ سے خضاب لگانا مستحب ہے۔سرخ رنگ وغیرہ گھر کے اندر شوہر کی اجازت سے جائز ہے۔گھر سے باہر اور شوہر کی اجازت کے بغیر حرام ہے۔
دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔فرماتے ہیں: " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی مردوں پر لعنت فرمائی ہے۔" دوسری روایت میں ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنانہ بننے والے مردوں اور مردوں جیسی بننے والی عورتوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا انہیں اپنے گھروں سے نکال دو۔تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں عورت کو نکال دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فلاں مرد کو نکال دیا۔"
سنن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔فرماتے ہیں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مخنث لایا گیا جس نے اپنے ہاتھ مہندی سے رنگے ہوئے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اس کو کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں احکامات صادر فرمائے اور اس کو نقیع کی طرف جلاوطن کردیا۔پوچھا گیا" یارسول اللہ آپ اس کو قتل کیوں نہیں کردیتے؟" فرمایا" مجھے نماز پڑھنے والوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔" ❷

دہم: سلام کرنا

السلام......یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک ہے۔اس کا مطلب ہے: آپ پر اللہ تعالیٰ کا نام یعنی آپ اس کی حفاظت میں رہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے **الله يصبحك الله معك** (اللہ آپ کے ساتھ رہے۔) سلام کے بارے میں احکام حسب ذیل ہیں۔ ❸
سلام میں پہل کرنا سنت ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔" آپس میں سلام پھیلاؤ۔" سلام کا جواب اکیلے کے لئے فرض عین ہے اور جماعت کے لئے فرض کفایہ۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا......النساء: ۴/ ۸۶

" اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو۔"

جماعت میں سے سلام میں پہل کرنا سنت کفایہ ہے۔افضل یہ ہے کہ سب سلام کریں۔اگر جماعت کے افراد نے ایک آدمی کو سلام کیا اور اس نے جواب میں سب کی نیت کرلی تو یہ جائز ہے۔سب کی طرف سے فرض ساقط ہوجائے گا۔

سلام کے الفاظ......سلام میں السلام علیکم کہنا اور جوب میں وعلیکم السلام کہنا کافی ہے۔سلام کے جواب میں واؤ کا اضافہ واجب ہے۔

---

❶......نیل الاوطار: ۶/ ۱۹۰۔ ❷ نیل الاوطار: ۶/ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ❸ کشاف القناع: ۲/ ۱۷۵۔ ۱۷۹۔

بعض علماء اسے مستحب کہتے ہیں۔ سلام کے کامل الفاظ یہ ہیں:

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاتهٗ اور جواب یہ ہے: وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاتهٗ۔ اس سلام کے ہر فقرے پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ سلام کے جو الفاظ شریعت نے جاری کئے ہیں ان کو بدلنا مکروہ ہے۔ جیسے بعض لوگ کہتے ہیں: سلام "من الله ……" یہ گناہ اور بدعت ہے۔ ❶

سلام کے دیگر آداب واحکام…… سلام کرتے وقت آواز بلند کرنا سنت ہے۔ تاکہ جس کو سلام کیا گیا ہے وہ اچھی طرح سن لے۔ اس لئے کہ مذکورہ بالا حدیث میں گزر چکا ہے۔ "آپس میں سلام پھیلاؤ۔" اگر وہاں کچھ لوگ سوئے ہوں اور کچھ جاگ رہے ہوں تو آواز اتنی پست کرے کہ جاگنے والے سن لیں اور سونے والے نہ جاگیں، تاکہ دونوں فرض پورے ہو جائیں۔

اگر کسی کو سلام کیا پھر جلد ہی دوسری ملاقات ہوگئی تو دوبارہ سلام کرنا سنت ہے۔ اسی طرح تیسری بار اور اس کے بعد بھی اس لئے کہ حدیث عام ہے۔ "آپس میں سلام پھیلاؤ۔" اسی حدیث کی وجہ سے یہ بھی سنت ہے کہ ہر طرح کی بات چیت سے پہلے سلام کرے۔

اگر غالب گمان یہ ہو کہ جس کو سلام کیا جا رہا ہے وہ جواب نہیں دے گا تو بھی سلام نہ چھوڑے اس لئے کہ مذکورہ حدیث عام ہے۔ بچوں کو ادب سکھانے کے لئے سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ ان پر جواب واجب نہیں۔ اگر بچے نے بڑے کو سلام کیا تو جواب واجب ہے۔

سلام کے جواب میں آواز اتنی بلند کرنا واجب ہے کہ سلام کرنے والے تک آواز پہنچ جائے۔

سلام کرتے وقت جھکنا مکروہ ہے۔ بیوی اور محرم عورتوں کے سوا اجنبی عورت کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

البتہ اگر وہ بڑھیا ہو یعنی خوش شکل نہ ہو یا اس سے شہوت کا خدشہ نہ ہو تو مکروہ نہیں۔ اس لئے کہ فتنے کا احتمال نہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے: قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا، ذکر کرنے والا، تلبیہ پڑھنے والا، احادیث بیان کرنے والا محدّث، خطیب، واعظ اور ان سب لوگوں کے سامعین، فقہ کا تکرار کرنے والے، تدریس میں مشغول مدرس، علمی مباحثہ کرنے والے، اذان دینے والا، اقامت کہنے والا، ❷ وہ آدمی جو اپنی حاجت میں مصروف ہو اس کا جواب دینا بھی مکروہ ہے، گھر والوں سے ہمبستری کرنے والا، عدالت میں فیصلہ کرنے والا وغیرہ۔

جس نے مذکورہ حالات، جن میں سلام کرنا مستحب نہیں، میں سے کسی حالت میں سلام کر لیا تو وہ جواب کا مستحق نہیں۔

اپنے ملنے والے یا اپنے ہاں آنے والے کچھ مخصوص لوگوں کے ساتھ سلام کو خاص کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح "سلام الله علیك" بھی کہنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ناپسند فرمایا ہے۔

ممنوع قطع تعلقی (مسلمان کا اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلقی کرنا) سلام سے ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ سلام باہمی محبت کا ذریعہ ہے۔ اس لئے یہ قطع تعلقی کو دور کر دے گا۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے: "سلام قطع تعلقی کو ختم کر دیتا ہے۔" لوگوں سے واپسی پر اور گھر میں داخل ہوتے وقت سلام مسنون ہے۔ اگر خالی گھر یا خالی مسجد میں داخل ہو تو یوں کہے: "السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین"۔ اس لئے کہ ان سب کے بارے میں روایات آئی ہیں۔

گھر میں دائیں پاؤں سے داخل ہو اور یہ دعا پڑھے:

---

❶ …… اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: ترجمہ: "تم جب تک ایمان نہ لے آؤ جنت میں داخل نہیں ہو سکتے اور جب تک آپس میں محبت نہ کرو تمہارا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ تم وہ کرو تو آپس میں محبت کرنے لگو۔ آپس میں سلام پھیلاؤ۔" (الترغیب والترھیب: ۳/۴۲۴) ❷ حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ نمازی کو سلام کرنا مکروہ نہیں ہے۔

اللھم انی أسئلك خیر المولج وخیر المخرج باسم اللّٰہ ولجنا وباسم اللّٰہ خرجنا وعلی اللّٰہ ربنا توکلنا

پھر گھر والوں کو سلام کرے۔اس لئے کہ یہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

پانچویں بحث......خرید وفروخت اور باہمی معاملات کے چند مسائل

حنفیہ نے معاملات سے متعلقہ کچھ ایسے مسائل ذکر کئے ہیں جو شیر، شرعی مانع یا کسی گناہ پر مشتمل ہیں۔ان کا یہاں مختصراً ذکر مناسب ہوگا۔

اول: طبعی کھاد کی بیع......جانوروں کے گوبر کی خرید وفروخت زمین میں کھاد ڈالنے اور پیداوار میں اضافے کے لئے جائز ہے۔اس سے نفع اٹھایا جاسکتا ہے۔اگرچہ یہ بیع اصل کے اعتبار سے مکروہ ہے۔اس لئے کہ گوبر ناپاک ہے۔آدمی کے پاخانے کی بیع مکروہ ہے۔حنفیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اگر پاک چیز ناپاک ہوجائے جیسے تیل میں نجاست مل جائے تو اس کی بیع جائز ہے۔❶

دوم: ذمی کی شراب کی قیمت سے مسلمان کا قرض وصول کرنا......اگر مسلمان کا کافر پر قرض ہو تو اس کے خنزیر اور شراب کی قیمت سے قرض کی وصولی جائز ہے۔اس لئے کہ کافر کے لئے ان کی خرید وفروخت جائز ہے۔یہ دونوں کافروں کے حق میں مال متقوم (قیمتی مال) ہیں۔اس کے برعکس اگر مسلمان پر قرض ہو تو شراب اور خنزیر کی قیمت سے اس کی وصولی جائز نہیں۔اس لئے کہ یہ بیع ہی صحیح نہیں۔لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شراب کی بیع میں مسلمان کے لیے ذمی کو وکیل بنانے کی گنجائش ہے۔صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔

اسی طرح حرام کمائی سے قرض کی وصولی جائز نہیں جیسے سود خور، رشوت خور، غاصب، جور اور گانے والی کی کمائی۔ورثاء کے لئے بھی حرام کمائی سے میراث لینا جائز نہیں۔ان پر لازم ہے کہ جو کچھ لیا ہے۔اصل مالکوں کو واپس کریں۔اگر ان کو نہیں پہنچاتے تو صدقہ کریں۔اس لئے کہ حرام کمائی اگر مالک کو واپس کرنا ناممکن ہو تو اس کا واحد حل صدقہ ہے۔❷

سوم: شراب بنانے کے لئے انگور بیچنا......اگر پتہ ہو کہ یہ آدمی انگور سے شراب بنائے گا تو اس پر انگور بیچنا جائز ہے اس لئے کہ خرید وفروخت کے وقت انہی انگوروں کے ساتھ گناہ قائم نہیں ہوا۔گناہ تو تبدیلی کے بعد آتا ہے۔

اسی طرح فتنہ پردازوں کو اسلحہ بیچنا ہے اس لئے کہ گناہ کا تعلق اسلحہ کی موجودہ❸ حالت سے نہیں بلکہ استعمال سے ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے لیکن یہ بیع مکروہ ہے اس لئے کہ یہ گناہ کا سبب بنتی ہے اس کے برعکس اس شیرے کی بیع جس کو شراب بنایا جاتا ہے جائز ہے اس لئے کہ گناہ کا تعلق بعینہ اسی کے ساتھ نہیں بلکہ اس میں تبدیلی کے بعد گناہ ہوتا ہے۔

چہارم: گرجے کے لئے مکان کرائے پر دینا یا ذمی کی شراب اٹھانا......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ❹ کے نزدیک گرجے کی تعمیر یا ذمی کی شراب اٹھانے کے لئے خود اجرت پر کام کرنا یا اپنی گاڑی اور جانور اجرت پر دینا جائز ہے۔لیکن شراب نچوڑنا جائز نہیں۔جواز کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل بذات خود گناہ نہیں۔شراب اٹھانے پر اجرت لینے کا عقد نہ تو خود گناہ ہے۔نہ گناہ کا سبب ہے۔گناہ تو پینے والے کے اختیار سے حاصل ہوتا ہے۔ورنہ بعض اوقات شراب کو بہانے یا سرکہ بنانے کے لئے بھی اٹھا کر لے جایا جاتا ہے۔

رہا اس کو شراب بنانے کی نیت سے نچوڑنا جیسے ہمارے شہروں اور امریکا وغیرہ کے شراب خانوں میں ہوتا ہے تو مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔اس لئے کہ بعینہ اسی فعل میں گناہ موجود ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس علاقے میں ذمیوں کی اکثریت

---

❶......تکملة الفتح: ۱۲۲/۸، الدرالمختار: ۱۱۰/۴، ۲۷۲/۵، الدر رالمباحة فی الحظر والاباحة: ص ۵۳۔

❷الدرالمختار وردالمحتار: ۲۷۲/۵ وما بعد۔❸سابقہ حوالہ: ۲۷۳/۵، تکملة الفتح: ۱۲۷/۸۔❹الدرالمحتار: ۲۷۷/۵ و مابعد، تکملة الفتح: ۱۲۷/۸۔

ہو وہاں شراب خانہ بنانے کے لئے گھر کرائے پر دینا جائز ہے۔ اس لئے کہ عقد اجارہ گھر کے منافع پر ہوتا ہے۔ اسی لئے محض حوالے کر دینے سے اجرت واجب ہو جاتی ہے۔ اگر چہ ابھی گناہ شروع نہ ہوا ہو۔ گناہ کرائے دار کا فعل ہے۔ اور اس کا اسے اختیار ہے۔

البتہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہو تو وہاں اس طرح کا اجارہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ ذمیوں کو گرجے بنانے اور شراب کی اعلانیہ خرید وفروخت پر قادر نہیں کیا جا سکتا۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ یہ سب اجارے درست نہیں، مکروہ ہیں۔ اس لئے کہ یہ گناہ پر تعاون ہے۔ اور اس لئے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب سے متعلقہ دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے جن میں سے ایک اٹھانے والا بھی ہے۔ ❶

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں اٹھانے سے مراد گناہ کی نیت سے اٹھانا ہے۔ بہر حال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے قیاس اور صاحبین کی رائے استحسان ہے۔ زیادہ تر فتاویٰ میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے۔

پنجم: مکہ مکرمہ کی عمارتیں اور زمین بیچنا اور کرایے پر دینا......حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک مکہ مکرمہ کی عمارتیں اور زمین بیچنا بلا کراہت جائز ہے۔ اس لئے کہ عمارت، تعمیر کرنے والے کی ملکیت میں ہوتی ہے اور زمین، زمین والے کی ملکیت میں۔ اس لئے کہ اس میں ملکیت کے آثار موجود ہیں۔ یعنی شرعاً اس کے ساتھ خاص ہونا۔

حنفیہ کے نزدیک حج کے دنوں میں مکے کے گھر کرائے پر دینا مکروہ ہے، باقی دنوں میں کرائے پر دینے کی گنجائش ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

سَوَآءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ......الحج: ۲۲/۲۵)

"وہیں کے رہنے والے ہوں یا باہر کے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے دنوں میں یہی آواز لگاتے تھے۔ اور فرماتے تھے: "اے اہل مکہ! اپنے گھروں کے دروازے نہ رکھو تا کہ باہر سے آنے والے جہاں چاہیں رہ سکیں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرماتے۔ ❷

ششم: کافر کا مسجد میں داخل ہونا

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافر کے لئے تمام مساجد یہاں تک کہ مسجد نبوی میں بھی داخل ہونا جائز ہے۔ اگر چہ بلا اجازت اور بلا ضرورت ہو۔ ان کے نزدیک اس آیت:

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ......التوبۃ: ۹/۲۸

وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں۔

کا مطلب یہ ہے کہ اس سال یعنی نو ہجری کے بعد کافر برہنہ ہو کر حج یا عمرہ نہ کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سورت پڑھی اور فرمایا: "اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی ننگا طواف نہ کرے۔" ❸

قریش نے جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ توڑ دیا تو ابوسفیان اس کی تجدید کے لئے مدینے کی مسجد میں داخل ہوئے۔ اسی طرح بنو ثقیف کا وفد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد نبوی میں آیا۔ ثمامہ بن اثال جب قید ہوئے تو ان کو بھی مسجد نبوی میں باندھا گیا۔

---

❶......اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن السکن نے اسے صحیح کہا ہے (التلخیص الحبیر ۱/۳۵۹)
الدر المختار ورد المحتار: ۵/۲۷۸۔ ❷، ❸الدرالمختار ۵/۲۷۴، شرح السیر الکبیر ۱/۹۳، الاشباہ والنظائر لابن نجیم: ۲/۱۷۶، احکام القرآن للجصاص: ۳/۸۸۔

مالکیہ...... مالکیہ ❶ کے نزدیک کافر اجازت لے کر یا امان حاصل کر کے حرم مکی میں داخل ہوسکتا ہے۔ لیکن بیت حرام میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح ان کے نزدیک کافر کا مطلقاً مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں اور اسے داخل ہونے بھی نہیں دیا جائے گا۔ البتہ کوئی عذر ہو تو گنجائش ہے۔ مثلاً مسلمان حاکم کے سامنے پیشی وغیرہ۔ انہوں نے عام مساجد میں داخلے کی ممانعت کو مسجد حرام میں داخلے کی ممانعت پر قیاس کیا ہے۔ اس لئے کہ ممانعت کی علت یعنی نجاست ہر کافر میں موجود ہے۔ اور حرمت وعظمت ہر مسجد کی مسلمہ ہے۔

شافعیہ ❷ اور حنابلہ کے نزدیک غیر مسلم کو حرم مکی میں داخلے سے روکا جائے گا۔ کسی مصلحت کی وجہ سے بھی نہیں جانے دیا جائے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ......التوبۃ: ۹/ ۲۸

اے ایمان والو! بے شک مشرک بالکل ہی ناپاک ہے، وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں۔

اور ایک حدیث میں آتا ہے: ”حرم سارا کا سارا مسجد ہے۔“ ❸ ان کے نزدیک کافر بوقت ضرورت مسلمانوں کی اجازت سے مسجد حرام کے علاوہ تمام مساجد میں داخل ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ آیت میں صرف مسجد حرام کا ذکر ہے۔ اور تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ شریعت میں اس اصل کے خلاف کوئی حکم موجود نہیں۔ اور اس لئے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہل طائف کا وفد آیا تو آپ نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا، حالانکہ وہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان اسلام لانے سے پہلے مسجد نبوی میں داخل ہوا کرتے تھے۔ جب عمیر بن وہب مدینے آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ وہ مسجد میں داخل ہوا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر غفلت میں حملہ کردے اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام سے نواز دیا۔

ہفتم: احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی......احتکار کے معنی فقہاء کے نزدیک حسب ذیل ہیں۔

مالکیہ...... ❹ احتکار ذخیرہ اندوزی کو کہتے ہیں تاکہ بازار کے حالات بدل جانے پر بیچ کر نفع کمایا جائے۔ خوراک کے لئے ذخیرہ کرنا احتکار نہیں۔

حنفیہ......حنفیہ ❺ نے اس کی تعریف سے کی ہے احتکار لغوی اعتبار سے ”حکر“ کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں روکے رکھنا۔ یعنی مہنگائی کے انتظار میں کسی چیز کو روکے رکھنے کو احتکار کہتے ہیں۔ شرعاً اس سے مراد خوراک کو مہنگائی کے انتظار میں روکے رکھنا۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ کھانے وغیرہ کو خرید کر چالیس دن تک مہنگائی کے انتظار میں روکے رکھنا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”جس نے چالیس دن تک کھانے کا ذخیرہ کیا تو وہ اللہ سے بری اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہیں۔ جس جگہ والوں میں ایک آدمی نے بھوکے پیٹ رات گزاری تو ان سے اللہ کا ذمہ ختم ہوجاتا ہے۔“ ❻

---

❶......رواه الشيخان۔ ❷ مواهب الجليل للحطاب: ۳/ ۳۸۱، الخرشی: ۳/ ۱۴۴، ط ثانية، احكام القرآن لابن العربی: ۲/ ۹۰۱، مذكرة تفسير آيات الاحكام للسايس: ۲/ ۲۲ وما بعدها مغنی المحتاج: ۴/ ۲۴۷، تفسير ابن كثير: ۲/ ۳۴۶، الافصاح لا بن هيرة: ص ۴۴۸، المغنی: ۸/ ۵۳۱-۵۳۲۔ ❸ عطاء فرماتے ہیں: حرم سارا کا سارا مسجد ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا: اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ جائیں۔ ❹ المنتقی علی الموطأ: ۵/ ۱۵ وما بعدها، القوانين الفقهية: ص ۲۵۵ و ما بعد ها۔ ❺ العناية شرح الهداية بهامش تكملة الفتح: ۸/ ۱۲۶ ردالمحتار: ۵/ ۲۸۲، البدائع: ۵/ ۱۲۹، تبيين الحقائق: ۶/ ۲۷، اللباب: ۴/ ۱۶۶۔ ❻ رواه احمد وابن ابی شيبة والبذار وأبو يعلی الموصلی والحاكم والدارقطنی والطبرانی وأبونعيم عن ابن عمر (نصب الراية: ۴/ ۲۶۴، نيل الاوطار: ۵/ ۲۲۱۔

شافعیہ......شافعیہ، ❶ نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ مہنگائی کے وقت خریدی ہوئی چیز روکے رکھنا تاکہ جب ضرورت زیادہ شدید ہوجائے تو مہنگے داموں فروخت کرے۔ لہٰذا سستے وقت میں خریدی ہوئی چیز کو روکے رکھنا حرام نہیں ہوگا۔ اسی طرح اپنی ذاتی زمین کا غلہ روکے رکھنا یا اپنے لئے اور گھر والوں کے لئے مہنگائی کے وقت خریدی ہوئی چیز روکے رکھنا یا اس چیز کو روکے رکھنا جس کو مہنگائی کے وقت خریدا تھا تاکہ اسی قیمت پر آگے بیچ دے یہ سب صورتیں احتکار نہیں۔

اپنی ذاتی اور گھر والوں کی ضرورت سے زائد کو روکے رکھنے میں دو قول ہیں۔ راجح یہ ہے کہ مکروہ نہیں۔ لیکن بیچ دینا بہتر ہے۔

حنابلہ......حنابلہ ❷ فرماتے ہیں: حرام احتکار وہ ہے جس میں تین شرطیں پائی جائیں۔

۱......خرید کر ذخیرہ کیا ہو نہ کہ باہر سے یعنی دوسری جگہ سے لاکر۔ اگر اس نے باہر سے غلہ لاکر ذخیرہ کیا یا ذاتی غلہ ذخیرہ کیا تو یہ احتکار نہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''باہر سے لانے والے کو رزق ملتا ہے اور احتکار کرنے والے پر لعنت ہوتی ہے۔'' ❸

۲......خریدی ہوئی چیز خوراک ہو یعنی ایسا اناج ہو جس کو خوراک کی طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی عام ضرورت پیش آتی ہے۔ سالن، مٹھائی، شہد، زیتون کا تیل اور جانوروں کے چارے کا احتکار حرام نہیں۔

۳......اس کے خریدنے سے لوگوں پر تنگی ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت یہ کہ احتکار ایسی جگہ کیا جائے جہاں کے رہنے والوں پر اس کی وجہ سے تنگی ہو۔ جیسے حرمین اور سرحدیں۔ بڑے شہر جن میں ہر چیز کی بہتات ہو جیسے بغداد، دمشق، مصر وغیرہ ان میں احتکار منع نہیں۔ اس لئے کہ عام طور پر ان شہروں میں احتکار کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تنگ حالات میں احتکار کیا جائے۔ مثلاً شہر میں قافلہ داخل ہوا تو مالدار لوگوں نے آگے بڑھ کر خرید لیا۔ اس طرح لوگوں پر تنگی ہوگئی۔ اس صورت میں چھوٹے بڑے شہر میں کوئی فرق نہیں۔ اگر خوشحالی کے حالات اور سستے وقت میں کوئی چیز اس طرح خریدی جس سے کسی پر تنگی نہیں ہو رہی تو یہ حرام نہیں۔

احتکار کب متحقق ہوگا اور کون سی چیز میں ہوگا؟......فقہاء کی تعریفوں سے معلوم ہوا کہ ان کا درج ذیل باتوں پر اتفاق ہے:

احتکار تنگی اور ضرورت کے وقت ہوتا ہے نہ کہ خوشحالی اور وسعت کے وقت۔ احتکار عام طور پر چھوٹے شہروں میں ہوتا ہے۔ احتکار خرید کی صورت میں ہوتا ہے کہ لوگوں کی ضرورت کی چیز خریدی جائے اور پھر بیچی نہ جائے۔ اور اس سے عام مسلمانوں کو نقصان ہو۔ اپنی ذاتی زمین کا غلہ روکنے سے بالاتفاق احتکار کرنے والا نہیں کہلائے گا۔ اس لئے کہ یہ خالصتاً اس کا ذاتی حق ہے۔ اسی طرح دوسرے شہر سے لایا ہوا غلہ روکنا بھی احتکار نہیں۔ اس لئے کہ لوگوں کے حق کا تعلق شہر کی چیزوں کے ساتھ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول راجح ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی اناج عام طور پر اسی شہر سے آتا ہو تو اس کو روکنا بھی احتکار ہے۔ اس لئے کہ لوگوں کا حق اس کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے۔

علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ احتکار ہر وقت انہی چیزوں میں حرام ہے جو خوراک ہوں یا انسانی غذا ہو۔ جیسے گندم، جو، مکئی، چاول، انجیر، انگور، کھجور، کشمش اور بادام وغیرہ۔ شہد، گھی، گوشت اور پھلوں میں احتکار نہیں ہوتا۔

اسی طرح حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جانوروں کی خوراک میں احتکار حرام ہے، جیسے بھوسہ اور سبز چارہ۔

مالکیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضرورت کے وقت کھانے کے علاوہ دوسری چیزوں میں بھی احتکار حرام ہے۔ البتہ وسعت اور خوشحالی میں حرام نہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک کھانے میں اور اس کے علاوہ سوت، کاٹن اور تمام انسانی ضروریات یا وہ تمام چیزیں جن کے

---

❶......مغنی المحتاج: ۲/ ۳۸، سبل السلام: ۳/ ۲۵۔ ❷المغنی ۴/ ۲۲۱۔ ❸ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ ابن راھویہ، دارمی، عبد بن حمید، ابو یعلی موصلی اور بیہقی نے اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

روکنے سے انسان کو نقصان ہو، چاہے وہ خوراک ہو، کپڑے ہوں یا درہم..... سب میں احتکار ہوتا ہے۔

شافعیہ میں سے علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر قحط کے زمانے میں احتکار کیا جائے اور شہد، گھی، تلوں کا تیل اور اس جیسی چیزوں کا ذخیرہ کرنے میں لوگوں کو نقصان پہنچ رہا ہو تو اس کو حرام قرار دینا چاہئے۔ اور اگر نقصان نہ ہو تو بھی خوراک کا احتکار کراہت سے خالی نہیں۔ ❶

خلاصہ یہ کہ جمہور کے نزدیک احتکار دو غذاؤں (انسانی غذا اور جانوروں کی غذا) کے ساتھ خاص ہے۔ اس لئے کہ احتکار کے حرام ہونے کی حکمت لوگوں سے ضرر کو دور کرنا ہے۔ اور یہ زیادہ تر دو غذاؤں میں ہوتا ہے۔ مالکیہ کی نزدیک مطلقاً ممنوع ہے۔

احتکار کی مدت..... اگر غلہ کم وقت کے لئے ذخیرہ کیا جائے تو ضرر نہ ہونے کی وجہ سے احتکار نہیں ہوگا۔ اور اگر مدت زیادہ ہو تو احتکار ہوگا۔ اس لئے کہ ضرر پایا گیا۔

بعض کے نزدیک زیادہ مدت کی مقدار چالیس راتیں ہیں اس لئے کہ مذکورہ بالا حدیث میں یہی مذکور ہے۔ "جس نے چالیس راتوں تک خوراک ذخیرہ کی تو اللہ اس سے بری اور وہ اللہ سے بری ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مہینہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے کم عرصہ تھوڑا اور جلد آنے والا کہلاتا ہے۔ مہینہ اور اس سے اوپر زیادہ اور جلد آنے والا کہلاتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مدت دیناوی اعتبار سے اس کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے ہے۔ آخرت میں گناہ بہرصورت ہوگا۔ مدت کم ہو یا زیادہ۔

احتکار کا حکم..... احتکار کے بہت سے احکام ہیں جن میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

۱: احتکار ممنوع ہے..... اس ممانعت کو اکثر حنفیہ نے کراہت تحریمی سے تعبیر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انسانوں اور جانوروں کی غذا میں احتکار مکروہ ہے۔ بشرطیکہ احتکار کرنے سے شہر والوں کو نقصان پہنچتا ہو۔ اسی طرح باہر سے آنے والے تجارتی قافلوں اور تاجروں سے سارا سامان لے کر شہر میں مہنگے داموں بیچنا بھی مکروہ ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ❷ اگر شہر والوں کے لئے نقصان دہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ❸

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے بدائع میں احتکار کی ممانعت کو حرمت سے تعبیر کیا ہے۔ ❹ یہ تعبیر دوسرے آئمہ کی تعبیر کے مطابق ہے کہ احتکار حرام ہے۔

حرام ہونے کی دلیل بہت سی احادیث ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث پہلے گذر چکی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: "صرف غلط کار آدمی ہی احتکار کرتا ہے۔" جس نے ذخیرہ اندوزی کی تاکہ مسلمانوں پر مہنگے داموں پر فروخت کرے تو وہ غلط کار ہے۔" "جس نے مسلمانوں پر مہنگائی کرنے کی خاطر نرخ میں دخل اندازی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو لازمی طور پر آگ کے بہت بڑے الاؤ پر بیٹھائیں گے۔" ❺

۲: ذخیرہ کئے ہوئے مال کو فروخت کرنا..... حنفیہ ❻ فرماتے ہیں کہ احتکار کرنے والے کو قاضی کی طرف سے حکم کیا جائے گا کہ وہ

---

❶..... نیل الاوطار: ۵/ ۲۲۲۔ ❷ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین نے اس کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/ ۱۶۶) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقی جلب سے منع فرمایا ہے (یعنی باہر سے آنے والے قافلوں کا استقبال کرنے سے)۔ جس نے ان قافلے والوں کا استقبال کر کے ان سے سامان خرید لیا اور پھر مالک بازار میں آ گیا تو اسے اختیار ہوگا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: "باہر سے آنے والے سواروں کا استقبال نہ کیا کرو اور شہری دیہاتی سے سامان نہ خریدے۔" (نصب الرایۃ: ۴/ ۲۶۱) ❸ تکملۃ الفتح، الدر المختار، اللباب تبیین الحقائق: سابقہ جگہ۔ ❹ البدائع: سابقہ جگہ۔ ❺ پہلی: روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن المسیب سے روایت کی ہے۔ دوسری اور تیسری امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ چوتھی ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/ ۲۲۰) ❻ سابقہ حوالہ جات۔

اپنی ذاتی اور گھر والوں کی ضرورت سے زائد خوراک بیچ دے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا اور ذخیرہ اندوزی پر قائم رہا تو دوبارہ اس کا معاملہ حاکم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ حاکم اس کو سمجھائے گا اور تنبیہ کرے گا۔ اگر اس نے اب بھی حکم پر عمل درآمد نہ کیا تو تیسری بار اس کی پیشی ہوگی اور حاکم اس غلط کام پر تنبیہ کرنے کے لئے اس کو گرفتار کرے گا۔ اور اس پر تعزیر جاری کرے گا۔ اور قاضی بیچنے پر جبر کرے گا۔ اگر اس نے خود نہ بیچا تو قاضی جبراً بیچ دے گا۔ یہ حنفیہ کے ہاں متفقہ مسئلہ ہے۔ بیع بازار کے نرخ کے مطابق ہوگی۔

اسی طرح مالکیہ ❶ کہتے ہیں: ذخیرہ کی ہوئی چیز حاجت مندوں کو اسی قیمت پر دی جائے گی جس پر خریدی تھی۔ اس پر اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر قیمت خرید معلوم نہ ہو تو احتکار والے دن کے بھاؤ پر بیچی جائے گی۔

حنفیہ ❷ نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ اگر حاکم کو کسی شہر والوں کے ہلاک ہونے کا خوف ہو تو وہ ذخیرہ اندوزوں سے خوراک لے کر لوگوں میں تقسیم کردے۔ جب وہ لوگ خوش حال ہو جائیں تو اسی کا مثل واپس کردیں یہ ضرورت کی وجہ سے ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی کا مال استعمال کرنے پر مجبور ہو جائے اور اسے ہلاکت کا خدشہ ہو تو وہ مالک کی مرضی کے بغیر لے لے۔ اور اس کی قیمت ادا کرے۔ اس لئے کہ اضطراری حالت سے دوسرے کا حق باطل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ گزر چکا۔

ہشتم: نرخ مقرر کرنا...... اسلامی معیشت کی بنیاد معاشی آزادی پر ہے۔ جس میں ہر مسلمان اسلامی نظام کی حدود و قیود کا لحاظ رکھتا ہے۔ ان میں سے اہم یہ ہیں عدالت، قناعت اور حلال اور پاکیزہ منافع جو کہ تہائی کی حد میں ہو کے اصول وقواعد کا التزام۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”لوگوں کو آزاد چھوڑو! اللہ تعالیٰ بعض کو بعض سے رزق دے گا۔“ ❸

اسی اصول کی بنیاد پر نرخ مقرر نہ کرنا ہی اصل ہے۔ حاکم کو لوگوں کے لئے نرخ مقرر نہیں کرنے چاہیے تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ...... شافعیہ ❹ اور حنابلہ نے اسی اصول کا التزام کیا ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ حاکم لوگوں کے نرخ مقرر نہیں کرسکتا بلکہ لوگ اپنی مرضی سے مال فروخت کریں گے۔ شافعیہ فرماتے ہیں کہ مہنگائی کے وقت بھی نرخ مقرر کرنا حرام ہے۔ حاکم لوگوں کو پابند نہیں کرسکتا کہ وہ اپنا سامان صرف اسی قیمت پر فروخت کریں۔ اس لئے کہ لوگ اس طرح اپنے ذاتی مال میں بھی تنگی کا شکار ہو جائیں گے۔ یہ صرف کھانے کی چیزوں کے ساتھ خاص نہیں۔ اگر امام نے نرخ مقرر کر ہی دیئے تو ان کی مخالفت کرنے والے یعنی مقرر نرخوں سے زیادہ پر فروخت کرنے والے کو تعزیر کی جائے گی۔ اس لئے کہ اس میں حاکم کی اعلانیہ مخالفت ہے۔ البتہ بیع درست ہو جائے گی۔ اس لئے کہ کسی کو اپنی ذاتی املاک مخصوص قیمت پر بیچنے کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔

ابن الرفعہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مہنگائی کے وقت نرخ مقرر کرنے کی اجازت دی ہے۔

نرخ مقرر نہ کرنے والوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نرخ اوپر چلے گئے۔ لوگوں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! آپ نرخ مقرر فرما دیں“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ہی تنگی کرنے والے، کشائش کرنے والے، رزق دینے والے اور نرخ مقرر کرنے والے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ سے ملوں تو کوئی بھی مجھ سے جانی یا مالی ظلم کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔“ ❺ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نرخ مقرر نہیں فرمائیں۔ اگر نرخ مقرر کرنا جائز ہوتا تو

---

❶ ...... المنتقی علی الموطا: ۵/ ۱۷۔ ❷ الدر المختار: ۵/ ۲۸۳، البدائع: ۵/ ۱۲۹۔ ❸ اس کو امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سائب سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ لوگوں کو آپس میں معاملات کرنے میں آزاد چھوڑ دو اور جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے نصیحت طلب کرے تو اس سے نصیحت کرو۔ (نیل الاوطار: ۵/ ۱۶۴) میں ایک روایت ہے کہ لوگوں کو آزاد چھوڑ دو! اللہ تعالیٰ بعض سے بعض کو رزق دے گا۔ ❹ مغنی المحتاج: ۲/ ۳۸، المغنی: ۴/ ۲۱۷۔ ❺ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی کے سوا تمام اصحاب سنن نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے (نیل الاوطار: ۵/ ۲۱۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقرر فرما دیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نرخ مقرر نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ ظلم ہے۔ اور ظلم حرام ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ اس کا ذاتی مال ہے لہٰذا اس کو فریقین کی باہمی رضامندی سے طے ہونے والی قیمت پر فروخت کرنے سے روکنا جائز نہیں۔

مالکیہ اور حنفیہ...... مالکیہ اور حنفیہ [1] نے امام کو نرخ مقرر کرنے کی اجازت دی ہے۔ تاکہ لوگوں سے نقصان کو دور کیا جاسکے۔ اگر تاجروں کے نرخ عام قیمت سے بہت اوپر چلے جائیں تو اہل رائے حضرات سے مشورہ کر کے نرخ مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سے لوگوں کی مصالح کا تحفظ اور قیمتوں کے بہت زیادہ ہوجانے کی روک تھام ہوجائے گی۔ ان کی دلیل فقہی قواعد ہیں۔ لاضرر ولاضرار۔ نہ نقصان پہنچانا ہے اور نہ نقصان اٹھانا ہے۔ اور الضرر یزال ضرر کو دور کیا جاتا ہے۔ ویتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام۔ عام ضرر کو دور کرنے کے لئے خاص ضرر برداشت کرلیا جاتا ہے۔

لوگوں کو بیچنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ جو نرخ حاکم نے تاجر اور خریدار کی مصالح کو سامنے رکھ کر مقرر کئے ہیں ان سے ہٹ کر بیچنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ بائع کو نفع لینے سے نہیں روکا جائے گا۔ البتہ اس کے لئے بھی اتنا نفع لینا جائز نہیں ہے جو لوگوں کے لئے نقصان دہ ہو۔

ابن حبیب مالکی کے نزدیک نرخ کا تقرر مکیلی (پیمانے سے ناپی جانے والی) اور موزونی (وزن کی جانے والی) چیزوں کے ساتھ خاص کرنا واجب ہے چاہے وہ کھائے جانے والی ہوں یا نہ ہوں ان کے علاوہ دوسری چیزوں میں نرخ مقرر کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ مکیلی اور موزونی چیزیں مثلیات میں سے ہیں ان میں مثل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے...... اس کے علاوہ باقی چیزیں قیمیات میں سے ہیں جن میں قیمت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اعیان میں لوگوں کی اغراض مختلف ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس میں لوگوں کو ایک ہی قیمت پر لانا ممکن نہیں نرخ مقرر کرنا مذکورہ حدیث کے خلاف نہیں۔ بلکہ یہ دراصل اس کی تطبیق، اس کے پیچھے کارفرما حکمت کا اجتہادی فہم اور مناسب معنی یا حدیث ہی سے سامنے والی مصلحت اس کی تفسیر ہے۔ [2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نرخ مقرر کرنے سے اس لئے منع نہیں فرمایا کہ اس میں کچھ خرابی تھی بلکہ اس وجہ سے منع فرمایا کہ نرخ مقرر کی علت یعنی تاجروں کا ظلم موجود نہیں تھی۔ وہ مثلی قیمت پر بیچ رہے تھے قیمتوں کی زیادتی تاجروں کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ رسد اور طلب کے قانون کی وجہ سے تھی سامان کی رسد کم ہوئی تو قیمت زیادہ ہوگئی۔

اگر نرخ مقرر کرنے کی ضرورت نہ ہو تو مقرر نہیں کئے جائیں گے۔ یعنی اگر سامان بازار میں دستیاب ہو اور کسی ظلم اور لالچ کے بغیر بیچا جارہا ہو تو نرخ مقرر نہیں کئے جاتے۔ [3]

آٹھواں باب...... قربانی اور عقیقہ

اس میں دو فصلیں ہیں:

پہلی فصل...... قربانی کے بیان میں۔

دوسری فصل...... عقیقہ اور نومولود بچے کے احکام میں۔

---

[1]...... الدر المختار: ۲۸۳/۵، تبیین الحقائق: ۲۸/۶، البدائع: ۱۲۹/۵، تکملة الفتح: ۱۲۷/۸، الباب: ۱۶۷/۴، المنتقیٰ علی الموطا ۱۷/۵۔ ۱۹، القوانین الفقهیه: ص ۲۵۵۔ [2] اسی طرح مالکیہ فرماتے ہیں کہ اگر بازار میں سامان زیادہ ہو، قیمتیں معلوم ہوں، بائع کو بازار کے نرخ کا علم ہو اور وہ قیمت مثلی یا اس سے زیادہ پر پہنچے تو باہر سے آنے والے قافلوں کا استقبال جائز ہوگا۔ حدی کی نہی اس وقت قائم اور معمول بہ ہوگی جب کہ اس عمل سے عام بازار والوں کا نقصان ہو، انہیں سامان دستیاب نہ ہو یا بائع کو بازار کے نرخ کا پتہ نہ ہو تو اس وقت عمومی مصلحت کی رعایت اور بائع کا خیال رکھنا واجب ہوگا۔ [3] اصول الفقه للمؤلف: ۸۱۵/۲۔ طبع دارالفکر۔

پہلی فصل

قربانی.....قربانی کے بارے میں درج ذیل چھ مباحث میں بات ہوگی۔

پہلی بحث.....قربانی کی تعریف،مشروعیت اور حکم۔

دوسری بحث.....قربانی کی شرائط (قربانی کے واجب ہونے کی شرطیں،اس کے صحیح ہونے کی شرطیں اوراس کا مکلّف ہونے کی شرطیں)

تیسری بحث.....قربانی کاوقت

چوتھی بحث.....ذبح کیاجانے والا جانور(اس کی قسم،عمراور یہ کہ کتنوں کی طرف قربانی جائز ہوگی؟)

پانچویں بحث.....قربانی کے آداب،مندوبات،مکروہات اور قربانی کرنے والے کے لئے مسنون اعمال۔

چھٹی بحث.....قربانی کے گوشت کے احکام۔کھانااور تقسیم کرنا۔

پہلی بحث:قربانی کی تعریف،مشروعیت اور حکم

اس میں دومقصد ہیں۔

پہلامقصد:قربانی کی تعریف اور مشروعیت

الاضحیۃ.....لغوی اعتبار سے قربان کیے جانے والے جانور کو کہتے ہیں۔یااس جانور کو کہتے ہیں جیسے عیدالاضحیٰ کے دن ذبح کیا جائے۔تو قربانی وہ ہوئی جو عیدالاضحیٰ کے دن ذبح کی جاتی ہے۔فقہی اعتبار سے مخصوص حیوان کو مخصوص ❶ وقت میں عبادت کی نیت سے ذبح کرنے کو اضحیہ یا قربانی کہتے ہیں۔یا قربانی اس جانور کو کہتے ہیں جس کوایام نحر ❷ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ذبح کیا جائے۔

مشروعیت.....قربانی نماز اور عیدین کی طرح ۲ھ کو مشروع ہوئی۔اس کی مشروعیت قرآن مجید،سنت اوراجماع سے ثابت ہے۔❸

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ الکوثر:۲/۱۰۸

''لہٰذاتم اپنے پروردگار(کی خوشنودی) کے لئے نماز پڑھواورقربانی دو۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ......الحج:۳۶/۲۲

''اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے شعائر میں شامل کیا ہے۔''

شعائراللہ سے مراداللہ تعالیٰ کے دین کی علامات۔

سنت میں بہت سی احادیث ہیں۔انہیں میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔''یوم النحر (۱۰ذی الحجہ) کوآدمی کا کوئی عمل اللہ

---

❶ ....الدرالمختار: ۲۱۹/۵، تبیین الحقائق: ۲/۶، تکملۃ الفتح: ۶۶/۸۔ ❷شرح الرسالۃ: ۳۶۶/۱، مغنی المحتاج: ۲۸۲/۴، حاشیۃ الباجوری علی ابن قاسم: ۳۰۴۲، کشاف القناع. ۲/ ۲۱۵۔۱۳المغنی: ۶۱۷/۸، مغنی المحتاج: سابقہ جگہ، المہذب: ۲۳۷/۱، کشاف القناع :۱۷/۳۔ ❸مشہورقول یہ ہے کہ نماز سے عید کی نماز مراد ہےاور''نحر'' سے قربانی مراد ہے۔

تعالیٰ کے ہاں خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں۔قربانی قیامت کے دن اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت آئے گی۔اور اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مقام حاصل کر لیتا ہے۔اس لئے خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔"❶ انہی میں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسفید رنگ کے سینگوں والے مینڈھے قربان کئے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی گردن کے ایک طرف پاؤں رکھے دیکھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ اور تکبیر پڑھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے دست مبارک سے ذبح کیا۔"❷

قربانی کے مشروع ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے احادیث میں آیا ہے کہ یہ یوم النحر (دس ذی الحجہ) کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب عمل ہے اور یہ قیامت کے دن اسی حالت میں آئے گی جس میں ذبح کی گئی تھی اور اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت حاصل کر لیتا ہے اور یہ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ الصافات: ۳۷/۱۰۷

"اور ہم نے ایک عظیم ذبیحہ کا فدیہ دے کر اس بچے کو بچا لیا۔"

حکمتیں......اس کے مشروع کرنے کی کئی حکمتیں ہیں۔اللہ تعالیٰ کے بے شمار نعمتوں کا شکر، ایک سال سے دوسرے سال تک باقی رکھنے کا شکر۔اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی اور ان میں کمی کوتاہی کا کفارہ اور قربانی کرنے والے کے خاندان پر اور دوسروں پر وسعت۔لہٰذا قربانی کی جگہ قیمت ادا کرنا کافی نہیں ہوگا۔بخلاف صدقہ فطر کے کہ اس سے فقیر کی حاجت کو پورا کرنا مقصود ہوتا ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ قربانی کی قیمت جتنا صدقہ کرنے سے قربانی افضل ہے۔

دوسرا مقصد: قربانی کا حکم......قربانی واجب ہے یا سنت؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ قربانی سال میں ایک مرتبہ شہر کے رہنے والے مقیموں پر واجب ہے۔امام طحاوی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔❸

حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا دوسرے ❹ ائمہ کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں۔قدرت رکھنے والے کے لئے قربانی نہ کرنا مکروہ ہے۔اور یہ مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق منیٰ میں موجود حاجی کے علاوہ کے لئے ہے۔ان ائمہ کے نزدیک قدرت رکھنے والے کے لئے کامل طریقہ یہ ہے کہ اپنے زیر کفالت ہر آدمی کی طرف سے قربانی کرے۔اگر کوئی ان تمام افراد کی طرف سے خود قربانی کرنا چاہے جس کا نفقہ اس پر واجب ہے تو یہ جائز ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قربانی اکیلے آدمی پر عمر میں ایک مرتبہ سنت عین ہے۔اور اگر گھر میں اور افراد بھی ہوں تو سنت کفایہ ہے۔اگر گھر والوں میں سے کسی ایک نے بھی کر لی تو سب کی طرف سے کافی ہے۔

---

❶......اس کو حاکم رحمۃ اللہ علیہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حدیث حسن غریب کہا ہے۔اس کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں: "احب الی اللہ عن هراقة دم وانه ليأتي"(نيل الاوطار: ۱۰۸/۵) ❷ بہت سے محدثین نے اس کو روایت کیا ہے۔اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راویت کیا ہے۔الاملح: خالص سفید یا جس کی سفید سیاہی پر غالب ہو۔الاقرن: جس کے دونوں سینگ معتدل ہوں۔ الصفحه: جانب العنق۔اس طرح کرنے سے مقصود یہ تھا کہ مینڈھے پر گرفت مضبوط ہو جائے اور وہ سر ادھر ادھر نہ کر سکے کہ ذبح صحیح طریقے سے نہ ہو سکے اور اسے تکلیف پہنچے۔❸ تكملة فتح القدير: ۹۲/۸، اللباب شرح الكتاب: ۲۳۲/۳، تبيين الحقائق: ۲/۶ البدائع: ۶۲/۵۔❹ بداية المجتهد: ۴۱۵/۱، القوانين الفقهيه: ص ۱۸۶، الشرح الكبير: ۱۱۸/۳، مغنی المحتاج: ۲۸۲/۴ وما بعد، المهذب: ۲۳۷/۱، المغنی: ۶۱۷/۸، شرح الرساله للقيروانی: ۳۶۶/۱۔

وجوب پر حنفیہ کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جو آدمی وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہمارے مصلے کے قریب (1) نہ آئے''۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کی وعید واجب کے ترک پر ہی ہوتی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ قربانی ایک ایسی عبادت ہے جس کی اضافت وقت کی طرف ہے کہا جاتا ہے یوم الضحیٰ یعنی قربانی کا دن۔

اس سے بھی وجوب کا پتہ چلتا ہے اس لئے کہ اضافت ایک چیز کو دوسری کے ساتھ خاص کرنے کے لئے آتی ہے۔ قربانی کے اس دن کے ساتھ خاص ہونے کے لئے اس میں موجود ہونا ضروری ہے۔ اور قربانی کا وجوب ہی اس وجود کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

جمہور نے قربانی کے سنت ہونے پر احادیث سے استدلال کیا ہے۔

ان میں سے ایک حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب آپ ذی الحجہ کا چاند دیکھ لے اور آپ میں سے کوئی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو بال اور ناخن نہ کاٹے۔'' (2) اس حدیث میں قربانی کو ارادے پر معلق کیا گیا ہے یہ وجوب کے منافی ہے۔

انہی میں سے ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور آپ کے لئے نفل وتر، قربانی اور چاشت کی نماز۔'' (3) اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے۔ ''مجھے قربانی کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہارے لئے سنت ہے۔''

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قربانی کے گوشت کی تفریق واجب نہیں۔ اس لئے عقیقہ کی طرح یہ بھی واجب نہیں ہوگئی۔ اور محدثین نے حنفیہ والی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ یا وہ مستحب کی تائید پر محمول ہے۔ جیسے ایک حدیث میں جمعے کے غسل کے بارے میں آتا ہے: ''جمعے کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔'' (4)

ایک اور اثر سے اسی طرف رہنمائی ملتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ڈر سے قربانی نہیں کرتے تھی کہ لوگ اس کو واجب نہ سمجھ لیں۔ (5) اور اصل عدم وجوب ہے۔

شافعیہ کی اس بات پر دلیل کہ قربانی ہر گھر کے لئے سنت کفایہ ہے، حضرت مخنف بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے۔ تو میں نے ان کو کہتے سنا: اے لوگو! ہر گھر والوں پر ہر سال ایک قربانی ہے۔'' (6) اور اس لئے بھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں قربانی کیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منع نہیں فرماتے تھے۔ (7) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو موٹے موٹے سینگوں والے سفید رنگ کے مینڈھے ذبح کیے۔ ایک اپنی امت کی طرف سے اور دوسرا اپنی اور اپنی آل کی طرف سے'' (8)

---

(1)..... اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ (نیل الاوطار: ۵/۱۰۸) (2) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بہت محدثین نے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/ ۱۱۲) (3) اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسئلہ میں، حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں اور دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے اس پر خاموشی اختیار کی ہے۔ اس میں ایک وادی کو نسائی اور دار قطنی نے ضعیف کہا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/ ۲۰۶) (4) اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب سبعہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (سبل السلام: ۱/ ۸۷)۔ (5) اس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (6) اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/ ۱۳۸) (7) یہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت عطاء بن یسار والی روایت سے ثابت ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو کہا ہے۔ اور یہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے بھی ثابت ہے جو امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/ ۱۲۰) (8) اس کو امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/ ۲۱۵)

شافعیہ کی اس پر دلیل کے قربانی اکیلے آدمی پر زندگی میں ایک بار سنت عین ہے، ان کا یہ اصول ہے کہ امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ [1]

قربانی کی قسمیں، یا قربانی کا حکم بدلنے کی حالت

حنفیہ...... کے نزدیک قربانی کی دو قسمیں ہیں: واجب اور نفل۔ [2]

واجب قربانی...... قربانی کے واجب ہونے کی صورتیں درج ذیل ہیں۔

اول...... جس کی منت اور نذر مانی ہوئی ہو۔ جیسے کوئی آدمی کہے: اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں بکری، اونٹ یا یہ بکری اور یہ اونٹ قربانی کروں گا۔ یا یوں کہے کہ میں نے یہ بکری قربانی کے لئے طے کر لی ہے۔ چاہے نذر ماننے والے امیر ہو یا غریب۔

دوم...... اگر فقیر آدمی قربانی کی نیت سے بکری خریدے تو وہ واجب ہو جائے گی۔ اس لئے کہ جس پر قربانی واجب نہیں تھی اس کا قربانی کے لئے جانور خریدنا واجب کرنے کے قائم مقام ہے۔ عرف کے لحاظ سے یہ قربانی کی نذر ہے۔

سوم...... مالدار آدمی پر عید الضحیٰ کے دن قربانی کرنا واجب ہے۔ یہ نذر کی وجہ سے واجب نہیں ہوتی بلکہ یہ اس وجہ سے واجب ہوتی ہے کہ زندگی کی نعمت کا شکریہ ادا کیا جائے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو زندہ کیا جائے کہ عید کے دنوں میں ان کے بچے کے فدیے میں مینڈھا ذبح ہوا تھا۔ علاوہ ازیں قربانی پل صراط [3] پر سواری گناہوں کی بخشش اور غلطیوں کا کفارہ بنتی ہے۔

اگر قربانی کے جانور نے بچہ جن لیا تو وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ ذبح کیا جائے گا اگر اس کو بیچ دیا اور قیمت صدقہ کر لی تو ہو گئی۔ اس لئے کہ اس کی ماں قربانی کے لئے متعین ہو چکی تھی۔

نفل قربانی...... مسافر کی قربانی نفل ہے۔ اسی طرح اس فقیر کی قربانی بھی نفل ہے جس نے قربانی کی نذر مانی ہو اور قربانی کے لئے جانور بھی نہ خریدا ہو۔ اس لئے کہ وجوب کا سبب اور شرط موجود نہیں۔

مالکیہ...... ابن جزی مالکی رحمہ اللہ [4] فرماتے ہیں کہ ذبح کرنے سے بالاتفاق قربانی متعین اور واجب ہو جاتی ہے۔ اور اس سے پہلے نیت کرنے سے واجب ہونے میں مالکیہ کا آپس میں اختلاف ہے۔ اور نذر ہے اگر اس نے متعین کر دیا ہو تو بالاتفاق واجب ہو جائے گی۔ اگر اس نے کہا کہ میں نے اس کو قربانی بنا دیا تو ایک قول کے مطابق متعین ہو جائے گی۔ اگر مر گئی تو دونوں قولوں کے مطابق کچھ بھی لازم نہیں ہوگا اگر اس نے بیچ دیا تو اس کی پوری قیمت سے دوسری خریدنا واجب ہے۔

لیکن علامہ دردیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ اور دسوقی مالکی رحمۃ اللہ علیہ [5] کے مطابق مالکیہ کے ہاں قابل اعتماد اور مشہور قول یہی ہے کہ قربانی صرف ذبح سے واجب ہوئی ہے۔ نذر سے واجب نہیں ہوئی۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ قابل اعتماد قول کے مطابق قربانی کا جو بچہ ماں کے ذبح کرنے سے پہلے پیدا ہو گیا اس کو ذبح کرنا واجب نہیں مندوب ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک قربانی صرف ذبح کرنے سے متعین ہوتی ہے۔ نذر سے متعین نہیں ہوتی۔

---

[1] .... شافعیہ کا اصول یہ ہے کہ امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا اسی طرح ایک مرتبہ ایک مرتبہ مامور بہ پر عمل کرنے کا فائدہ بھی نہیں دیتا۔ یہ حکم کی ماہیت طلب کرنے کے لئے آتا ہے۔ بار بار ایک بار عمل کرنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ البتہ امر کی ماہیت وجود میں لاتا ایک مرتبہ عمل کئے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے ایک مرتبہ عمل ضروری ہو جاتا ہے۔ (شرح الاسفری: ۲/ ۴۳) [2] البدائع ۵/ ۶۱، ۷۸، الدر المختار: ۵/ ۲۲۷۔ [3] علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن الرفعہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ذکر کی ہے: "اپنی قربانیوں کو بڑی (اور موٹی تازی) بناؤ۔ اس لئے کہ یہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔" لیکن علامہ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں۔ [4] القوانین الفقهیه: ص ۱۸۹۔ [5] الشرح الکبیر و حاشیة. ۲/ ۱۲۲، ۱۲۵۔

شافعیہ اور حنابلہ......شافعیہ کا صحیح قول اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے ❶ کہ اگر اس نے قربانی کے لئے جانور خریدنے کی نیت کی لیکن زبان سے الفاظ ادا نہیں کئے تو صرف نیت سے قربانی نہیں بنے گی۔ اس لئے کہ عبادت کے طور پر ملکیت ختم کرنا صرف نیت سے ممکن نہیں۔ قربانی یا تو نذر سے واجب ہوگی جیسے ''اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے'' یا ''مجھ پر لازم ہے کہ میں یہ بکری قربانی کروں'' اور تعیین سے کہ وہ کہے: ''یہ قربانی ہے۔'' یا یوں کہے **جعلتها اضحية** ''میں نے اس کو قربانی بنالیا۔'' اس لئے کہ اس سے اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی۔ یہاں ''**جعل**'' نذر کے معنی میں ہے۔ اس لئے قربانی واجب ہو جائے گی۔ اب اس سے کھانا حرام ہو جائے گا۔ اگر وہ کہے کہ میرا ارادہ نفل کا تھا تو یہ قابل قبول نہیں ہوگا۔

اگر اس نے کہا **اضحية ان شاء الله** ''انشاءاللہ قربانی ہے۔'' اس سے نہ متعین ہوگی نہ واجب۔ گونگے کا قابل فہم اشارہ بولنے والے کی طرح ہے۔ اس کی اگلے سال تک تاخیر جائز نہیں۔ قربانی کے وقت اس کا ذبح کرنا واجب ہے۔

اگر قربانی کے لئے متعین کردہ یا نذر مانے ہوئے جانور نے بچہ جنا تو بچہ اس کے تابع ہوگا۔ اسے ذبح کیا جائے گا۔ اور اس کا حکم وہی ہوگا جو قربانی کا ہے۔ چاہے حمل تعیین کے وقت ٹھہرا ہوا یا بعد میں۔ مالک اس کا وہی دودھ پی سکتا ہے۔ جو بچے سے بچ جائے۔ اگر کچھ بھی نہ بچے تو اسے کچھ نہیں ملے گا۔

دوسری بحث: قربانی کی شرطیں......اس میں تین مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد: قربانی کے واجب یا سنت ہونے کی شرطیں......حنفیہ کے نزدیک قربانی کے وجوب کے لئے اور دوسرے ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قربانی کے سنت ہونے کے لئے قربانی پر قادر ہونا شرط ہے۔ لہٰذا عید کے دنوں میں جو قربانی سے عاجز ہو اس سے قربانی کا مطالبہ نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک قدرت سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا مال ہو جس پر صدقہ ❷ فطر واجب ہوتا ہے۔ یعنی وہ دو سو درہم جو کہ زکوٰۃ کا نصاب ہے...... کا مالک ہو یا اس کے پاس اتنی مالیت کا سامان ہو جو اس کی ذاتی اور اور ان لوگوں کی ضروریات سے زائد ہو جن کا نفقہ اس پر واجب ہے۔

مالکیہ ❸ کے نزدیک قادر وہ آدمی ہوگا جو سال کے دوران کسی ضروری امر میں قربانی کی قیمت کا محتاج نہ ہو۔ اگر قرض لینے کی استطاعت رکھتا ہو تو قرض لے لے۔

شافعیہ کے نزدیک ❹ قدر وہ آدمی ہوگا جو قربانی کی قیمت کا مالک ہو۔ اور یہ قیمت اس کی اور اس کے زیر کفالت افراد کی عید اور ایام تشریق کی ضروریات سے زائد ہو۔ اس لئے کہ قربانی کا وقت یہ ہے۔ جیسا کہ صدقہ فطر میں انہوں نے عید کے دن اور رات کی ضروریات سے زائد ہونے کی شرط لگائی ہے۔

حنابلہ کے نزدیک ❺ قادر وہ آدمی ہوگا جس کے لئے قربانی کی قیمت حاصل کرنا ممکن ہو اگرچہ قرض لے کر۔ بشرطیکہ قرض کی ادائیگی پر قادر ہو۔

دوسرا مقصد: قربانی کے صحیح ہونے کی شرطیں......قربانی کے صحیح ہونے کے لئے درج ذیل شرطیں ہیں: ❻

---

❶..... مغنی المحتاج: ۲۸۳/۴، ۲۸۸، ۲۹۱، المهذب: ۲۴۰/۱ وما بعد، حاشية الباجوری: ۳۰۵/۲، المغنی: ۶۲۷/۸ وما بعد، كشاف القناع: ۸/۳۔ ❷الدر المختار: ۲۲۲/۵، اللباب: ۲۳۲/۳، تبیین الحقائق: ۳/۶۔ ❸شرح الرسالہ لابن ابی زید القیروانی: ۳۶۷/۱۔ ❹حاشية الباجوری: ۳۰۴/۲۔ ❺كشاف القناع: ۱۸/۳۔ ❻ البدائع: ۷۳/۵۔۷۵، الشرح الصغير للدردير: ۱۴۱/۲۔۱۴۴، القوانين الفقهيه ص ۱۹۲، المغنی المحتاج: ۲۸۶/۴ وما بعد المغنی: ۶۲۳/۸، ۶۳۶ وما بعدها

۱.....ذبح کئے جانے والے جانور میں کوئی ایسا سخت اور فاحش عیب نہ ہو جو عام طور پر گوشت میں کمی کا سبب بنتا ہے یا صحت کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔ جیسے چار عیب جن کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ قربانی سے مانع بنتے ہیں۔ واضح طور پر کانا ہونا، واضح طور پر مریض ہونا، لنگڑا ہونا کہ لنگڑا پن ظاہر ہو اور لاغر ہونا کہ گودہ نہ رہے۔ ❶

عیوب کی مزید تفصیل قربانی کئے جانے والے جانور کے بیان میں آئے گی۔

۲.....قربانی مخصوص وقت میں ہو۔ حنفیہ کے نزدیک اس کا وقت ایام نحر کے تین دن اور دو راتیں ہیں۔ تین دن سے مراد ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ۔ اور تین راتوں سے مراد گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی راتیں۔ دس ذی الحجہ کی رات اور تیرہ ذی الحجہ کی رات کو قربانی جائز نہیں۔ اس لئے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے: ''ایام نحر تین ہیں۔'' اور لغوی اعتبار سے دنوں میں راتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ لیکن رات کو قربانی کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

ذبح کے وقت کی تفصیل ''قربانی کے وقت'' کی بحث میں آئے گی۔

مالکیہ...... مالکیہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ ذبح دن کے وقت کیا جائے۔ اگر رات کو ذبح کیا جائے تو قربانی صحیح نہیں ہوگی۔ اور پہلے دن کے علاوہ دن فجر طلوع ہونے سے شروع ہوگا۔

مالکیہ نے دو شرطوں کا مزید اضافہ کیا ہے۔ ❷

۱.....ذبح کرنے والا مسلمان ہو لہٰذا اگر قربانی کرنے والے نے کافر کو اپنا نائب بنالیا تو قربانی صحیح نہیں ہوگی اگرچہ وہ کافر کتابی ہو۔ البتہ اس کا کھانا جائز ہے۔ مالکیہ کے علاوہ ❸ دوسرے حضرات کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ مسلمان کے علاوہ کوئی ذبح نہ کرے۔ ذمی کتابی کا ذبح کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں۔ اگر ذمی کتابی مسلمان کا نائب بن کر ذبح کرے تو کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

۲.....قربانی کی قیمت میں اشتراک نہ ہو۔ اگر کئی لوگ قربانی کی قیمت میں شریک ہوگئے یا قربانی ان کے درمیان مشترکہ تھی اور انہوں نے اپنی طرف سے اس کو ذبح کر دیا تو ایک کی طرف سے بھی قربانی نہیں ہوگی۔ اونٹ اور گائے میں ذبح کرنے سے پہلے ثواب میں شرکت ہوسکتی ہے۔ بعد میں نہیں۔ اور بکری میں شرکت نہیں ہوسکتی۔ اونٹ اور گائے میں شرکت کے لئے ان کے نزدیک تین شرطیں ہیں۔

۳.....شرکت کرنا والا قریبی رشتے دار ہو جیسے بیٹا، بھائی، بھتیجا۔ بیوی بھی انہیں میں شامل ہے۔

۴.....شریک ایسا آدمی ہو جس پر یہ خرچ کرتا ہے۔ چاہے خرچ کرنا واجب ہو جیسے غریب باپ بیٹا یا واجب نہ ہو جیسے بھائی، بھتیجا۔

۵.....اور وہ اس کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہ رہا ہو۔

مالکیہ کے علاوہ دوسرے ❹ ائمہ کے نزدیک اونٹ اور گائے کی قربانی میں اشتراک جائز ہے لہٰذا ان جانوروں میں سات آدمی حصہ ڈال سکتے ہیں بشرطیکہ ہر ایک ساتویں حصے کا حصہ دار ہو۔ سات سے زیادہ جائز نہیں۔ اور ساتویں حصے سے کم بھی جائز نہیں۔

---

❶.....امام احمد اور اصحاب سنن نے اس کو حضرت براء بن عازب سے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ عجفاء کا لفظ اسی میں ہے۔ اس سے مراد وہ جانور ہے جو بہت زیادہ کمزور ہو اور اس کی ہڈیوں کا گودہ ختم ہو جائے۔ دوسری کتابوں میں الکبیر کا لفظ آیا ہے۔ الضلع لنگڑے کو کہتے ہیں۔ لاتنقی: یعنی اس کا گودہ ختم ہو۔ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علماء کا اجماع ہے کہ حضرت براء والی حدیث میں جن چار عیوب کا ذکر ہے ان کے ہوتے ہوئے قربانی نہیں ہوتی۔ اسی طرح جو عیب ان کے حکم میں ہو یا ان سے بھی بدتر ہو جیسے اندھا، یا جس کی ٹانگ کٹی ہوئی ہو وغیرہ (نیل الاوطار: ۵/ ۱۱۵۔۱۱۷) ❷الشرح الصغیر: ۲/ ۱۴۱ وما بعد. ❸اللباب شرح الكتاب: ۳/ ۲۳۶، المهذب: ۱/ ۲۳۹، المغنی: ۸/ ۶۴۰. ❹تبيين الحقائق: ۶/ ۳۔ مغنی المحتاج: ۴/ ۲۸۵، كشاف القناع: ۲/ ۶۱۸، المغنی: ۸/ ۶۱۹.

تیسرا مقصد: قربانی کا مکلّف ہونے کی شرطیں......علماء کا اتفاق ہے (1) کہ قربانی کا مطالبہ ایسے آدمی سے ہے جو مسلمان، آزاد، بالغ، عاقل، مقیم اور استطاعت رکھنے والا ہو۔ مسافر اور بچے کے بارے میں اختلاف ہے۔

مسافر کا حکم......مسافر کے بارے میں حنفیہ (2) فرماتے ہیں کہ اس پر قربانی نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ حالت سفر میں قربانی نہیں کیا کرتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "مسافر پر جمعہ اور قربانی نہیں ہے۔ (3) ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قربانی کی ادئیگی کے لئے اسباب ووسائل کی ضرورت ہوتی ہے جو مسافر کو میسر نہیں ہوتے۔ اس لئے اس سے حرج کو دور کرنے کے لئے جمعے کی طرح قربانی بھی واجب نہیں ہوگی۔

مالکیہ (4) فرماتے ہیں کہ غیر حاجی کے لئے قربانی سنت ہے اس لئے کہ حج کرنے والے کی سنّت ھدی ہے۔ (5) غیر حاجی کے لئے قربانی مطلقاً سنت ہے چاہے مقیم ہو یا مسافر۔

شافعیہ اور حنابلہ (6) فرماتے ہیں کہ قربانی ہر مسلمان کے لئے سنت ہے چاہے مسافر ہو، حاجی ہو یا کوئی اور۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منی میں اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔ (بخاری ومسلم)

اسی سے ان لوگوں کا رد ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ حاجی کے لئے منی میں قربانی سنت نہیں ہے۔ اور جس چیز کو حاجی وہاں ذبح کرتا ہے وہ قربانی نہیں بلکہ ھدی ہے۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک مسافر پر قربانی نہیں ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک مسافر کے لئے بھی قربانی سنت ہے۔

صغیر کا حکم......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بچے کے مال میں سے قربانی واجب ہے۔ اس کا باپ یا وصی اس کی طرف سے قربانی کرے گا۔ صغیر اپنی قربانی میں سے جتنا کھا سکتا ہے کھائے گا۔ باقی گوشت کے بدلے میں کوئی ایسی چیز خریدی جائے گی جس کی ذات سے فائدہ حاصل کیا جاتا رہے۔ استعمال سے ختم ہونے والی نہ ہو جیسے چھلنی وغیرہ۔ ولی اپنے چھوٹے بچوں میں سے ہر ایک کی طرف سے بکری ذبح کرے۔ یا سات کی طرف سے ایک اونٹ یا گائے ذبح کرے۔ جیسا کہ صدقہ فطر میں ہوتا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ولی اپنے مال میں سے قربانی کرے گا۔ نہ کہ بچے کے مال میں سے۔ حنفیہ کی ظاہر الروایۃ جو کہ بعض کے نزدیک راجح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے (7) یہ ہے کہ چھوٹے بچے کی طرف سے قربانی واجب نہیں مستحب ہے۔ اور باپ بچے کے مال میں سے قربانی نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ یہ محض عبادت ہے۔ اور عبادات میں اصل یہ ہے کہ دوسرے کی وجہ سے واجب نہیں ہوتیں۔ بخلاف صدقہ فطر کے۔ کہ اس میں "مؤونۃ" (8) (نان نفقہ برداشت کرنا) کے معنی ہیں۔ اور اس کا سبب وہ فرد ہے جس کا نان نفقہ اس کے ذمہ ہو اور وہ اس کا ولی ہو۔ یہ رائے سب سے راجح ہے۔

---

(1) ......اللباب: ۳/۲۳۲، تکملة الفتح: ۸/۶۷، القوانین الفقهیه: ص ۱۸۶، الشرح الکبیر: ۲/۱۱۸، مغنی المحتاج: ۴/۲۸۳، کشاف القناع: ۳/۱۷۔ (2) تکملة الفتح: ۸/۷۱، تبیین الحقائق: ۶/۳، الدرالمختار: ۵/۲۲۲۔ (3) علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں آثار کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ غریب ہیں (نصب الرایة: ۴/۲۱۱) (4) الشرح الکبیر: ۲/۱۱۸، القوانین الفقهیه: ص ۱۸۶، بدایة المجتهد: ۱/۴۱۵۔ (5) وہ جانور جس کو حج کرنے والا حرم کی طرف بھیجتا ہے۔ اس کو ھدی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

(6) مغنی المحتاج: ۴/۲۸۳، کشاف القناع: ۳/۱۷۔ (7) الدر المختار: ۵/۲۲۲، تبیین الحقائق: ۶/۲۔۳، تکملة الفتح: ۸/۶۷، ۷۰، اللباب: ۳/۲۳۲ ومابعدها۔ (8) المؤونة: نان نفقہ برداشت کرنا۔ صدقہ فطر عبادت ہے لیکن اس میں مؤونت والے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ عبادت اس لئے کہ کہ اس سے حاجت مندوں پر صدقہ کر کے اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔ اور مؤونۃ اس لئے ہے کہ یہ حنفیہ کے نزدیک مکلّف آدمی پر غیر کی وجہ سے واجب ہوتا ہے یعنی اس کی زیر کفالت افراد کی وجہ سے جیسے خادم، چھوٹے بچے وغیرہ۔ (اصول الفقه لنا: ۱/۱۵۳، ط دار الفکر)

مالکیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ بچے کے لئے قربانی سنت ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ ❶ فرماتے ہیں کہ بچے کے لئے قربانی سنت نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ بچے کی طرف سے اس کے ولی کے مال میں سے قربانی کرنا حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مستحب نہیں ہے۔

قربانی کی نیت..... قربانی کے جائز ہونے کے لئے قربانی کی نیت کرنا شرط ہے۔ ❷ اس کے بغیر قربانی صحیح نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ جانور کبھی گوشت کے لئے ذبح ہوتا ہے اور کبھی عبادت کے طور پر۔ اور فعل نیت کے بغیر عبادت نہیں بنتا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اعمال کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے۔ ہر آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہو۔'' ❸ ایک دوسری حدیث میں ہے ''جس کی نیت نہ ہو اس کا عمل بھی نہیں ہوتا۔'' ❹

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے مراد ایسا عمل ہے جو عبادت ہو۔ قربانی نیت کے بغیر متعین نہیں ہوگی۔ شافعیہ اور حنابلہ نے شرط لگائی ہے کہ نیت ذبح کے وقت ہو۔ اس لئے کہ ذبح کرنا فی نفسہ عبادت ہے۔ اور دل سے نیت کرنا کافی ہے۔ زبان سے کہنا شرط نہیں۔ اس لئے کہ نیت دل کا عمل ہے۔ اور زبان کا ذکر اس پر محض دلیل ہے۔

حنفیہ نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ قربانی میں کسی ایسے آدمی کو شریک نہ کیا جائے جس کی نیت عبادت کی بالکل نہ ہو بلکہ گوشت کی ہو۔ اگر ایک اونٹ یا گائے میں سات آدمی شریک ہوئے۔ سب کی نیت عبادت کی تھی۔ سوائے ایک کے کہ وہ گوشت کی نیت کئے ہوئے تھا۔ تو قربانی کسی کی طرف سے بھی نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ عبادت خون بہانے میں ہے۔ اور اس کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ یہ ایک ہی فعل اور ایک ہی ذبح ہے۔

شافعیہ ❺ نے اس اشتراک کی اجازت دی ہے۔ شرکاء کے لئے گوشت تقسیم کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ تقسیم الگ کرنے کے لئے ہے۔

تیسری بحث: قربانی کا وقت..... قربانی کے پہلے اور آخری وقت کے بارے میں اور عید کی راتوں کو قربانی کے مکروہ ہونے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ قربانی کا افضل وقت پہلے دن زوال سے پہلے کا وقت ہے۔ اس لئے کہ یہی سنت ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم اپنے اس دن کی ابتداء اس طرح کرتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہیں پھر واپس آکر قربانی کرتے ہیں۔ جس نے ایسا کر لیا اس نے ہماری سنت پر عمل کر لیا۔ جس نے اس سے پہلے ذبح کر لیا اس نے اپنے گھر گوشت بھیجا ہے یہ قربانی کا عمل نہیں ہے۔'' ❻

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز عید سے پہلے ذبح کرنا اور عید کی رات ذبح کرنا مذکورہ حدیث کی وجہ سے جائز نہیں۔ اب اختلافی مسائل میں فقہاء کی آراء ذکر کرتا ہوں۔

---

❶ الشرح الکبیر: ۲/ ۱۱۸۔ ❷ مغنی المحتاج: ۴/ ۲۸۳، کشاف القناع: ۳/ ۷۱، قلیوبی وعمیرہ علی المحلی علی المنہاج: ۴/ ۲۴۹۔ ❸ البدائع: ۵/ ۷۱، القوانین الفقہیہ: ص ۱۸۷، مغنی المحتاج: ۴/ ۲۸۹، کشاف القناع: ۳/ ۲۔ ❹ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ بلکہ ایک جماعت نے ان سے روایت کیا ہے۔ ❺ مغنی المحتاج: ۴/ ۲۷۵۔ ❻ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (نصب الرایۃ: ۴/ ۲۱۲)

ا۔حنفیہ...... ❶ حنفیہ فرماتے ہیں: قربانی کا وقت عید الاضحیٰ کے دن طلوع فجر کے وقت داخل ہوتا ہے۔ اور تیسرے دن کا سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے تک رہتا ہے۔ لیکن شہر والوں کو چونکہ نماز عید پڑھنے کا حکم ہے اس لئے ان کے لئے پہلے دن نماز عید پڑھنے سے پہلے ذبح کرنا جائز نہیں۔ اگر چہ خطبے سے پہلے ہو۔ اور اگر کسی عذر کی وجہ سے نماز چھوڑ دی ہو تو نماز جتنا وقت گزرنے کے بعد ذبح کرنا جائز ہوگا۔ گاؤں والے جن کو نماز عید کا حکم نہیں وہ پہلے دن کی فجر کے بعد سے ذبح کر سکتے ہیں۔

اگر بکری گم ہوگئی یا چوری ہوگئی۔ اس لئے دوسری خریدی پھر پہلی والی مل گئی تو افضل یہ ہے کہ دونوں کو ذبح کیا جائے۔ اگر پہلی ذبح کر دی تو جائز ہے۔ اسی طرح دوسری ذبح کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ اس کی قیمت پہلی سے زیادہ ہو یا برابر ہو۔

اگر عید کے دن کی تعیین میں غلطی ہوگئی۔ لوگوں نے نماز پڑھی اور قربانی کر لی پھر پتہ چلا کہ یہ تو یوم عرفہ تھا۔ تو ان کی نماز اور قربانی جائز ہو جائے گی۔ اس لئے کہ اس طرح کی غلطیوں سے بچنا ممکن نہیں۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو بچانے کے لئے جواز کا حکم لگایا جائے گا۔

ذبح کرنے کے تین دن ہیں: عید کا دن اور اس کے بعد کے دو دن۔

رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ رات کے اندھیرے میں ذبح کرنے میں غلطی کا احتمال ہے۔ یہ درمیان والی دو راتوں دوسری اور تیسری (۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کی) رات کا حکم ہے۔ نہ کہ پہلی اور چوتھی (۱۰، ۱۳ ذی الحجہ کی) رات کو۔ اس لئے کہ ان دو راتوں میں قربانی بالکل صحیح نہیں ہوتی۔

اگر قربانی رہ گئی اور اس کا وقت گزر گیا تو قربانی کا مالک اس کو زندہ صدقہ کر دے بشرطیکہ وہ نذر کی قربانی ہو جو اس نے اپنے اوپر واجب کی تھی یا فقیر یا غنی نے اس کو قربانی کے لئے خریدا تھا۔ اسلئے کہ یہ بھی عرف میں نذر ہی کے حکم میں ہیں۔ اور اگر غنی نے قربانی نہ کی ہو تو صحیح یہ ہے کہ بکری کی قیمت صدقہ کرے۔ (بدائع)

یہ امام صاحب اور صاحبین کا مسلک ہے۔ اس لئے کہ غنی آدمی پر قربانی واجب ہے۔ اور فقیر پر بھی قربانی کی نیت سے خریدنے سے واجب ہو جاتی ہے۔

دلائل...... اس مسئلے پر حنفیہ کی دلیل کہ نماز کے بعد ذبح کرنا جائز ہے اگر چہ خطبے سے پہلے ہی کیوں نہ ہو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ہے۔ ”جس کسی نے نماز سے پہلے قربانی کی اس نے اپنی ذات کے لئے جانور ذبح کیا۔ اور جس نے نماز کے بعد قربانی کی تو اس کی قربانی مکمل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت پوری کر لی۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بخاری والی حدیث: ”جس کسی نے نماز سے پہلے قربانی کی ہو وہ دوبارہ قربانی کرے۔ اور جس نے نماز کے بعد قربانی کر لی تو اس کی قربانی مکمل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت ادا کر لی۔“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں نماز کے بعد ذبح کرنے کا کہا ہے نہ کہ خطبے کے بعد۔ معلوم ہو کہ اعتبار نماز کا ہے خطبے کا نہیں۔

قربانی کا وقت تین دن تک محدود ہونے پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: ”قربانی کے دن تین ہیں۔ سب سے پہلا سب سے افضل ہے۔“ ❷ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ”قربانی عید کے دن کے بعد دو دن ہے۔“ ❸

۲۔ مالکیہ...... ❹ مالکیہ کے نزدیک نماز عید کے امام کے لئے قربانی کا وقت نماز اور خطبے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اگر اس سے پہلے ذبح

---

❶ البدائع: ۷۵۔۷۳/۵ تکملة فتح القدیر: ۸۲/۸ و ما بعدها، تبیین الحقائق: ۴/۶ و ما بعدها، الدر المختار: ۲۲۲/۵۔ ۲۲۵، اللباب شرح الکتاب: ۲۳۳/۳ و ما بعدها۔ ❷ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ بہت ہی غریب ہے۔ (نصب الرایۃ: ۲۱۳/۴) ❸ اس حدیث کو موطا میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ انہیں یہ روایت بھی پہنچی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یہی کہتے تھے (سابقہ حوالہ)۔ ❹ الشرح الکبیر: ۱۲۰/۲، ۱۲۲، بدایۃ المجتہد: ۴۲۱/۱ و مابعدها، القوانین الفقهیه: ص ۱۸۶ وما بعد۔

کر لی تو ادا نہیں ہوگی۔ امام کے علاوہ باقی لوگوں کے قربانی ذبح کرنے کا وقت امام کے ذبح کرنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یا اگر امام قربانی نہیں کر رہا تو اتنا وقت گزرنے کے بعد قربانی کی جائے گی۔ اگر کسی نے امام سے پہلے جان بوجھ کر قربانی ذبح کر لی تو صحیح نہیں ہوگی۔ اور دوبارہ قربانی کرنا پڑے گی۔ ان کے نزدیک نماز سے پہلے یا امام کے ذبح کرنے سے پہلے قربانی کرنے سے قربانی نہیں ہوگی۔ البتہ اگر امام کی قربانی کا پتہ نہ چلا اور کسی نے انداز ے سے قربانی کر لی۔ اس کا گمان یہی تھا کہ امام نے قربانی کر لی ہے۔ لیکن حقیقت میں قربانی نہیں کی تھی۔ تو اس کی قربانی درست ہوگی۔ اگر امام نے کسی شرعی عذر کی وجہ سے تاخیر کر دی تو زوال سے اتنا پہلے تک انتظار کیا جائے گا جس میں قربانی ذبح کی جاسکے۔ تاکہ افضل وقت نہ چھوٹے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ ❶ والی حدیث میں حکم دیا کہ جس نے پہلے قربانی کر لی ہے وہ دوبارہ قربانی کرے۔ اور اس وقت تک قربانی نہ کریں جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی نہیں کی۔ یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ امام کے قربانی کرنے سے پہلے قربانی نہیں کی جاسکتی۔

اور حضرت جندب بن سفیان البجلی ❷ والی روایت اس بات کی دلیل ہے کہ ذبح نماز کے بعد ہوتا ہے۔ ''جس نے نماز پڑھنے سے پہلے ذبح کر لیا اسے چاہئے کہ اس کی جگہ ایک اور قربانی کرے۔ اور جس نے نماز تک ذبح نہیں کیا وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کر لے۔'' پہلے دن کے علاوہ باقی دو دنوں میں ذبح کا وقت طلوع فجر سے شروع ہو جائے گا۔ لیکن سورج بلند ہونے تک تاخیر کرنا مستحب ہے۔ اگر کوئی مسلمان یوم نحر (۱۰ ذی الحجہ بروز عید) کو زوال سے پہلے قربانی نہ کر سکا تو افضل یہ ہے کہ اسی دن بعد میں قربانی کر لے۔ اگر دوسرے دن زوال تک قربانی نہ کر سکا تو افضل یہ ہے کہ تیسرے دن زوال سے پہلے قربانی کر لے۔ اور اگر تیسرے دن زوال تک قربانی نہ کر سکا تو زوال کے بعد قربانی کرے۔ اس لئے کہ اب کوئی ایسا وقت نہیں جس کا انتظار کیا جائے۔

ان کے نزدیک قربانی کا وقت تیسرے دن کا سورج غروب ہونے تک ہے۔ جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے جیسا کہ آ رہا ہے۔ اس لئے کہ آیت کریمہ:

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ...... الحج: ۲۸/۲۲

''تاکہ وہ ان فوائد کو آنکھوں سے دیکھیں جو ان کے لئے رکھے گئے ہیں اور متعین دنوں میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا کئے ہیں۔''

میں ''الایام المعلومات'' کی مشہور تفسیر یہی ہے کہ اس سے مراد عید کا دن اور اس کے بعد والے دو دن ہیں۔

۳۔ شافعیہ...... ❸ شافعیہ فرماتے ہیں کہ قربانی کا وقت عید کے دن سورج طلوع ہونے کے اتنے وقت کے بعد شروع ہوتا ہے جس میں دو رکعتیں اور دو خطبے خفیف طریقے سے پڑھے جاسکتے ہیں۔ پھر جب سورج ایک نیزے ❹ کے بقدر بلند ہو جائے تو یہ اس کا افضل وقت ہے۔ اسی وقت نماز چاشت کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے۔ اگر اس سے پہلے قربانی کر لی تو صحیح نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ صحیحین کی روایت میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''اس دن ہم سب سے پہلے نماز سے اس دن کی ابتداء کرتے ہیں۔ پھر واپس جاتے ہیں اور قربانی کرتے ہیں۔'' ❺ اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے کہ اگر حاجی غلطی سے آٹھ تاریخ کو عرفہ میں ٹھہرے۔ اور نو تاریخ کو قربانی کر لے۔ پھر غلطی کا پتا چلا تو شافعیہ کی ایک ضعیف رائے یہ ہے کہ قربانی بھی حج کے تابع ہو کر ٹھیک ہو جائے گی۔

---

❶ ...... اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ❷ یہ حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین کے درمیان متفق علیہ ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/۱۲۳۔) ❸ مغنی المحتاج: ۲۸۶/۴ وما بعدھا، المھذب: ۲۳۷/۱، المحلی علی المنھاج: ۲۵۲/۴ ومابعدھا، نھایۃ المحتاج: ۸/۶ ❹ الرمح: نیزہ۔ ایک لمبی لکڑی جس کے سر پر برچھا لگا ہوتا ہے۔ ❺ یہ شافعیہ کی مرجوح روایت ہے کہ حج ہو جائے گا۔ صحیح یہ ہے کہ حج ہوگا نہ قربانی۔

قربانی ذبح کرنے کا وقت ایام تشریق کے آخر تک ہے۔اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ دسویں کے بعد تین دن ہیں۔اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔''عرفہ سارا کا سارا موقف''(ٹھہرنے کی جگہ)ہے۔''اور ایام تشریق سارے کے سارے قربانی کے دن ہیں۔'' ❶ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے:''تمام ایام تشریق میں قربانی کر سکتے ہیں۔'' ❷

لیکن رات کو ذبح کرنا اور قربانی کرنا مکروہ ہے۔اسلئے کہ اس سے منع کیا گیا ہے۔یا تو ذبح کرنے میں غلطی کے خدشے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ فقراء قربانی کے لئے جتنے دن کو آ سکتے ہیں اتنے رات کو نہیں آ سکتے۔

اگر کسی نے معین جانور کی قربانی نذر مانی اور مثلاً یہ کہا کہ اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں اس گائے کی قربانی کروں تو اس کو قربانی کے اس وقت ذکر کئے ہوئے وقت میں ذبح کرنا لازمی ہوگا۔آئندہ سال تک تاخیر جائز نہیں ہوگی۔اگر وہ قربانی کے وقت سے پہلے یا قربانی کے وقت ذبح کرنے سے پہلے ہلاک ہوگئی تو اس پر کچھ نہیں آئے گا۔اس لئے کہ اس کی کوئی کوتاہی نہیں۔اور یہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔اور اگر اس نے خود ہلاک کیا تو اب اس کی قیمت سے،اسی جیسی ایک اور قربانی خرید کر اسے وقت میں ذبح کرنی لازم ہوگی۔

۴۔حنابلہ...... ❸ حنابلہ فرماتے ہیں کہ قربانی کا وقت عید کی صبح اتنا وقت گزر جانے کے بعد شروع ہوتا ہے جس میں ہلکے انداز میں نماز عید اور دو خطبے پڑھے جا سکیں۔جیسا کہ شافعیہ کا مسلک ہے۔اور افضل یہ ہے کہ قربانی نماز،خطبے اور امام نے اگر قربانی کرنی ہو تو اس کے بعد کی جائے تا کہ اختلاف سے نکلا جا سکے۔اس میں شہر والوں اور دوسروں میں کوئی فرق نہیں۔اگر زوال کا وقت آ جانے کی وجہ سے عید کی نماز فوت ہوگئی چاہے عذر سے ہو یا بلا عذر تو قربانی کرنے والا زوال کے وقت اور اس کے بعد قربانی کر لے۔اس لئے کہ نماز کا وقت نکل جانے کی وجہ سے اب تبعیت نہیں ہو سکتی۔اگر نماز سے پہلے قربانی کر لی تو صحیح نہیں ہوگی۔اگر قربانی نذر یا تعیین سے واجب ہوگئی تھی تو بدل لازم ہو جائے گا۔اس لئے کہ یہ واجب قربانی تھی جس کو اس وقت سے پہلے ذبح کر لیا۔لہٰذا بدل لازم ہوگا۔دوسرے دن قربانی دن کے پہلے حصے میں ہوگی۔اس لئے کہ اس میں نماز واجب نہیں ہے۔

قربانی کا وقت ایام تشریق کے دوسرے دن (۱۲ ذی الحجہ) کے آخر تک رہے گا۔یعنی قربانی کے دن تین ہیں:عید کا دن اور دو دن اس کے بعد۔جیسا کہ حنفیہ اور مالکیہ فرماتے ہیں۔

دن کے وقت قربانی کرنا افضل ہے اور رات کے وقت کراہت کے ساتھ جائز ہے۔اختلاف سے نکلنے کے لئے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ انہوں نے رات کو ذبح کرنے سے منع فرمایا۔ ❹ اور اس لئے بھی کہ رات کے وقت عام طور پر گوشت الگ الگ کرنا مشکل ہوتا ہے۔اس لئے تازہ تازہ الگ نہیں کیا جا سکتا۔اس سے مقصود میں کمی واقع ہوتی ہے۔

اگر ذبح کرنے کا وقت نکل جائے تو واجب قربانی کو قضاءً ذبح کرے۔اس کے ساتھ وہی کچھ کرے جو وقت پر ذبح کی ہوئی قربانی کے ساتھ کرتے ہیں۔نفل میں اس کو اختیار ہے۔اگر اس نے گوشت الگ کر لیا تو عبادت اسی کے ساتھ ہوگی نہ کہ ذبح کے ساتھ۔اس لئے کہ یہ گوشت والی بکری ہے۔قربانی نہیں۔

اگر مالک کے واجب کرنے سے قربانی واجب ہوگئی اور پھر اس کی طرف سے کسی زیادتی کے بغیر قربانی کا جانور گم ہو گیا یا چوری ہو گیا تو اس پر کچھ ضمان نہیں آئے گا۔اس لئے کہ قربانی اس کے پاس امانت تھی۔اگر دوبارہ مل جائے تو اس کو ذبح کر لے چاہے یہ ذبح کے وقت

---

❶ ......اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ❷ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ تمام ایام تشریق قربانی کے دن ہیں۔اور ایام تشریق عید اور اس کے بعد تین دن ہیں (نیل الاوطار ۵/۱۲۵) باقی تین ائمہ کے نزدیک عید کے بعد دو دن قربانی کی جا سکتی ہے۔ ❸ المغنی: ۶۳۶/۸ وما بعدھا، کشاف القناع: ۶/۳۔ ❹ طبرانی نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔اس کی سند میں متروک ہے۔اور بیہقی نے اس کو حضرت حسن سے مرسلاً روایت کیا ہے (نیل الاوطار: ۱۲۶/۵)

ملے یا بعد میں۔

چوتھی بحث: ذبح کیا جانے والا جانور...... اس میں چار مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد......ذبح کئے جانے والے جانور کی قسم

علماء کا اتفاق ہے کہ قربانی صرف مویشیوں: اونٹ، گائے (اسی میں بھینس بھی شامل ہے) اور بھیڑ (اسی میں بکری بھی شامل ہے) اپنی تمام اقسام سمیت...... کی درست ہے۔ اس میں نر اور مادہ، خصی اور غیر خصی سب شامل ہیں۔ لہٰذا مویشیوں کے علاوہ ہرن جنگلی گائے وغیرہ کی قربانی درست نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ ...... الحج: ۲۲/ ۳۴

اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی اس غرض کے لئے مقرر کی ہے کہ وہ ان مویشیوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں''

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کے علاوہ کسی جانور کی قربانی منقول نہیں۔ اور اس لئے بھی کہ قربانی حیوان سے متعلقہ عبادت ہے۔ یہ پالتو چوپایوں کے ساتھ خاص ہوگی جس طرح زکوٰۃ انہی کے ساتھ خاص ہے۔ ❶

مخلوط جانور...... پالتو چوپایوں اور دوسرے جانوروں سے پیدا ہونے والا جیسے جنگلی اور گھریلو جانور کے ملاپ سے پیدا ہونے والا بچہ ماں کے تابع ہوگا۔ اس لئے کہ تبعیت میں وہی اصل ہے۔ یہ حنفیہ اور مالکیہ کی رائے ہے۔

شافعیہ فرماتے ہیں: پالتو جانوروں کی دو جنسوں سی پیدا ہونے والا جانور قربان کرنا درست ہے۔ اس میں ماں باپ میں سے زیادہ عمر والے کا اعتبار ہوگا۔ اگر وہ بھیڑ اور بکری سے پیدا ہوا ہو تو اس کا دو سالہ ہونا ضروری ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ جنگلی اور گھریلو جانور کے ملاپ سے پیدا ہونے والے کی قربانی درست نہیں۔

افضل جانور......کون سے جانور کی قربانی افضل ہے؟

اس میں فقہاء کی دو رائیں ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک سب سے افضل بھیڑ ہے، پھر گائے اور پھر اونٹ۔ اس لئے کہ گوشت کے اچھا ہونے کی ترتیب یہی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کی قربانی دی۔ ظاہر ہے۔ انہوں نے افضل کو اختیار کیا ہوگا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے بہتر کوئی جانور ہوتا تو حضرت اسحاق علیہ السلام (یا اسماعیل علیہ السلام) کی جگہ اسے قربان کرتے۔

شافعیہ کا قول اس کے برعکس ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سب سے افضل قربانی اونٹ کی ہے، پھر گائے کی، پھر دنبے کی اور پھر بکری کی۔ اس لئے انہوں نے گوشت زیادہ ہونے کا اعتبار کا ہے، فقراء کا فائدہ بھی اسی میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جس نے جمعے کے دن غسل جنابت جیسا غسل کیا پھر مسجد چلا گیا تو گویا اس نے اونٹ کی قربانی کی۔ جو اس کے بعد گیا تو گویا اس نے گائے کی قربانی کی اور جو اس کے بعد گیا تو گویا اس نے سینگوں والے دنبے کی قربانی کی۔ ❷

---

❶...... البدائع: ۵/ ۶۹، اللباب: ۳/ ۲۳۵، الدر المختار: ۵/ ۲۲۲، تبیین الحقائق ۶/ ۷، تکملة الفتح: ۸/ ۷۶، الشرح الکبیر: ۲/ ۱۱۸، وما بعدھا، بدایة المجتھد: ۱/ ۴۱۶، مغنی المحتاج: ۴/ ۲۸۴، المغنی: ۸/ ۶۱۹ ومابعدھا، ۶۲۳، کشاف القناع: ۲/ ۶۱۵ و ما بعدھا، القوانین الفقھیه: ص ۱۸۸ المھذب: ۱/ ۲۳۸۔ ❷ ابن ماجہ کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کو روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۳/ ۲۳۷)

حنفیہ فرماتے ہیں کہ جس میں گوشت زیادہ ہو وہی افضل ہے۔
مذاہب کی تفصیل عبارات درج ذیل ہیں:

حنفیہ ❶ فرماتے ہیں: اصول یہ ہے کہ اگر گوشت اور قیمت میں برابر ہوں تو جس کا گوشت اچھا ہو وہ افضل ہے۔ اور اگر گوشت اور قیمت میں فرق ہو تو جو زائد ہو وہی بہتر ہے۔ اگر بکری اور گائے کا ساتواں حصہ گوشت اور قیمت میں برابر ہوں تو بکری افضل ہے۔ اگر گائے کے ساتویں حصے میں گوشت زیادہ ہو تو وہ افضل ہوگا۔ مینڈھا اور دنبی اگر گوشت اور قیمت میں برابر ہوں تو مینڈھا افضل ہے ورنہ دنبی افضل ہے۔ بکری اور بکرے کی قیمت برابر ہو اور بکرا خصی ❷ نہ ہو تو بکری افضل ہے۔ اونٹ اور گائے اگر برابر ہو تو مادہ افضل ہے۔ اس لئے کہ اس کا گوشت اچھا ہوتا ہے۔ اس بنا پر نر اگر خصی ہو تو افضل ہے ورنہ مادہ افضل ہے۔ سفید سینگوں والا دوسروں سے افضل ہے۔

مالکیہ ❸ فرماتے ہیں کہ سب سے افضل بھیڑ ہے۔ غیر خصی پھر خصی اور پھر مادہ۔ اس کے بعد بکری پھر گائے اور پھر اونٹ۔ یہ ترتیب گوشت کے اچھا ہونے کے اعتبار سے ہے۔ ان کے نزدیک نر مطلقاً مادہ سے بہتر ہے۔ سفید سیاہ سے افضل ہے۔ سفید کے سیاہ سے افضل ہونے میں شافعیہ اور حنابلہ بھی ان کے ساتھ متفق ہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ کی عبارت یہ ہے: ❹ سب سے افضل قربانی اونٹ کی ہے اس لئے کہ اس میں گوشت زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد گائے ہے۔ اس لئے کہ عام طور پر اونٹ کا گوشت گائے سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد بھیڑ ہے، پھر بکری ہے۔ اس لئے کہ بھیڑ بکری سے اچھی ہوتی ہے۔ اور بکری کے بعد گائے اور اونٹ کا حصہ آتا ہے۔ سات بکریاں ایک اونٹ یا گائے سے بہتر ہیں۔ اس لئے کہ ان کا گوشت زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ ایک بکری اور اونٹ کا حصہ اگر برابر ہوں تو بکری افضل ہے۔ اس لئے کہ اس میں علیٰحدہ طور پر خون بہایا جاتا ہے اور گوشت بھی اچھا ہوتا ہے۔ اگر اونٹ کا ساتواں حصہ بکری سے زیادہ ہو تو افضل ہوگا۔
مینڈھا بھیڑ سے افضل ہے۔ اس لئے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی ہے اور اس کا گوشت بھی اچھا ہوتا ہے۔ ❺ بھیڑ کا دوسرے سال والا بچہ بکری کے اس بچے سے افضل ہے جس کے دانت گر گئے ہوں۔ اس لئے کہ اس کا گوشت اچھا ہوتا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بھیڑ کا دوسرے سال والا بچہ ❻ بہت اچھی قربانی ہے'' یعنی دانت گرنے سے پہلے۔
شافعیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ نر مادہ سے افضل ہے۔ اس لئے کہ اس کا گوشت زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ حنابلہ کے نزدیک خصی دنبے سے افضل ہے۔ اس لئے کہ اس کا گوشت زیادہ اور اچھا ہوتا ہے۔ اور دونوں مذہبوں میں غیر خصی خصی سے افضل ہے۔
موٹی قربانی دبلی سے افضل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ الحج: ۲۲/ ۳۲

❶ ..... الدر المختار وحاشيه. ۵/ ۲۲۶ وما بعدها، ۷/ ۲۳۳، البدائع: ۵/ ۸۰. ❷ اگر وہ خصی ہو اس کے فوطے کوٹے ہوئے ہوں تو نر بھیڑ بکری افضل ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سفید اور کالے خصی مینڈے قربانی کئے۔'' الموجوء: جس کے فوطے نکالے ہوئے ہوں (نیل الاوطار: ۵/ ۱۱۹) علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/ ۲۱۵) ❸ الشرح الكبير. ۲/ ۱۲۱، القوانين الفقهيه: ص ۱۸۸. ❹ مغني المحتاج. ۴/ ۲۸۵ وما بعدها، المهذب: ۱/ ۲۳۸، المغني: ۸/ ۶۲۱ وما بعدها، كشاف القناع: ۲/ ۶۱۵ وما بعدها. ❺ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہترین قربانی سینگوں والا مینڈھا ہے۔'' ❻ یہ حدیث غریب ہے۔ اس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/ ۲۱۶)
الجذع: بکری کا دوسرے سال والا بچہ، گائے کا تیسرے سال والا اور اونٹ کا پانچویں سال والا۔

''اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تعظیم سے مراد اس کا موٹا اور اچھا ہونا ہے۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

سفید قربانی خاکستر اور کالی سے افضل ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو املح مینڈھے ذبح کئے۔ اور املح سفید کو کہتے ہیں۔ اسی سے شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک رنگوں کی ترتیب سامنے آ گئی۔ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

سفید سب سے افضل ہے۔ پھر زرد، پھر عفراء جس کی سفیدی صاف نہ ہو)، پھر سرخ، بلقاء (جس میں سفیدی اور سیاہی ملی جلی ہو)؛ پھر سیاہ۔ ❶ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کی حدیث روایت کی ہے۔ ''عفراء (جس کی سفیدی صاف نہ ہو) قربانی اللہ تعالیٰ کو کالی قربانیوں سے زیادہ پسند ہے۔''

دوسرا مقصد...... قربانی کے جانور کی عمر

فقہاء کا اتفاق ہے کہ ثنی (جس کے سامنے کے دانت گر گئے ہوں) اور اس سے بڑے اونٹ، گائے اور بکری کی قربانی جائز ہے۔ بھیڑ کے جذع ❷ میں اختلاف ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ ❸ فرماتے ہیں: بھیڑ کا جذع جو موٹا تازہ ہو، چھ ماہ پورے ہو چکے ہو، ساتویں میں داخل ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ بعض مالکیہ ❹ کی بھی یہی رائے ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''بھیڑ کے جذع کی قربانی ہو جاتی ہے۔'' ❺ حنفیہ نے اس کے موٹاپے کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ اگر اس کو ایک سال والوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے تو دیکھنے والے کو دوسروں سے مختلف نہ لگے۔

بھیڑ اور بکری کے جذع میں فرق یہ ہے کہ بھیڑ کا جذع جفتی کرتا ہے اور اس سے حمل ٹھہرتا ہے جب کہ بکری کے جذع میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس کے جذع بن جانے کا پتہ اس کی پیٹھ پر اگنے والی اون سے چلتا ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ ❻ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ بھیڑ کا جذع جب پورے ایک سال کا ہو جائے اور دوسرے میں داخل ہو جائے تو قربانی درست ہوگی۔ اس لئے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حدیث نقل کی ہے۔ بھیڑ کے جذع کی قربانی کرو۔ اس لئے کہ اس کی قربانی جائز ہے۔'' ❼ قربانی کے باقی جانوروں کی عمریں درج ذیل ہیں۔ ❽

حنفیہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے لئے وہ بکری جائز ہوگی جو ایک سال کی ہو کر دوسرے میں داخل ہوگئی ہو۔ گائے اور بھینس جو دو سال کی ہو کر تیسرے میں داخل ہوگئی ہوں۔ اور اونٹ جو پانچ سال مکمل کر کے چھٹے میں داخل ہو گیا ہو۔

مالکیہ کے نزدیک بکری ایک عربی سال کی ہو کر دوسرے میں واضح طور پر داخل ہونی چاہئے۔ جیسے ایک مہینہ گزر گیا ہو۔ اس کے برعکس بھیڑ میں صرف دوسرے سال میں داخل ہونا کافی ہے۔ گائے اور بھینس تین سال کی ہو کر چوتھے میں داخل ہوگئی ہوں۔ اونٹ پانچ سال کا ہو کر چھٹے میں داخل ہو گیا ہو۔

---

❶ ...... رنگوں کی ترجیح کے بارے میں بعض کہتے ہیں کہ گوشت اچھا ہونے کی وجہ سے ہے۔ بعض کے نزدیک اچھا دکھائی دینے کے لئے اور بعض کے نزدیک پہچان کے لئے۔ ❷ الجذع قبل الثنی: جانور کا چھوٹا بچہ۔ بکری کا دوسرے سال والا، گائے اور کھر والے جانوروں کا تیسرے سال والا اور اونٹ کا پانچویں سال والا۔ الثنی: جس کے سامنے والے دانت گر گئے ہوں یہ گائے اور کھر والے جانوروں میں تیسرے سال والا اور اونٹ میں چھٹے سال والا ہوتا ہے۔

❸ البدائع: ۵/ ۷۰، کشاف القناع: ۲/ ۶۱۶، المغنی: ۸/ ۶۲۳۔ ❹ القوانین الفقھیہ: ص ۱۸۸۔ ❺ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ام بلال بنت ہلال سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/ ۱۱۴) ❻ الشرح الکبیر: ۲/ ۱۱۹، بدایۃ المجتہد: ۱/ ۴۱۹، مغنی المحتاج: ۴/ ۲۸۴، المہذب: ۱/ ۲۳۸۔ ❼ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑ کا جذع قربانی کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو جذع کی قربانی کرنے کی اجازت دی (نیل الاوطار: ۵/ ۱۱۴) ❽ ہر مذہب کے سابقہ حوالے جو اسی مقصد میں گزرے ہیں۔

شافعیہ فرماتے ہیں کہ اونٹ چھٹے سال میں داخل ہوگیا ہو۔ گائے اور بکری تیسرے سال میں اور بھیڑ دوسرے سال میں۔
حنابلہ فرماتے ہیں: بکری پورے ایک سال کی، گائے پورے دوسال کی اور اونٹ پورے پانچ سال کا اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تمام مذاہب کے فقہاء اونٹ کی عمر کی حد پانچ سال ہونے پر متفق ہیں۔ گائے کے بارے میں دورائیں ہیں۔ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دو سالہ ہونی چاہئے اور مالکیہ کے نزدیک تین سالہ۔ بکری میں بھی اختلاف ہے۔ شافعیہ کے نزدیک دوسالہ اور باقیوں کے نزدیک ایک سالہ۔

تیسرا مقصد......ذبح کئے جانے والے جانور کی مقدار کہ وہ کتنوں کی طرف سے جائز ہوگا؟

فقہاء کا اتفاق ہے ❶ کہ بھیڑ اور بکری کی قربانی صرف ایک کی طرف سے جائز ہوتی ہے۔ اور گائے اور اونٹ کی قربانی سات افراد کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے: ”ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں قربانی کی۔ اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے۔“ ❷
مسلم کے الفاظ یہ ہیں: ”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کا تلبیہ پڑھتے ہوئے نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اونٹ اور گائے میں سات سات کے شریک ہونے کا حکم دیا۔“ ❸
حنابلہ کے نزدیک ایک آدمی کا اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری، گائے یا اونٹ کی قربانی کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا اپنی اور اپنی آل کی طرف سے ذبح کیا۔ اور دو سفید رنگ والے، سینگوں والے مینڈھے ذبح کئے۔ ان میں سے ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کی طرف سے تھا۔ ❹ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک آدمی اپنے اور گھر والوں کی طرف سے بکری کی قربانی کرتا تھا وہ کھاتے تھے اور دوسروں کو کھلاتے تھے......“
اسی طرح مالکیہ نے بھی اپنے اور گھر والوں کی طرف سے مینڈھے، گائے اور اونٹ کی قربانی کو جائز رکھا ہے۔ اگرچہ شرکاء سات سے زیادہ ہوجائیں۔ بشرطیکہ شرکت ثواب میں ہو، ذبح کرنے سے پہلے ہو اور تین شرطیں پائی جائیں۔ وہ قربانی کرنے والے کا قریبی ہو، قربانی کرنے والا اس پر خرچ کرتا ہو اور اس کے ساتھ رہتا ہو۔ قربانی کے صحیح ہونے کی شرطوں میں یہ بات گذر چکی ہے۔
شافعیہ بھی فرماتے ہیں کہ گھر والوں کی طرف سے ایک قربانی کرنے سے سنت کفایہ ادا ہوجاتی ہے۔ اگرچہ باقیوں نے اجازت نہ دی ہو۔

چوتھا مقصد......ذبح کئے جانے والے جانور کے اوصاف

قربانی کے جانور میں پائی جانے والی صفات تین طرح کی ہیں۔ وہ صفات جن کا پایا جانا مستحب ہے، وہ صفات جن کے پائے جانے سے قربانی نہیں ہوتی اور وہ صفات جن کا پایا جانا مکروہ ہے۔

---

❶......البدائع: ۵/۷۰، تبیین الحقائق: ۶/۳، تکملۃ الفتح: ۸/۷۶، الدرالمختار: ۵/۲۲۲، القوانین الفقھیہ: ص ۱۸۶: بدایۃ المجتھد: ۱/۴۲۰، الشرح الکبیر: ۲/۱۱۹، مغنی المحتاج: ۴/۲۸۵، المھذب: ۱/۲۳۸، المغنی: ۸/۶۱۹ وما بعدھا، کشاف القناع: ۲/۶۱۷۔ ❷ بہت سے محدثین نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/۲۰۹) ❶ شافعیہ کے اس حدیث سے حنفیہ کے برعکس یہ استنباط کیا ہے کہ عبادت کی نیت کرنے والے اور نہ کرنے والے ایک ہی قربانی میں شریک ہوسکتے ہیں۔ اس لئے کہ بظاہر وہ ایک ہی گھر کے نہ تھے۔ اسی طرح عبادت کی قسم خواہ ایک ہو یا مختلف۔ جیسے ان میں سے بعض نے قربانی کی نیت کی تھی، بعض نے ھدی کی اور بعض نے گوشت کی۔ وہ گوشت تقسیم بھی کرسکتے ہیں۔ اس لئے کہ صحیح یہی ہے کہ اس کی تقسیم افراز اور جدا کرنے کے لئے ہے۔ ❷ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

مستحب صفات......قربانی کے جانور میں پائی جانے والی مستحب صفات بالاتفاق یہ ہیں ❶ کہ قربانی موٹے تازے، سینگوں والے، سفید رنگ والے مینڈھے کی ہو۔ جمہور کے نزدیک غیر خصی اور حنفیہ کے نزدیک خصی افضل ہے۔ مینڈھے کے بارے میں گزر چکا ہے کہ یہ بھیڑ کی قسموں میں سے سب سے افضل ہے۔ یہ استحباب شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس وقت ہوگا جب مینڈھا اونٹ اور گائے کے ساتویں حصے سے افضل ہو۔

ان صفات کے مستحب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کی صفات میں جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ابورافع رضی اللہ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایات میں آیا ہے۔ یہ روایات خصی کی قربانی کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ حنفیہ کے نزدیک افضلیت کی دلیل ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث غیر خصی کی قربانی پر دلالت کرتی ہے۔ ❷ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگوں والا غیر خصی مینڈھا ذبح کیا۔ اس کا منہ، ٹانگیں اور آنکھوں کا گرداگرد سیاہ تھا۔" ❸ یہ جمہور کے نزدیک افضلیت کی دلیل ہے۔

وہ صفات جن کے پائے جانے سے قربانی نہیں ہوتی......شرطوں کی بحث میں گزر چکا ہے کہ ایسی چار صفات پر علماء کا اتفاق ہے۔ یعنی واضح طور پر کانا ہونا، واضح طور پر بیمار ہونا، لنگڑا پن اور لاغر وکمزور ہونا۔ ان کی دلیل حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔ کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو۔ مرض جس کا مرض ظاہر ہو، لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور لاغر وکمزور جس کا گودہ ختم ہوگیا ہو۔ ❹

فقہاء نے ان چار عیوب پر قیاس کر کے کچھ ایسے عیوب کا اضافہ کیا ہے جو انہی جیسے یا ان سے بھی بڑھ کر ہیں۔ جیسے اندھا ہو، ٹانگ کٹی ہوئی ہو۔ اس لئے اس سے گوشت میں کمی ہوتی ہے، یہ حدیث ایسا خاص ہے جس سے عام مراد لیا گیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک مانع عیوب......حنفیہ ❺ کے نزدیک عیوب درج ذیل ہوئے: ان کی وجہ سے قربانی درست نہیں ہوگی۔ اندھا، کانا جس کی ایک آنکھ ضائع گئی ہو، لنگڑا یعنی جس کی ایک ٹانگ ناکارہ ہو اور وہ ذبح خانے تک چل کر نہ جا سکے، لاغر ونحیف جس کی ہڈیوں کا گودہ ختم ہوگیا ہو، جس کے دانت نہ ہوں اگر اکثر باقی ہوں تو کافی ہیں، جسکا کان پیدائشی طور پر نہ ہو اگر پیدائشی طور پر کان چھوٹا ہو تو درست ہے، جس کے تھن کا سر کٹ گیا ہو یا خشک ہوگیا ہو، جس کی ناک کٹی ہوئی ہو، جس کے تھن کی نوک کٹ گئی ہو اور علاج سے دودھ ختم ہوگیا ہو، جس کی چکتی نہ ہو، خنثیٰ اس لئے کہ اس کا گوشت پکتا نہیں، جلالہ یعنی جو صرف نجاستیں کھاتا ہو، جس کا کان، دم اور چکتی تہائی سے زیادہ کٹی ہوتی ہو، یا اس کی آنکھ کی اکثر روشنی جا چکی ہو (اس لئے کہ کسی عضو یا صفت کے باقی رہنے یا نہ رہنے میں اکثر کو کل کا حکم ملتا ہے۔ اس لئے اکثر کا باقی رہنا کافی ہے اور اس لئے بھی کہ چھوٹے عیب سے بچنا ممکن نہیں ہوتا اس لئے وہ معاف ہے) یہ عیوب اگر جانور خریدتے وقت جانور میں

---

❶ ...البدائع: ۸۰/۵، القوانین الفقهیه: ص ۱۸۸، معنی المحتاج: ۲۸۵/۴ و ما بعدها، المغنی: ۶۲۱، کشاف القناع: ۶۱۷/۲۔ ❷ دیکھئے نصب الرایة: ۲۱۵/۴ وما بعدها، نیل الاوطار: ۱۱۸/۵ و ما بعدها۔ ❸ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ یہ مسلم کی شرط پر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مینڈھے کا منہ سیاہ تھا، ٹانگیں سیاہ تھیں اور آنکھوں کا گرداگرد بھی سیاہ تھا۔ (نیل الاوطار: گزشتہ جگہ) ❹ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب السنن رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس جانور کا کانا پن، لنگڑا پن اور مرض ظاہر ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ ہاں اگر تھوڑا ہو ظاہر ہو نہ ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح وہ کمزور جانور جس کا گودہ ختم ہو۔ ترمذی اور نسائی کی روایت میں الکسیر کی جگہ العجفاء ہے (نیل الاوطار: ۱۱۵/۵-۱۱۷) العجفاء: جو اتنا کمزور ہو کہ ہڈیوں کا گودہ بھی ختم ہوگیا ہو۔ ❺ البدائع: ۷۵/۵، الدر المختار: ۱۲۷/۵، تکملة الفتح: ۷۴/۸ و مابعدها، تبیین الحقائق: ۵/۶، اللباب: ۲۳۴/۳ وما بعدها۔

موجود تھے تو اس کی قربانی صحیح نہیں۔ اور اگر خریدتے وقت یہ عیب موجود نہیں تھے بعد میں کوئی مانع عیب پیدا ہو گیا اب اگر وہ مالدار ہو تو قربانی بدلدے اور اگر فقیر ہے تو یہی قربانی چل جائے گی۔ اسی طرح فقیر آدمی نے اگر خریدتے وقت ہی عیب دار خریدی تھی تو بھی جائز ہوگی اس لئے کہ قربانی اس پر واجب ہی نہیں تھی بخلاف غنی کے۔

حنفیہ کے نزدیک قربانی سے مانع نہ بننے والے عیوب...... درج ذیل جانوروں کی قربانی جائز ہے۔

جس جانور کے سینگ نہ ہوں یا ٹوٹ گئے ہوں اس لئے کہ سینگوں سے مقصود کا کوئی تعلق نہیں، خصی اس لئے کہ اس کا گوشت اچھا ہوتا ہے، خارش زدہ موٹا جانور اس لئے کہ خارش کھال میں ہوتی ہے گوشت کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا بخلاف لاغری کے کہ یہ گوشت میں ہوتی ہے، پاگل ❶ جانور اگر چر سکتا ہو تو قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔

مالکیہ کے نزدیک قربانی سے مانع عیوب...... مالکیہ ❷ کے نزدیک درج ذیل عیوب قربانی سے مانع ہیں: حدیث میں مذکور چار عیوب: کانا ہونا، لنگڑا ہونا، بیمار ہونا اور کمزور ہونا۔ اس کے علاوہ اندھا، دائمی مجنون، جس کا کوئی اصلی یا زائد عضو کٹ گیا ہو جیسے ہاتھ یا پاؤں سوائے فوطوں کے اس لئے کہ خصی کی قربانی درست ہے، خارش زدہ، بوڑھا اور بدہضمی والا جب کہ خارش، بڑھاپا اور بدہضمی زیادہ ہو جائے، گونگا (جس کی آواز بند ہوگئی ہو سوائے کسی عارض کے۔ جیسے اونٹنی حمل کے چند ماہ بعد) بہرہ، وہ جانور جس کے منہ سے بدبو آ رہی ہو، جس کے کان بہت زیادہ چھوٹے ہوں اور یوں لگتا ہو کہ بغیر کان کے پیدا ہوا ہے، جس کی دم نہ ہو، جس کا تھن خشک ہو گیا ہو، سینگ اس طرح ٹوٹ گیا ہو کہ ٹھیک نہ ہو، ایک سے زائد دانت کسی چوٹ یا مرض کی وجہ سے گر گئے ہوں نہ کہ بڑھاپے یا بچپن کے تغییر و تبدل سے، جس کی تہائی یا اس سے زائد دم کٹی ہوئی ہو یا ایک تہائی سے زائد کان کٹا ہوا ہو۔ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آنکھوں اور کانوں کا خیال رکھیں اور ہم ایسی قربانی نہ کریں جس کا کان سامنے سے کٹ کر لٹک رہا ہو، جس کا کان ایک طرف سے کٹا ہوا ہو، جس کا کان لمبائی میں پھٹ گیا ہو اور جس کے کان میں گول پھٹن ہو۔''

مالکیہ کے نزدیک قربانی سے مانع نہ بننے والے عیوب...... درج ذیل جانوروں کی قربانی صحیح ہے۔ جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں، جو چربی کی کثرت سے کھڑا نہ ہو سکتا ہو، جس کا سینگ جڑ سے یا سائیڈ سے ٹوٹ کر ٹھیک ہو گیا ہو۔

شافعیہ کے نزدیک قربانی سے مانع عیوب...... شافعیہ ❸ کے نزدیک درج ذیل جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے:

حدیث میں بیان کئے گئے عیوب کانا ہونا، لنگڑا ہونا، بیمار ہونا اور کمزور ہونا، خارش زدہ جانور اگرچہ خارش تھوڑی ہو، حدیث والے چار عیوب اگر تھوڑے ہوں تو مضر نہیں اس لئے کہ گوشت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اسی طرح اندھا، دیوانہ (جو چراگاہ میں چکر لگاتا رہے اور تھوڑا بہت چرے نتیجتاً کمزور ہو جائے)، جس کا کچھ کان یا زبان کٹی ہوئی ہو اگرچہ معمولی ہو اس لئے کہ ایک کھایا جانے والا عضو ضائع ہو گیا ہے اس سے گوشت میں کمی ہو گئی ہے۔ کان کا شل ہونا نہ ہونے کی طرح ہے۔ اور جس کی چکتی کٹ گئی ہو۔

شافعیہ کے نزدیک قربانی سے مانع نہ بننے والے عیوب...... شافعیہ کے نزدیک درج ذیل جانوروں کی قربانی جائز ہے۔ خصی اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصی مینڈھوں کی قربانی کی۔ ❹ لیکن غیر خصی اس سے افضل ہے۔ سینگ کا پیدائشی طور پر نہ ہونا مضر نہیں

---

❶ الثـــــول: بکری کے اعضاء میں آنے والا ڈھیلا پن یا جنون جس کی وجہ سے وہ دوسری بکریوں کے ساتھ نہیں جاتی اور چراگاہ میں چکر کاٹتی رہتی ہے۔

❷ الشرح الکبیر: ۲/۱۱۹ وما بعدها، الشرح الصغیر: ۲/۱۴۳ وما بعدها، القوانین الفقہیہ: ص ۱۸۸ وما بعدها، بدایۃ المجتہد: ۱/۴۱۷-۴۱۹۔ ❸ مغنی المحتاج: ۴/۲۸۶ وما بعد، المہذب: ۱/۲۳۸۔ ❹ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/۱۱۹)

اسی طرح اس کا ٹوٹ جانا بھی مضر نہیں جب تک کہ گوشت کو عیب دار نہ کرے۔ اگرچہ ٹوٹنے سے خون بہہ رہا ہو۔ اس لئے کہ سینگ سے کوئی بڑی غرض وابستہ نہیں۔ ہاں اگر سینگ ٹوٹ جانے کی وجہ سے گوشت میں عیب آ گیا ہو تو الگ بات ہے جیسے خارش وغیرہ۔ لیکن سینگ والا بہتر ہے اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے ''بہترین قربانی سینگوں والا مینڈھا ہے'' ❶ اس لئے کہ یہ خوبصورت نظر آتا ہے بلکہ دوسرا مکروہ ہے۔ بعض دانتوں کا یا اکثر کا گر جانا نقصان دہ نہیں۔ اگر کسی جانور کے ایک دو دانت ٹوٹ گئے ہوں تو اس کی قربانی جائز ہے اس لئے کہ اس سے چارہ کھانے اور گوشت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہاں اگر سب دانت گر جائیں تو الگ بات ہے۔ اس لئے کہ اس کا اثر پڑتا ہے۔

اسی طرح صحیح یہی ہے کہ کان کا کٹ جانا یا پھٹ جانا یا اس میں سوراخ ہو جانا بھی مضر نہیں ہے بشرطیکہ اس سے کان سے کچھ نہ گرے۔ اس لئے کہ اس سے گوشت میں کچھ کمی نہیں آتی۔

خلاصہ یہ کہ جن عیوب سے گوشت میں کمی ہوتی ہے وہ جائز نہیں اور جن سے کمی نہیں ہوتی وہ جائز ہیں۔

حنابلہ کے نزدیک قربانی سے مانع عیوب...... حنابلہ ❷ کے نزدیک درج ذیل عیوب والے جانوروں کی قربانی درست نہیں: کمزور کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو، اندھا، لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، بیمار جس کو گوشت خراب کر دینے والی بیماری لگی ہوئی ہو جیسے خارش وغیرہ اور ٹھیک ہونے کی امید نہ ہو، وہ جانور جس کا نصف سے زیادہ کان یا سینگ ضائع ہو گیا ہو۔ ❸ اسی طرح جس کی نصف سے زائد چکتی نہ ہو، جس کے تھن خشک ہو گئے ہوں، جس کے سامنے کے دانت جڑوں سے گر گئے ہوں اور جس کے سینگوں کا غلاف ٹوٹ گیا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک قربانی سے مانع نہ بننے والے عیوب...... خصی (جس کے خصیے کاٹ دیئے جو یا نکال دیئے ہو یا کوٹے ہوئے ہوں) اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی کی قربانی کی ہے لیکن جس کا ذکر اور خصیے کٹے ہوئے ہوں وہ جائز نہیں، جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں، جس کے کان چھوٹے چھوٹے ہوں، جس کی دم پیدائشی طور پر نہ ہو یا کٹ گئی ہو اس لئے کہ یہ مقصود میں مخل نہیں۔ اور جس کی آنکھ میں سفیدی ہو لیکن نظر ٹھیک ہو تو اسکی قربانی جائز ہے اس لئے کہ مقصود پورا ہو رہا ہے، حاملہ اونٹ گائے اور بھیڑ کی قربانی غیر حاملہ کی طرح درست ہے۔

خلاصہ...... خلاصہ یہ کہ کچھ عیوب بالاتفاق قربانی سے مانع بنتے ہیں۔ خلقی عیوب مانع نہیں بنتے۔ بعض عیوب کے بارے میں اختلاف ہے۔ جیسے اگر کان کا بعض حصہ کٹ گیا ہو تو مالکیہ اور حنفیہ تہائی سے زیادہ کٹے ہوئے کی اجازت نہیں دیتے۔ حنابلہ نصف سے زائد کی اور شافعیہ تھوڑے کٹے ہوئے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ اسی طرح جس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو حنفیہ کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ دماغ تک نہ پہنچ جائے۔ مالکیہ کے نزدیک جائز ہے اگرچہ پورا ٹوٹ گیا ہو بشرطیکہ ٹھیک ہو گیا ہو۔ شافعیہ کے نزدیک اگر گوشت میں کمی نہ ہو تو جائز ہے۔ حنابلہ کے نزدیک اگر نصف سے کم ٹوٹا ہے تو جائز ہے۔

افضل وہ ہے جس کی خلقت پوری ہو۔ کوئی کمی نہ ہو۔

اگر کسی نے صحیح وسالم قربانی لی پھر اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جو قربانی سے مانع تھا تو اسی کو ذبح کرے۔ حنفیہ کے علاوہ سب کے نزدیک یہی درست ہو جائے گی۔ ❹ اس لئے کہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے فرمایا ''ہم نے

---

❶...... اس کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ ❷ المغنی: ۸/۶۲۳ وما بعدھا، کشاف القناع: ۳/۳۔ ❸ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھٹے کان اور ٹوٹے سینگ والی قربانی سے منع فرمایا۔'' قتادہ فرماتے ہیں میں نے سعید ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا ہاں۔ العضب: نصف یا اس سے زیادہ کٹا ہوا ہوتا ہے۔'' اس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/۱۱۵) ❹ المغنی: ۸/۶۲۶ وما بعدھا۔

قربانی کے لئے ایک دنبہ خریدا۔ بھیڑیے نے اس کی چکتی کھالی۔ تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قربانی کرنے کا حکم فرمایا۔'' لہٰذا پرانا عیب قربانی سے مانع بنتا ہے نہ کہ تازہ۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر ذبح کرنے والا مالدار ہو تو قربانی تبدیل کر لے۔

مکروہ صفات.....قربانی کئے جانے والے جانور کی مکروہ صفات فقہاء کے نزدیک درج ذیل ہیں:

حنفیہ.....حنفیہ ❶ فرماتے ہیں کہ درج ذیل جانوروں کی قربانی مکروہ ہے: جس کا کان لمبائی میں چیرا ہوا ہو، جس کا کان داغنے کی وجہ سے پھٹ گیا ہو، جس کا کان پیچھے سے کچھ کٹ گیا ہو اور جس کا کان آگے سے کچھ کٹ گیا ہو۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کی وجہ سے ہے۔ اس میں ہے:'' اور یہ کہ ہم ایسی قربانی نہ کریں جو کانی ہو، جس کے کان کا اگلا حصہ کٹ کر لٹک رہا ہو، جس کا کان ایک طرف سے کٹا ہوا ہو۔ جس کے کان میں پھٹن ہو اور جس کا کان لمبائی میں پھٹ گیا ہو'' یہ نہی استحباب پر محمول ہے۔

وہ قربانی مکروہ ہے جس کو ذبح کرنے سے پہلے اس کی اون اتار دی جائے تا کہ اس سے نفع حاصل کیا جائے۔ اور جو بھینگی ہو۔

مالکیہ.....مالکیہ ❷ فرماتے ہیں کہ یہ جانور مکروہ ہیں: جس کا کان لمبائی میں پھٹ گیا ہو ایسے دوسرے جانور جن کا اس کے ساتھ گزشتہ حدیث میں ذکر آیا ہے، اور کان کے دوسرے تمام عیوب جیسے بغیر کان کے پیدا ہونے والا یا جس کا کان تھوڑا سا کٹا ہوا ہو۔ اسی طرح سینگ کے عیوب بھی مکروہ ہیں جیسے وہ جانور جس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو۔ اسی طرح وہ جانور جس کے بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے بعض دانت گر گئے ہوں۔ فی الجملہ یہ کہ اعلیٰ چوپایوں میں سے اچھے والے کی قربانی مستحب ہے جو ایسے عیوب سے بھی سالم ہوں جن کے ساتھ قربانی ہو سکتی ہے جیسے چھوٹی سی بیماری یا سینگ ٹوٹ کر ٹھیک ہو جانا۔

شافعیہ.....شافعیہ ❸ فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں جو کان کے عیوب مذکور ہیں یہ مکروہ تنزیہی ہیں۔ جس کے سینگ پیدا ہی نہ ہوئے ہوں یا ٹوٹ گئے ہیں یا ان کا غلاف ٹوٹ گیا ہو وہ بھی مکروہ ہے اس لئے کہ ان سے عیب پیدا ہو جاتا ہے جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قربانیوں کے بارے میں فرماتے ہیں ان کی تعظیم ان کی اچھائی ہے۔

حنابلہ.....اسی طرح حنابلہ فرماتے ہیں ❹ جس کا کان کٹا ہوا ہو یا اس میں سوراخ ہو یا اس کا کچھ حصہ کٹا ہوا ہو تو یہ مکروہ ہے۔ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ان سے منع کیا گیا ہے۔ یہ نہی تنزیہی ہے۔ ان کی قربانی ہو جاتی ہے۔ اس میں ظاہر یہ کے علاوہ کسی کا اختلاف نہیں۔ اور اس لئے بھی کہ ہر عیب سے بچنے کی شرط لگانا مشقت میں ڈالنے والی بات ہے اس لئے کہ ان تمام عیوب سے خالی مشکل ہی سے ملے گا۔

پانچویں بحث:.....قربانی کے مندوبات، مکروہات اور قربانی کرنے والے کیلئے مسنون اعمال

اس بحث کے زیادہ تر مسائل میں فقہاء کا اتفاق ہے۔

ا۔ **حنفیہ کے نزدیک قربانی سے پہلے**.....حنفیہ ❺ فرماتے ہیں قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ قربانی کے ایام سے چند دن پہلے قربانی کو باندھ لے۔ اس لئے کہ اس میں عبادت کی تیاری اور اس میں رغبت کا اظہار ہے۔ اس کو اس پر اجر و ثواب ملے گا۔ اور اس ھدی کی طرح اس کے گلے میں پٹہ ڈالے ❻ اور جھول پہنائے۔ تا کہ اس کی تعظیم کا پتہ چل جائے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

❶.....تبیین الحقائق: ۶/۵، ۹، البدائع: ۵/۷۶، ۷۸، الدر المختار: ۵/۲۳۱۔ ❷ الشرح الکبیر: ۲/۱۲۱، القوانین الفقهیه: ص ۱۸۹۔ ❸ مغنی المحتاج: ۴/۲۸۷، المهذب: ۱/۲۳۸، ۲۳۹۔ ❹ المغنی: ۸/۶۲۶۔ ❺ البدائع: ۵/۷۸، ۸۰، الدر المختار: ۵/۲۳۱۔ ❻ یقلدها: اس کے گلے میں کچھ لٹکا دینا تا کہ پتہ چل سکے کہ یہ ھدی ہے۔

وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ الحج: ۲۲/ ۳۲

''اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔'' (آسان ترجمہ از حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت و برکاتہم)

اور اس کو ذبح کرنے کی جگہ تک اچھے طریقے سے لے کر جائے۔ سختی نہ کرے۔ نہ ٹانگ پکڑ کر کھینچے۔

خریدی گئی قربانی کو دوہنا، اس کی اون اتارنا، اس پر سوار ہونا، مال لادنا یا وقت سے پہلے ذبح کر کے اس کے گوشت سے انتفاع یہ سب مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ جانور عبادت کے لئے خاص ہو گیا ہے۔ اب اس سے انتفاع اس میں کمی کا باعث ہوگا۔ اگر اس کے تھنوں میں دودھ ہو اور نہ دوہنے کی وجہ سے ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہو تو اس کے تھنوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے۔ تاکہ دودھ سمٹ جائے۔ اگر دودھ دوہ لیا تو دودھ کو صدقہ کر دے۔ اس لئے کہ یہ عبادت کے لئے متعین جانور کا جز ہے۔ اگر اس کو ذبح کر دیا تو اس کا گوشت یا گوشت کی قیمت اور اون، بال اور وبر صدقہ کر لے۔

قربانی کے جانور کو بیچنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ خریدنے سے عبادت کے لئے متعین ہو گیا ہے۔ اگر اس کو بیچ دیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ البتہ اس پر اسی جیسا یا اس سے بہتر ❶ جانور قربانی کرنا لازم ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے ایسے مال کو بیچا ہے جو اس کی ملکیت میں ہے اور اس کو حوالے کرنے پر بھی قادر ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع جائز نہیں اس لئے کہ یہ وقف کی طرح ہے۔ اور وقف شدہ چیز کی بیع جائز نہیں ہوتی۔

اگر قربانی کے جانور نے بچہ جن لیا تو وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ ذبح ہوگا۔ اگر اسے بیچ دیا تو قیمت صدقہ کرنا ہوگی۔ اس لئے کہ ماں قربانی کے لئے متعین ہو گئی ہے تو بچہ بھی اسی کے تابع ہوگا۔

قربانی کرتے وقت..... قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ اگر ذبح کر سکتا ہے تو بذات خود ذبح کر لے۔ اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور اس کو دوسری عبادات کی طرح خود سرانجام دینا افضل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو اونٹ حرم میں قربانی کے لئے لے گئے۔ ان میں سے ساٹھ سے کچھ زائد اپنے دست مبارک سے ذبح کئے اور پھر چھری سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ باقی انہوں نے ذبح کئے۔ ❷

اگر قربانی کرنے والا اچھی طرح ذبح نہیں کر سکتا تو کسی مسلمان کو اپنا نائب بنا دے۔ کتابی کو نہ بنائے۔ اس لئے کہ کتابی کا ذبح کرنا مکروہ ہے۔ اور اس لئے بھی کہ قربانی عبادت ہے اور وہ عبادت کا اہل نہیں۔ لیکن اگر اس نے مسلمان کی نیابت میں ذبح کر لیا تو جائز ہے۔ اس لئے کہ وہ ذبح کرنے کا اہل ہے۔ مجوسی کا ذبح کیا ہوا حرام ہے اس لئے کہ وہ ذبح کرنے کا اہل نہیں ہے۔

ذبح کرنے والے کا قبلہ رخ ہونا مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث (جس کو بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اور قربانی کو بائیں کروٹ پر لٹائے۔

قربانی کرنے والے کا ذبح کے وقت موجود ہونا مستحب ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اپنی قربانی کے پاس کھڑی ہو جاؤ اور اس کو دیکھو۔ اس لئے کہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی آپ کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ ❸

ذبح کرنے والا یہ دعا پڑھے:

---

❶..... اگر اس نے کم قیمت والا جانور خریدا تو اس پر لازم ہے کہ دونوں قیمتوں میں جو فرق ہے وہ صدقہ کر دے۔ ❷ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے بیان میں نقل کیا ہے (نیل الاوطار: ۵/ ۱۰۵) ❸ حاکم رحمۃ اللہ علیہ، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمران بن حصین سے، حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اور ابوالقاسم اصبہانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ پہلی دو کی سند میں کلام ہے (نصب الرایۃ: ۴/ ۲۱۹)

اللھم منك، ولك صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین،
لاشریك لہ' وبذلك امرت وانا اول المسلمین

یہ دعا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا والی مذکورہ حدیث سے ثابت ہے۔اس کے بعد یہ کہے:

بسم اللہ واللہ اکبر اللھم تقبل منی

یہ دعا حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے۔فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید الاضحیٰ کی نماز پڑھی۔ جب آپ واپس لوٹے تو ایک مینڈھا لایا گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ذبح کیا اور پڑھا:

بسم اللہ واللہ اکبر اللھم ھذا عنی وعمن لم یضح من امتی ❶

قربانی میں مستحب یہ ہے کہ خوب موٹی،خوبصورت اور بڑی ہو اس لئے کہ یہ آخرت کی سواری ہے اور سب سے افضل سفید،سینگوں والا اور خصی مینڈھا ہے۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی وجہ سے اسی طرح چھری کا تیز ہونا بھی مستحب ہے۔

ذبح کرنے کے بعد مستحب یہ ہے کہ جانور کے ٹھنڈا ہونے اور تمام اعضاء کے ساکن ہونے کا انتظار کیا جائے۔ٹھنڈا ہونے سے پہلے کھال نہ اتاری جائے۔

۲۔مالکیہ،شافعیہ اور بعض حنابلہ......مالکیہ شافعیہ اور بعض حنابلہ ❷ کے نزدیک قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ عشرۂ ذی الحجہ کے داخل ہونے کے بعد قربانی کرنے تک بال منڈائے نہ ناخن تراشے۔بلکہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔بعض حنابلہ کے نزدیک حرام ہے۔اس لئے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جب تم ذی الحجہ کا چاند دیکھو اور قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو اپنے بال اور ناخن نہ کاٹو۔" ❸ اس میں شک نہیں کہ صحیح حدیث کی وجہ سے یہی رائے راجح ہے۔اور ان کاموں کے حرام نہ ہونے پر دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے:"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ھدی کے قلادے(پٹے) کی رسی بٹتی تھی۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گلے میں پٹہ ڈال کر بھیج دیتے تھے۔اور اللہ کی حلال چیزوں میں سے کسی کو خود پر حرام نہیں کرتے تھے۔یہاں تک کہ ھدی ذبح کر لیتے تھے۔" ❹

حنفیہ کے نزدیک مذکورہ کام مکروہ نہیں ہیں۔اس لئے کہ قربانی کرنے والے پر وطی اور لباس حرام نہیں۔لہٰذا اس کے لئے بال منڈانا اور ناخن تراشنا بھی مکروہ نہیں ہوگا۔جیسے وہ آدمی جو قربانی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ❺

حنفیہ کی طرح جمہور کی نزدیک بھی قربانی کو دائیں کروٹ پر قبلہ رخ لٹایا جائے گا۔اگر قربانی گائے اور بکری ہو۔اور ذبح کرنیوالا یہ پڑھے گا:"بسم اللہ واللہ اکبر اللھم ھذا منك والیك۔"اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن دو مینڈھے ذبح کئے۔اور انہیں قبلہ رخ کرتے ہوئے یہ پڑھا:

---

❶......الشرح الکبیر: ۲/۱۲۱، الشرح الصغیر: ۲/۱۴۴، القوانین الفقھیہ: ص ۱۹۰، بدایۃ المجتھد: ۱/۴۲۴، مغنی المحتاج: ۲۸۳/۳ وما بعدھا ۲۹۰، المھذب: ۲۳۸/۱ وما بعدھا، المغنی: ۶۱۸/۸، ۶۴۰ وما بعدھا، کشاف القناع: ۵/۳، حاشیہ الباجوری علی بن قاسم: ۲/۳۰۹۔ ❷ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے۔ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ،مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں۔"جس نے قربانی ذبح کرنی ہو تو ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔"(نیل الاوطار:۵/۱۱۲) ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ جہنم سے آزاد ہونے کے لئے اپنے تمام اعضاء کو باقی رکھے۔بعض کہتے ہیں کہ اس کی حکمت حج کرنے والے محرم سے مشابہت اختیار کرنا ہے۔لیکن اس حکمت کو بعض شافعیہ نے غلط قرار دیا ہے۔اس لئے کہ قربانی کرنے والا عورتوں کے پاس جانے، خوشبو لگانے لباس پہننے کو اور اس کے علاوہ سے اور بہت سے کاموں کو نہیں چھوڑتا جن کو محرم چھوڑ دیتا ہے۔ ❸ بخاری ومسلم۔ ❹ النسک: عبادت۔
❺ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ،ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔(نیل الاوطار:۵/۱۰۹)

وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض حنیفاً وما انا من المشرکین،
ان صلوٰتی ونسکی❶ ومحیای ومماتی لله رب العالمین لا شریك له'
وبذلك امرت وانا اول المسلمین، بسم الله۔ والله اکبر، اللهم هذا منك ولك❷

اگر اس کے بعد یہ بھی کہہ لے تو اچھا ہے:

اللهم تقبل منی کما تقبلت من ابراهیم خلیلك

اگر صرف بسم اللہ پڑھی تو افضل کو ترک کر دیا۔

شافعیہ نے ذبح کے وقت پانچ کاموں کو مستحب شمار کیا ہے۔تسمیہ چاہے پوری ہو یا صرف بسم اللہ پڑھے، درود شریف، جانور کو قبلہ رخ کرنا، بسم اللہ سے پہلے یا بعد میں تکبیر کہنا اور قبولیت کی دعا۔ ذبح کرنے والا یوں کہے:

اللهم هذه منك والیك

یعنی اے اللہ یہ نعمت آپ نے دی ہے اور میں اس کے ذریعے سے آپ کا قرب حاصل کر رہا ہوں۔

قربانی کون کرے؟......افضل یہ ہے کہ اگر اچھی طرح ذبح کر سکتا ہے تو بذات خود ذبح کرے۔ اس لیے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔عورت کے لیے سنت یہ ہے کہ کسی کو وکیل بنادے۔قربانی کرنے والا قربانی کے وقت بذات خود موجود رہے تاکہ سنت پر عمل اور مغفرت کی طلب ہو جائے۔ مستحب یہ ہے کہ اس کو مسلمان ذبح کرے اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور عبادت کا اہل غیر مسلم نہیں۔ وہ اس کو سرانجام نہیں دے سکتا۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی کو صرف مسلمان ذبح کرے۔کسی مسلمان کو ذبح کرنے کا وکیل بنایا جا سکتا ہے۔اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سو (۱۰۰) میں سے باقی بچ جانے والے اونٹوں کو ذبح کرنے کا وکیل بنایا تھا۔ ذمی، کتابی، بچہ اور اندھے کو وکیل بنانا مکروہ ہے۔اگر ذمی کو وکیل بنایا اور اس نے ذبح کر دیا تو یہ جائز ہے۔ اس لیے کہ کافر کسی ایسے کام کی ذمہ داری لے سکتا ہے جو مسلمانوں کے نزدیک عبادت ہو جیسے مسجد اور پل بنانا۔

وکیل پر یہ لازم نہیں کہ وہ ذبح کرتے وقت زبان سے کہے کہ میں کس کی طرف سے ذبح کر رہا ہوں۔

اس لئے کہ نیت کافی ہے۔ اگرچہ وہ اس کا ذکر دے جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کر رہے تھے اس وقت فرمایا: ''اے اللہ! اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قبول فرمادیجئے!'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی ذبح کی۔❸ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ وکیل یوں کہے:

بسم الله والله اکبر، هذا منك ولك، تقبل من فلان

میں اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں، اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ یہ آپ ہی کی طرف سے ملی ہے اور آپ ہی کے لئے ذبح کر رہا ہوں، اس کو فلاں کی طرف سے قبول فرمادیجئے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ ذبح کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا نام ذکر کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے۔

وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ......المائدہ: ۵/ ۳

''جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو''۔

اگر کسی نے قربانی کے لئے جانور متعین کیا کسی فضولی نے اس کی اجازت کے بغیر ذبح کر دیا تو مالکیہ کی علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ

❶......اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔غیر نبی یہ کہے: "وانا من المسلمین" (اور میں مسلمانوں میں سے ہوں) معنی کی مناسبت کی وجہ سے۔❷ اس کو شیخین نے روایت کیا ہے۔❸ اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

قربانی ہوجائے گی اور اس پر ضمان نہیں آئے گا۔اس لئے کہ یہ ایسا فعل ہے جس کو نیت کی ضرورت نہیں۔لہٰذا اگر مالک کے علاوہ بھی کسی نے کرلی تو ادا ہوجائے گی۔جیسے اس کا ناپاک کپڑا کوئی دھولے تو پاک ہوجاتا ہے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب یہ گوشت والی بکری ہے۔مالک کو اس کا تاوان یعنی قیمت ملے گی۔اور اس پر بدلے میں قربانی کرنا لازم ہوگا۔اس لئے کہ ذبح کرنا عبادت ہے لہٰذا اگر مالک کے علاوہ کسی کے بلا اجازت ذبح کرنے سے ادائیگی نہیں ہوگی۔جیسا کہ زکوٰۃ میں ہوتا ہے۔❶

مالکیہ کے نزدیک ذبح کرنے سے پہلے قربانی کی اون اتارنا مکروہ ہے۔❷ البتہ اگر گرمی یا کسی اور وجہ سے اون نقصان دے رہی ہو تو گنجائش ہے۔اسی طرح اس کا دودھ پینا مکروہ ہے۔اس لئے کہ اس نے اس جانور کو اللہ کے لئے دینے کی نیت کرلی ہے۔اور انسان اپنی عبادت واپس نہیں لیتا۔امام کے لئے قربانی کو عیدگاہ میں ظاہر نہ کرنا مکروہ ہے۔اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں ذبح کرتے تھے۔❸ اس میں حکمت یہ ہے کہ قربانی فقیروں کے سامنے ہوتا کہ ان کو بھی قربانی کا گوشت ملے۔

قربانی سے فائدہ لینا.....شافعیہ اور حنابلہ ❹ نے اس مسئلے کی تفصیل یہ بتائی ہے کہ متعین قربانی کا وہ دودھ پیا یا جاسکتا ہے جو قربانی کے بچے سے زائد ہو۔اگر اس سے کچھ نہ بچے یا دوہنے سے اس کو نقصان پہنچتا ہو یا اس کے گوشت میں کمی ہوتی ہو تو دودھ نہیں لیا جاسکتا۔اگر ان صورتوں میں سے کوئی صورت نہ ہو تو اسے دودھ دوہنے اور استعمال میں لانے کی اجازت ہے۔اس لئے کہ دودھ کا تھنوں میں رہنا نقصان دہ ہوتا ہے۔اور اگر دودھ صدقہ کردیا جائے تو افضل ہے۔

تاکہ اختلاف سے بچا جاسکے۔دودھ استعمال کرنے کا جواز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ثابت ہے:

”صرف وہ دودھ دوہے جو بچے کے سیر ہوجانے کے بعد بچ جائے۔اور اس لئے بھی کہ اس کے استعمال سے ماں کو نقصان پہنچتا ہے نہ بچے کو“

متعین قربانی کا مالک بوقت ضرورت نقصان پہنچائے بغیر اس پر سوار ہوسکتا ہے۔اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”اگر مجبوری ہو تو متبادل سواری ملنے تک قربانی کے جانور پر مناسب طریقے سے سواری کرلو۔“❺ اور اس لئے بھی کہ اس کے ساتھ مساکین کے حق کا تعلق قائم ہوگیا ہے لہٰذا بلا ضرورت سواری کرنا جائز نہیں۔ان کی ملکیت کی طرح اگر سوار ہونے سے ضرر پہنچ رہا ہو تو جائز نہیں۔اس لئے کہ ضرر کو ضرر سے دور نہیں کیا جاسکتا۔سواری سے ہونے والے نقصان کا ضمان لازم ہوگا۔اس لئے کہ اس کے ساتھ دوسروں کا حق متعلق ہوگیا ہے۔

اون کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو کاٹ لینا قربانی کے لئے بہتر ہو جیسے گرمیوں کا یا بہار کا موسم ہو اور قربانی تک کافی عرصہ رہتا ہو تو کاٹنا جائز ہے۔اس لئے کہ اون کاٹنے سے وہ ہلکی اور موٹی ہوجائے گی۔اس اون کو صدقہ کرنا افضل ہے۔دودھ کی طرح استعمال بھی کرسکتے ہیں۔اگر قربانی کا وقت قریب ہونے کی وجہ سے اون اس کے لئے مضر نہ ہو یا اس کا رہنا زیادہ نفع بخش ہو جیسے سردیوں میں گرمی حاصل کرنے کے لئے تو اس کو کاٹنا جائز نہیں۔اس لئے کہ جانور کو سردی سے تحفظ کے لئے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ذبح کے وقت مسکین اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

چھٹی بحث.....قربانی کے جانوروں کا گوشت

قربانی کا مقصود خون بہا کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔❻ قربانی کا گوشت کھانا، تقسیم کرنا اور اس سے متعلقہ دیگر احکام میں فقہاء کا

---

❶.....المغنی: ۶۴۲/۸، کشاف القناع: ۱۱/۳، الکتاب مع اللباب: ۲۲۷/۳، مغنی المحتاج: ۲۹۰/۴، الشرح الکبیر: ۱۲۳/۲ وما بعدھا۔❷ الشرح الکبیر: ۱۲۲/۲، الشرح الصغیر: ۱۴۲/۲۔❸ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی کے علاوہ اصحاب السنن نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔❹ مغنی المحتاج: ۲۹۲/۴، المہذب: ۲۳۶/۱، ۲۴۱، المغنی: ۶۲۹/۸ وما بعدھا، کشاف القناع: ۹/۳ وما بعدھا۔❺ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔❻ مغنی المحتاج: ۲۹۱/۴۔

تھوڑا سا اختلاف ہے۔ جمہور ایک طرف ہیں اور شافعیہ دوسری طرف۔ جمہور کی رائے راجح ہے اس لئے کہ یہ سنت نبوی کے ظاہر کے مطابق ہے۔

ا۔ جمہور فقہاء (حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ)...... (1) نفل قربانی میں سے کھانا جائز ہے۔ نذر والی قربانی یا خریدنے سے واجب ہونے والی قربانی کا حکم یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اس میں سے کھانا حرام ہے۔ جیسے قربانی کی اس بچے کو خود کھانا حرام ہے جو ذبح سے پہلے پیدا ہوا ہو یا اس قربانی میں سے کھانا جو سات آدمیوں میں مشترک ہو اور ایک نے اپنے حصے سے ماضی کی قضاء کی نیت کی ہو۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک نذر والی قربانی سے بھی نفل قربانی کی طرح کھانا جائز ہے۔ نفل قربانی میں مستحب یہ ہے کہ قربانی کرنے والا خود بھی کھائے، صدقہ بھی کرے اور ھدیۃً بھی دے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک نذر والی قربانی کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر ساری قربانی خود کھالی یا اپنے لئے تین دن سے زیادہ تک ذخیرہ کر لی تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ حنابلہ کے نزدیک اکثر حصہ کھانا جائز ہے۔ اگر ساری خود کھالی تو اس کم سے کم مقدار کا ضامن ہوگا جس پر گوشت کا اطلاق ہوتا ہے جیسے ایک اوقیہ۔

مالکیہ کے ہاں تین حصوں کی کوئی حد مقرر نہیں ہے کہ ایک ایک تہائی یا کم وبیش۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک قربانی کو برابر تین حصوں میں تقسیم کرنا مستحب ہے۔ ایک تہائی اپنے استعمال میں لائے، ایک تہائی اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو ہدیہ کرے اگرچہ وہ امیر ہوں۔ اور ایک تہائی مسکینوں پر صدقہ کرے۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ (2)

فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ـ الحج: ۳۶/۲۲

''ان (کے گوشت) میں سے خود بھی کھاؤ اور ان محتاجوں کو کھلاؤ جو صبر سے بیٹھے ہوں، اور ان کو بھی جو اپنی حاجت ظاہر کریں۔''

وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِيْرَ ۝ ...... الحج: ۲۸/۲۲

اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلاؤ۔

حنابلہ نے ان دونوں آیتوں پر عمل کے لئے دوسروں کھلانے کو واجب قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ برابر تین حصوں میں تقسیم پر حنفیہ اور حنابلہ کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے بیان میں روایت کی ہے۔ ''ایک تہائی گھر والوں کو کھلاتے تھے۔'' ''ایک تہائی قریب پڑوسیوں کو کھلاتے تھے اور ایک تہائی سوال کرنے والوں پر صدقہ کر لیتے تھے۔'' (3) اور تقسیم کرنے کی تین جہتیں ہیں: خود کھانا، ذخیرہ کرنا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اور دوسروں کو کھلانا جیسا کہ آیت سے ثابت ہے۔ لہٰذا ان پر تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔

تقسیم کی کوئی مخصوص شرح نہ ہونے پر مالکیہ کی دلیل وہ احادیث ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، جابر رضی اللہ عنہ، سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ، ابوسعید رضی اللہ عنہ بریدۃ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اس مسئلے میں مطلق وارد ہوتی ہیں۔ ''کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو'' یا ''کھاؤ، کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔'' (4)

---

(1)...... البدائع: ۸۰/۵، الدر المختار: ۲۳۰/۵، تبیین الحقائق: ۱۰/۶ وما بعدھا، تکملۃ الفتح: ۷۶/۸ وما بعدھا، اللباب: ۲۳۶/۳، بدایۃ المجتھد: ۴۲۴/۱، الشرح الکبیر و الدسوقی ۱۲۶/۲، ۱۲۲، القوانین الفقہیہ: ص ۱۹۰ و ما بعدھا، المغنی: ۶۳۲/۸۔۶۳۵، کشاف القناع: ۱۰/۳، ۱۶، ۱۸ وما بعدھا، شرح العلامۃ زروق علی رسالۃ القیروانی: ۳۷۷/۱۔ (2) القانع: مانگنے والا فقیر، المعتر: جو عطیہ لینے کے لئے جائے لیکن سوال نہ کرے۔ (3) اس روایت کو ابو موسیٰ الاصفہانی نے الوظائف میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے صحابہ میں سے اس کے خلاف کسی کا قول منقول نہیں۔ (4) دیکھئے نیل الاوطار: ۱۲۶/۵ وما بعدھا الدافۃ: دیہاتیوں کی ایک جماعت جو مدینے میں پہنچ گئی تھی۔ اس لئے کہ دیہاتوں میں قحط پڑا ہوا تھا۔ اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے۔ ''میں تمہیں دافۃ (پناہ گزینوں) کی وجہ سے منع کرتا تھا۔ اب کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔''

قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کرنے کے جواز پر دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''میں تمہیں قربانیوں کا گوشت تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے پناہ گزینوں ❶ (دافہ) کی وجہ سے منع کرتا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے وسعت کر لی ہے۔ لہٰذا جتنا مناسب سمجھو ذخیرہ کرو۔'' ❷

قربانی کی کھال، چربی، گوشت، اعضاء، سری، اون، بال، وبر اور وہ دودھ جو ذبح ہونے کے بعد دوہا ہو ان سب کی بیع حرام ہے۔ چاہے قربانی واجب ہو یا نفل اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کی کھالوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا اور بیچنے سے منع فرمایا اور فرمایا: ''جس نے قربانی کی کھال بیچی اس کی قربانی نہیں ہوئی۔'' ❸

ذبح کرنے والے کی اجرت..... شترکش اور ذبح کرنے والے کو اس کی کھال یا کوئی اور چیز اجرت کے طور پر دینا جائز نہیں۔ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ اونٹ کی قربانی کے وقت پاس کھڑے رہو اور اس کی کھال اور پیٹھ پر ڈالا جانے والا کپڑا تقسیم کرو۔ اور شترکش (کھال اتارنے والے) کو اس میں سے کچھ نہ دینا'' اور فرمایا ''ہم اس کو اپنی طرف سے دیں گے۔'' ❹

اگر ذبح کرنے والے کو قربانی میں سے کوئی چیز اس کی غربت کی وجہ سے یا ہدیے کے طور پر دے دی تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ وہ لینے کا مستحق ہے۔ اب وہ دوسرے مستحقین کی طرح ہوا۔ بلکہ ان سے زیادہ مستحق ہوا اس لئے کہ اس نے خود یہ کام سرانجام دیا اور اس کا نفس اس کا خواہش مند ہوگا۔

قربانی کی کھال..... قربانی کرنے والے کے لئے جائز ہے کہ قربانی کی کھال گھریلو استعمال میں لائے۔ اس سے چمڑے کا تھیلا، مشک، پوستین، چھلنی وغیرہ کوئی چیز بنالے۔ دوسرے آئمہ کے برعکس حنفیہ نے استحساناً یہ بھی جائز رکھا ہے کہ اس کھال کو بیچ کر بدلے میں کوئی باقی رہنے والی چیز خرید لی جائے جس کی ذات سے فائدہ حاصل کیا جا سکے۔ اس لئے کہ بدل، مبدل کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور اس کے بدلے میں سامان لینا بھی اس سے فائدہ حاصل کرنے کی ایک صورت ہے۔ البتہ اس کے بدلے کوئی ختم ہو جانے والی چیز نہیں خریدی جا سکتی جیسے درہم، دینار، کھانے پینے کی چیزیں۔

کھال سے انتفاع کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی قربانی کی کھال سے مشک بنائی ہوئی تھی۔

مسئلہ..... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں سے یہود ونصاریٰ کو کھلانا مکروہ ہے۔ حنابلہ کے نزدیک نفل قربانی سے کافر کو ھدیہ کیا جا سکتا ہے۔ واجب قربانی میں سے کافر کو کچھ نہیں دے سکتے۔ ❺

قربانی کا گوشت دوسرے شہر میں لے جانا..... حنفیہ کے نزدیک قربانی کا گوشت زکوٰۃ کی طرح ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانا مکروہ ہے البتہ اگر دوسرے شہر میں اس کے رشتے دار رہتے ہوں یا دوسرے شہر والے زیادہ محتاج ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ اگر ان کے علاوہ کسی اور کے لئے دوسرے شہر میں لے گئے تو کراہت کے ساتھ جائز ہو جائے گی۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ شرعی سفر کی مسافت تک یا اس سے زیادہ دور لے جانا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر اس جگہ کے لوگوں کو اپنے علاقے کے لوگوں سے زیادہ شدید ضرورت ہو تو اکثر حصہ ان کے ہاں منتقل کرنا اور تھوڑا اپنے گھر والوں کو دینا واجب ہے۔ حنابلہ اور شافعیہ کا قول بھی مالکیہ

---

❶ ..... متفق علیہ۔ ❷ اس کو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ اس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/ ۲۱۸) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک حدیث حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ جس میں ہے ''ھدی اور قربانی کی کھالیں مت بیچو! (نیل الاوطار: ۵/ ۱۲۹) ❸ الجلال: اونٹ کی پیٹھ پر ڈالا جانے والا کپڑا وغیرہ۔ اس کی جمع اجلہ بھی آتی ہے۔ اور اس کا واحد جلال بضم الجیم ہے۔ ❹ متفق علیہ۔ ❺ کشاف القناع: ۳/ ۱۹۔

کی طرح ہے کہ شرعی سفر کی مسافت سے کم فاصلے تک لے جانا جائز ہے۔ اور مسافت سفر یا اس سے زیادہ فاصلے تک لے جانا زکوٰۃ کی طرح حرام ہے البتہ ادائیگی ہو جائے گی۔

۲۔ شافعیہ...... شافعیہ کے نزدیک ❶ واجب قربانی، چاہے نذر والی ہو یا خود کہہ کر متعین کی ہو مثلاً یوں کہا ہو "یہ قربانی ہے۔" یا "میں نے اس کو قربانی بنا دیا ہے"...... میں سے کھانا جائز نہیں نہ قربانی کرنے والے کو اور نہ اس کے زیر کفالت افراد کو۔ بلکہ سب کی سب صدقہ کرنی واجب ہے۔ معین قربانی کا بچہ ماں کی طرح ذبح کیا جائے گا۔ لیکن قربانی کرنے والے کے لئے وہ سارا کا سارا کھانا جائز ہے۔ بچے کو دودھ پر قیاس کیا جائے گا اور بچے کی ضرورت سے زائد دودھ کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

نفل قربانی میں سے قربانی کرنے والے کے لئے کھانا مستحب ہے۔ یعنی افضل یہ ہے کہ حصول برکت کے لئے چند لقمے لے لے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ ﴿۲۸﴾ الحج: ۲۲/۲۸

"(مسلمانو!) ان جانوروں میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلاؤ۔"

اور بیہقی نے یہ حدیث نقل کی ہے: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قربانی کی کلیجی کھاتے تھے۔" نفل قربانی سے کھانا واجب نہیں جیسا کہ ظاہریہ آیت کے ظاہر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں...... اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ...... الحج: ۲۲/۳۶

"اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر میں شامل کیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے قربانیاں انسان کے لئے بنائی ہیں۔ اور جو چیز انسان کے لئے بنی ہے اس کے کھانے یا نہ کھانے کا انسان کو اختیار ہے۔

قربانی کرنے والا مالداروں کو بھی کھلا سکتا ہے لیکن ان کو مالک نہ بنائے بلکہ ان کی طرف بطور ہدیہ بھیجے کہ وہ اس میں خرید و فروخت وغیرہ سے کوئی تصرف نہ کریں۔

قربانی کرنے والا جدید مذہب کے مطابق ایک تہائی اپنے استعمال میں لائے۔ اور قدیم قول کے مطابق آدھا اپنے لئے رکھے اور آدھا صدقہ کر لے۔

صحیح یہ ہے کہ قربانی کا کچھ حصہ صدقہ کرنا واجب ہے۔ چاہے اس کے گوشت میں سے تھوڑا سا حصہ دے۔ یہ صدقہ مسلمان فقیروں کو دینا ہوگا۔ ایک کو بھی دے سکتے ہیں۔ افضل یہ ہے کہ سب صدقہ کرے۔ صرف چند لقمے حصول برکت کے لئے خود لے لے۔ جیسا کہ گذرا۔

نفل قربانی کی کھال صدقہ کرنا اور خود استعمال کرنا دونوں جائز ہیں لیکن صدقہ افضل ہے۔ واجب قربانی کی کھال صدقہ کرنا واجب ہے۔

قربانی اپنے شہر سے شرعی سفر کی مسافت تک یا اس سے زیادہ دور بھیجنا جائز نہیں جیسا کہ زکوٰۃ کا حکم ہے۔

دوسرے کی طرف سے قربانی...... شافعیہ ❷ فرماتے ہیں کہ دوسرے کی طرف سے بلا اجازت قربانی نہ کرے۔ اسی طرح میت نے اگر وصیت نہ کی ہو تو اس کی طرف سے بھی قربانی نہ کرے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ النجم: ۵۳/۳۹

"اور یہ کہ انسان کو خود اپنی کوشش کے سوا کسی اور چیز کا (بدلہ لینے کا) حق نہیں پہنچتا۔"

اگر اس نے وصیت کی ہو تو جائز ہے۔ وصیت کرنے سے اس کی طرف سے ہو جائے گی۔ یہ قربانی ساری کی ساری فقراء پر صدقہ کرنا

---

❶...... مغنی المحتاج: ۴/۲۹۰ وما بعدھا، المہذب: ۱/۲۴۰۔ ❷ مغنی المحتاج: ۴/۲۹۲، المحلی علی المنہاج: ۴/۲۵۵۔

واجب ہے۔قربانی کرنے والے اور مال دار لوگوں کے لئے کھانا جائز نہیں۔اس لئے کہ میت سے اجازت لینا ناممکن ہے۔

مالکیہ ❶ فرماتے ہیں کہ میت نے مرنے سے پہلے اگر قربانی متعین نہ کی ہو تو موت کے بعد اس کی طرف سے قربانی مکروہ ہے۔اگر اس کو نذر کے بغیر متعین کیا تھا تو وارث کے لئے اس کو نافذ کرنا مستحب ہے۔حنفیہ اور حنابلہ ❷ فرماتے ہیں کہ میت کی طرف سے قربانی کی جائے گی اور اس کے استعمال کا وہی حکم ہوگا جو زندہ کی قربانی کا ہے۔اور ثواب میت کو ملے گا۔لیکن حنفیہ کے نزدیک اس قربانی میں سے کھانا حرام ہے جو میت کی طرف سے اس کے حکم کی وجہ سے کی گئی ہو۔

دوسری فصل......عقیقہ اور نومولود بچے کے احکام

اس میں دو بحثیں ہیں۔پہلی بحث عقیقہ کے بیان میں اور دوسری نومولود کے احکام میں۔

پہلی بحث :عقیقہ......عقیقے کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا۔عقیقے کا حکم،معنی اور حکمت......حنفیہ ❸ فرماتے ہیں کہ عقیقہ مباح ہے مستحب نہیں۔❹ اس لئے کہ قربانی کی مشروعیت نے اس سے پہلے والے تمام خون عقیقہ،رجبیہ،عشریہ منسوخ کردیئے ہیں۔اب جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے۔نسخ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے۔"قربانی نے اس سے پہلے والے ذبح کی تمام صورتوں کو منسوخ کردیا"

عقیقہ......نومولود بچے کی پیدائش کے ایک ہفتے بعد جانور ذبح کرنے کو عقیقہ کہتے ہیں۔لغوی معنی کے اعتبار سے عقیقہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو نومولود پر ہوتے ہیں۔پھر عربوں نے اس جانور کا نام عقیقہ رکھ دیا جو نومولود بچے کے بال مونڈتے وقت ذبح کیا جاتا ہے۔یہ عربوں کی عادت ہے کہ وہ چیز کا نام اس کے سبب کے نام سے یا اس کے ساتھ والی چیز کے نام سے رکھ دیتے ہیں۔

رجبیۃ......وہ بکری جس کو عرب رجب میں ذبح کرتے تھے۔پھر اس کو گھر والے استعمال کرتے تھے۔پکاتے تھے اور کھلاتے تھے۔

عتیرہ......اونٹنی یا بکری کا پہلا بچہ۔اس کا مالک اس کو ذبح کرکے خود بھی کھاتا تھا دوسروں کو بھی کھلاتا تھا۔بعض کہتے ہیں:یہ وہ بکری ہے جو رجب میں نذر پوری کرنے کے لئے ذبح کی جاتی ہے۔یا جب بکری دس بچے جن لیتی ہے تو ان میں سے ایک ذبح کرلیا جاتا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ عتیرۃ رجبیہ یہی ہے۔چاہے نذر کی وجہ سے ہو یا بغیر نذر کے۔یہ زمانہ جاہلیت کا طریقہ ہے۔❺

حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء ❻ فرماتے ہیں کہ عتیرۃ اور رجبیہ سنت نہیں ہیں۔البتہ باپ کے لئے سنت ہے کہ وہ اپنے مال میں سے بچے کا عقیقہ کرے۔اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک ایک مینڈھا ذبح کیا۔❼ اور فرمایا:"لڑکے کا عقیقہ ہوتا ہے۔اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے تکلیف کو

---

❶ الشرح الکبیر: ۱۲۲/۲۔❷ رد المحتار والدر المختار: ۲۲۹/۵، کشاف القناع: ۱۸/۳۔❸ البدائع: ۹/۵۔❹ حنفیہ کے ہاں فتویٰ اس پر ہے کہ عقیقہ مستحب ہے ❺ ابن سراقہ فرماتے ہیں کہ مسنون خونوں میں سے سب سے زیادہ تاکید بدی کی ہے،پھر قربانی کی،پھر عقیقہ کی پھر عتیرہ کی،پھر فرع کی۔عتیرۃ:وہ جانور جس کو رجب کے پہلے عشرے میں ذبح کیا جاتا تھا۔اس کو رجبیہ بھی کہتے تھے۔الفرع:جانور کا پہلا بچہ جس کو عرب پاس نہیں رکھتے تھے بلکہ ذبح کردیتے تھے تاکہ ماں میں برکت ہو۔یہ دونوں مکروہ ہیں اس لئے کہ صحیح بخاری میں ہے"لافرع ولاعتیرۃ" فرع اور عتیرۃ کی کوئی حیثیت نہیں۔❻ الشرح الکبیر لدردیر: ۱۲۶/۲، القوانین الفقهیه: ص ۱۹۱، مغنی المحتاج: ۲۹۳/۴ و ما بعدها، المهذب: ۲۴۱/۱ ومابعدها، المغنی: ۶۴۵/۸ وما بعد، ۶۵۰،کشاف القناع: ۲۰/۳ وما بعد، بدایة المجتهد: ۴۴۸/۱ وما بعدها۔❼ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور فرمایا ہے:یکبشین کبشین (دو دو مینڈھے) نیل الاوطار: ۱۳۵/۵۔

دور کرو۔'' ❶ ''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے بدلے میں گروی ہوتا ہے جو اس کی طرف سے ساتویں دن ذبح کیا جاتا ہے۔ اسی دن اس کا نام رکھا جاتا ہے اور سر منڈایا جاتا ہے۔ ❷ شافعیہ فرماتے ہیں: جس کا نفقہ لازم ہے اس کی طرف سے عقیقہ بھی سنت ہے۔

۱: عقیقے کی حکمت...... اس کی حکمتیں یہ ہیں: بچے کی نعمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا، سخاوت اور فراخ دلی کی صفت کو فروغ دینا، گھر والوں، رشتے داروں اور دوستوں کو کھانے پر جمع کر کے ان کا دل خوش کرنا تا کہ باہمی محبت اور رواداری کو فروغ ملے۔

۲: عقیقے کے جانور کی جنس، عمر اور صفات...... عقیقے کا جانور جنس، عمر اور عیوب سے خالی ہونے میں قربانی کے جانور کی طرح ہے۔ عقیقہ اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریوں سے کیا جاسکتا ہے۔ بعض کے نزدیک گائے اور اونٹ سے ❸ عقیقہ کرنا درست نہیں۔

۳: عقیقے کی تعداد...... مالکیہ کے نزدیک لڑکے، لڑکی دونوں کی طرف سے ایک ایک بکری عقیقہ میں ذبح کی جائے گی۔ اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ایک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے ذبح کی۔ یہی عقل کے موافق اور آسان ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ''لڑکے کی طرف سے دو برابر کی بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے۔'' ❹ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث جواز پر محمول ہے۔ اونٹ اور گائے کا ساتواں حصہ بکری کی طرح ہے۔ اگر ایک اونٹ یا گائے سات بچوں کی طرف سے ذبح کی جائے تو جائز ہے۔ شافعیہ کے نزدیک اس صورت میں سات حصہ داروں میں سے کوئی ایک محض گوشت کا ارادہ رکھتا ہو تو بھی جائز ہے۔ لڑکے کی طرف سے ایک بکری اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرنے سے بھی سنت ادا ہو جائے گی۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عقیقہ ایک ایک بکری سے کیا۔ جتنے بچے ہوں گے اتنے ہی عقیقے ہوں گے۔ اگر دو جڑواں بچے پیدا ہوئے ہو تو ان کے دو عقیقے ہوں گے۔ دونوں کی طرف سے ایک کافی نہیں ہوگا۔

۴: عقیقے کا وقت...... بچے کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کیا جاتا ہے۔ پیدائش کا دن سات دنوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اگر بچہ رات کو پیدا ہو تو اس کے ساتھ والے دن کا اعتبار ہوگا۔ مالکیہ کے نزدیک اگر فجر سے پہلے یا فجر کے ساتھ ہی پیدائش ہو تو پیدائش والا دن شمار ہوگا۔ اگر فجر کے بعد پیدائش ہوئی تو پیدائش والا دن شمار نہیں ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک فجر کے بجائے زوال کا اعتبار ہوگا۔ کہ اگر اس سے پہلے پیدائش ہو تو دن شمار کریں گے ورنہ نہیں۔ عقیقہ چاشت کے وقت سے زوال تک ذبح کرنا مستحب ہے نہ کہ رات کو۔

شافعیہ اور حنابلہ نے تصریح کی ہے کہ اگر ساتویں دن سے پہلے یا بعد میں ذبح کیا جائے تو بھی ادا ہو جائے گا۔ حنابلہ اور مالکیہ نے اضافہ کیا ہے کہ باپ کے علاوہ کوئی عقیقہ نہ کرے۔ اسی طرح نومولود بڑا ہو کر اپنی طرف سے عقیقہ نہ کرے۔ اس لئے کہ شریعت نے اس کو باپ کے لئے جاری کیا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نہ کرے۔ حنابلہ میں سے ایک جماعت کا کہنا ہے کہ آدمی کے لئے اپنی طرف سے عقیقہ کرنا بھی مستحب ہے۔ عقیقہ بچپن کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ والد بچے کا عقیقہ اس کے بالغ ہونے کے بعد بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ عقیقے کا آخری وقت کوئی نہیں۔

---

❶...... اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بہت سے محدثین نے سلمان بن عامر ضبّی سے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۵ / ۱۳۱) ❷ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب سنن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سمرۃ سے روایت کیا ہے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ (نیل الاوطار: گزشتہ جگہ) ❸ عــق یعــق (ض، ن) عقیقہ کرنا۔ ❹ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ دوسرے الفاظ یوں ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ بچی کی طرف سے ایک اور بچے کی طرف سے دو بکریاں عقیقہ کریں۔ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اسی معنی میں حضرت ام کرز کعبیہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے جس کو امام احمد اور ترمذی نے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ (نیل الاوطار: ۵ / ۱۳۲)

ذبح کرنے والا بسم اللہ کے بعد یوں کہے: "اللھم منك واليك عقيقة فلان" یہ بیہقی کی ایک روایت میں ایا ہے جس کی اسناد حسن ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا اور فرمایا: "کہو!

بسم الله، اللّٰهم لك واليك عقيقة فلان

بچے کے سر کو عقیقے کے خون سے آلودہ کرنا مکروہ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بچے کے سر کو عقیقے کے خون سے آلودہ کیا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "زمانہ جاہلیت میں لوگ روئی کو عقیقے کے خون میں رکھتے تھے۔ اور پھر اس کو نومولود کے سر پر رکھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ خون کی جگہ زعفران رکھا کرو۔" خون سے آلودہ کرنے کی کراہت اس حدیث سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ "لڑکے کی پیدائش پر عقیقہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی طرف سے جانور ذبح کرو اور اس سے تکلیف کو دور کرو۔" ❶

۵: **عقیقے کے گوشت اور کھال کا حکم**...... عقیقے کے گوشت کا حکم وہی ہے جو قربانی کا ہے۔ اس کا گوشت کھایا جائے گا اور صدقہ کیا جائے گا۔ لیکن بیچا نہیں جا سکتا۔ اس کو پکانا سنت ہے۔ تاکہ گھر والے اور دوسرے لوگ اپنے گھروں میں کھائیں۔ مالکیہ کے نزدیک عقیقے کے موقع پر لوگوں کو دعوتیں دے کر اس کو ولیمے کی شکل دے دینا مکروہ ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اس کی ہڈیاں توڑنا جائز ہے مستحب نہیں ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ اس کو ولیمے کی شکل دینا جائز ہے۔ اور ہڈیاں توڑنا مکروہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں مقصودی نہی نہیں آئی۔ بلکہ یہ خلاف اولیٰ ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ اس کے اعضاء الگ کئے جائیں لیکن ہڈیاں نہ توڑی جائیں۔ اس میں بچے کے اعضاء کی سلامتی کی نیک فالی ہے۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "بچے کی طرف سے دو برابر کی بکریاں اور بچی کی طرف سے ایک بکری سنت ہے۔ اس کو ❷ عضو عضو کر کے پکایا جائے۔ اس کی ہڈی نہ توڑی جائے۔ خود کھائے، دوسروں کو کھلائے اور صدقہ کرے۔ یہ ساتویں دن کرے۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں کھال اور سری کی بیع اور صدقہ جائز قرار دیئے ہیں۔ عقیقہ میں سے دایہ کو دینا مستحب ہے۔ اس لئے کہ "مراسیل ابی داؤد" میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی ایک ٹانگ دایہ کو بھیج دو، اور کھاؤ اور کھلاؤ لیکن ہڈی نہ توڑو۔"

قربانی اور عقیقہ میں فرق یہ ہوا کہ عقیقہ پکانا سنت ہے۔ اس کی ہڈیاں نہ توڑنا مستحب ہے۔ اور دایہ کو عقیقے کی ٹانگ پکائے بغیر ہدیہ کرنی ہے۔ اس لئے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایسا ہی کیا تھا۔ حاکم

دوسری بحث۔ نومولود بچے کے احکام...... یہ بہت سے ہیں جن میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

کان میں اذان کہنا...... والد کے لئے مستحب ہے کہ جب بچے پیدا ہوتو دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے۔ ❸ اس لئے کہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے

---

❶...... اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بہت سے محدثین نے الضبی سے روایت کیا ہے۔ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کو خون نہ لگے۔ اس لیے کہ خون "اذی" اور تکلیف ہے۔ لیکن ایک اور روایت میں ہے۔ "فاهر قوا عليه دما" (اس پر خون ڈالو) اسی طرح ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ عن الحسن عن سمرۃ کی سند سے روایت کی ہے۔ "بچہ اپنے عقیقے کے بدلے میں گروی ہوتا ہے۔ اس کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے اور خون آلود کیا جائے۔" یہ قتادۃ رحمۃ اللہ علیہ اور حسن رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے جو خون آلود کرنے کے استحباب کے قائل ہیں۔ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ حسن رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بھی کوئی اس کا قائل ہے۔ تمام علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور اس کو مکروہ کہا ہے گزشتہ حدیث کی وجہ سے۔ (المغنی: ۸/ ۶۴۷) ❷تطبخ جدولا: یعنی اس کی ہڈی نہ توڑی جائے اور ایک ایک عضو کر کے پکایا جائے۔ ❸مغنی المحتاج: ۲۹۶/۴ المهذب: ۲۴۲/۱، المغنی: ۶۴۹/۸، کشاف القناع: ۲۵/۳۔

کان میں اذان دی۔ ❶ اور ابن سنی نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے: ''جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اس نے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی تو اس کو ام الصبیان ❷ (مادہ جن) سے نقصان نہیں پہنچے گا'' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پیدائش کے دن ان کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی۔ ❸

چونکہ یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں اس لئے میرے خیال میں اذان پر اکتفاء کرنا چاہئے جو حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ثابت ہے۔ تاکہ بچے کے دنیا میں آتے ہی سب سے پہلے توحید کا اعلان اس کے کانوں میں پڑے۔ جس طرح دنیا سے جاتے ہوئے بھی اس کو یہی تلقین کی جاتی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اس سے شیطان کو دھتکارنا مقصود ہے۔ اس لئے کہ اذان سنتے ہی شیطان بھاگ جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

یہ بھی سنت ہے کہ بچے کے دائیں کان میں یوں کہے:

وَإِنِّيٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَٰنِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾ آل عمران: ۳/۳۶

''اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے حفاظت کے لئے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔''

اگر نومولود لڑکا ہو تب بھی بغرض تلاوت اور آیت کے الفاظ سے برکت لینے کے لئے یونہی کہے۔ اور ضمیر مؤنث سے نسمۃ (ہر جاندار مذکر ہو یا مونث) مراد لے۔ مسند رزین میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کے (دائیں) کان میں سورۂ اخلاص پڑھی۔

تحنیک...... بچے کی کھجور سے تحنیک سنت ہے کہ اسے چبا کر منہ کی اندر ملا جائے اور منہ کھولا جائے تاکہ پیٹ میں اتر جائے۔ اگر کھجور نہ ہو تو کسی میٹھی چیز سے تحنیک کرے۔ ❹ اس لئے کہ صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: ''میرے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ میں اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور سے اس کی تحنیک کی۔'' امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے: ''اس کے لئے برکت کی دعا کی اور مجھے دے دیا۔ وہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے بچے تھے۔'' اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: ''عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا آپ کے پاس کھجور ہے؟'' میں نے عرض کیا ہاں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چند کھجوریں پکڑائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آہستہ آہستہ چبایا پھر اس کا منہ کھول کر اس میں ڈال دیں۔ وہ انہیں منہ میں پھرانے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انصار کو کھجوریں بہت پسند ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ ❺

بچے کی مبارک باد...... بچے کے والد کو مبارک باد دینا مستحب ہے۔ اسے یوں کہا جائے:

بارك الله لك في الموهوب لك، وشكرت الواهب، وبلغ أشدة ورزقت برهٗ

وہ مبارک باد دینے والے کو یوں جواب دے:

---

❶ ...... امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا اور صحیح کہا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ''حسین رضی اللہ عنہ'' ہے۔
❷ یہ ایک قسم کی بیماری ہے جو بچوں کو لاحق ہوتی ہے جس سے بچے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ ❸ ان دونوں حدیثوں کو بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ لیکن کہا ہے کہ ان دونوں کی سندیں ضعیف ہیں۔ جبکہ صرف اذان والی حدیث صحیح ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔ ❹ مغنی المحتاج: ۴/۲۹۶، المهذب: ۱/۲۴۲، المغني: ۸/۶۵۰، كشاف القناع: ۳/۲۵۔ ❺ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (نيل الاوطار: ۵/۱۳۶)

بارك الله لك وبارك عليك یا اجزل الله توابك یا اسی طرح کی کوئی بات۔ ❶

سر منڈانا......ولادت کے ساتویں دن عقیقے کے بعد بچے کا سر منڈانا، نام رکھنا اور بالوں کے وزن کے برابر سونا یا چاندی صدقہ کرنا مستحب ہے۔ ❷ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا: ''حسین رضی اللہ عنہ کے بال وزن کرو اور ان کے برابر چاندی صدقہ کرو۔'' ❸ اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت کے وقت فرمایا: ''اس کا سر منڈواؤ اور اس کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرو۔'' ❹ سونے کو چاندی پر قیاس کیا گیا ہے۔

ختنہ کرنا......حنفیہ کے نزدیک ولادت کے دن اور ساتویں دن ختنہ مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ یہودیوں کا فعل ہے۔ شافعیہ کے نزدیک ولادت کے ساتویں روز ختنہ کرنا مستحب ہے۔ اس لئے کہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کی ختنہ ولادت کے ساتویں دن کی۔ مرد کی ختنہ حشفے کو ڈھانپنے والی جلد کو کاٹ کر کی جاتی ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک یہ سنت مؤکدہ ہے۔ عورتوں کی ختنہ ایک خوبی ہے۔ یہ فرج کے اوپر والے حصے سے تھوڑی سی کھال کاٹنے کو کہتے ہیں تاکہ جماع میں زیادہ لذت حاصل ہو۔ مندوب یہ ہے کہ اس جلد کو کاٹنے میں مبالغہ اور تجاوز نہ کیا جائے۔ شافعیہ فرماتے ہیں: ختنہ مرد عورت دونوں پر فرض ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مردوں پر واجب ہے اور عورتوں کے لئے خوبی کی بات ہے۔ ❺ یہ عمومی طور پر گرم علاقے والوں کا معمول ہے۔ مالکیہ کے نزدیک ختنے کو اتنا مؤخر کرنا مستحب ہے کہ بچے کو نماز کا حکم کیا جانے لگے۔ اور یہ سات سال سے دس سال تک ہوتا ہے۔

ختنے کی حکمت یہ ہے کہ طہارت اور نظافت اچھی طرح ہو جائے اور مسلمان اور کافر میں فرق ہو جائے۔

نام رکھنا......والد کے لئے سنت ہے کہ بچے کا اچھا سا نام رکھے۔ ❻ اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''آپ لوگوں کو قیامت کے دن اپنے ناموں سے اور اپنے والد کے نام سے پکارا جائے گا۔ اس لئے اچھے اچھے نام رکھا کرو۔'' ❼ سب سے افضل نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ اس لئے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے: ''اللہ تعالیٰ کو عبداللہ اور عبدالرحمٰن نام سب سے زیادہ پسند ہیں۔'' امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: ''سب سے سچے نام حارث اور ہمام ہیں، اور سب سے برے نام حرب اور مرۃ'' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے ناموں کی طرف منسوب تمام نام، نبیوں کے نام اور فرشتوں کے نام۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔'' ❽ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل مدینہ کو کہتے سنا: ''جس گھر میں بھی محمد نام ہوگا انہیں اچھا رزق ملے گا۔'' ابوالقاسم کنیت رکھنا حرام ہے۔ ❾

برے نام رکھنا مکروہ ہے جیسے شیطان، ظالم، شہاب، حمار، کلیب۔ اسی طرح جس چیز کے نہ ہونے سے عام طور پر بدفالی لی جاتی ہو جیسے نجیح،

---

❶ ......مغنی المحتاج سابقہ جگہ۔ ❷ القوانین الفقهیه: ص ۱۹۲، مغنی المحتاج: ۲۹۵/۴، المهذب: ۲۴۱/۱، کشاف القناع: ۲۵/۳۔ ❸ اس کو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔ ❹ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ (نیل الاوطار: ۱۳۶/۵) ❺ الشرح الکبیر: ۱۲۶/۲، شرح الرساله: ۳۹۳/۱ وما بعدها، المغنی: ۸۵/۱ وما بعدها، القوانین الفقهیه: ص ۱۹۲، الافصاح لابن هبیره رحمة الله علیه: ۲۰۶/۱، الدر المباحة فی الحظر والاباحة للشیبانی النحلاوی رحمة الله علیه: ص ۳۳، شرح العنایة علی الهدایة فی تکملة الفتح: ۹۹/۸۔ ❻ مغنی المحتاج: ۲۹۴/۴ وما بعد، المهذب: ۲۴۲/۱، کشاف القناع: ۲۲/۳ وما بعد۔ ❼ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ❽ اس کو امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے
❾ ابوالقاسم کنیت رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا۔ یا اس صورت میں جب نام (محمد) اور کنیت (ابوالقاسم) کو جمع کر دیا جائے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی اولیٰ ہے۔

برکت۔ اس لئے حدیث شریف میں آتا ہے: ''اپنے لڑکے کا نام افلح، نجیح، یسار اور رباح نہ رکھو۔ اس لئے کہ جب کبھی آپ اس کے بارے میں پوچھیں گے: ''کیا وہ یہاں ہے؟'' تو جواب ملے گا: ''نہیں۔'' برے ناموں اور جن کے نہ ہونے سے بدفالی ہوتی ہے ایسے ناموں کو بدلنا سنت ہے۔ اس لئے کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصیۃ نام بدل دیا اور فرمایا تم جمیلہ ہو۔'' اور صحیحین میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برۃ نام کو زینب سے بدل دیا۔ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہ وہی ہیں۔

ایک سے زائد اسموں سے نام رکھنا جائز ہے۔ لیکن ایک اسم پر اکتفا بہتر ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچوں کے نام ایسے ہی رکھے۔

ملک الاملاک (بادشاہوں کا بادشاہ) اور شہنشاہ نام رکھنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ وہ صرف اللہ ہے۔ عبدالنبی نام جائز ہوسکتا ہے اگر اس سے تسمیہ (نام رکھنا) ہی مراد ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت مراد نہ ہو۔ لیکن اکثر فقہا کے نزدیک یہ منع ہے۔ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عبودیت یعنی بندہ ہونے میں اور اس کے اعتقاد میں شرک کا خدشہ ہے۔ عبدالکعبہ اور عبدالعزیٰ نام رکھنا جائز نہیں۔ کسی آدمی کو ایسا لقب دینا حرام ہے۔ جس کو وہ ناپسند کرے۔ اگرچہ اس میں وہ عیب موجود ہو۔ جیسے اعور، اعمش۔ البتہ کسی ایسے آدمی کے سامنے تعارف کی نیت سے کہنا جائز ہے جو اس کے بغیر نہ پہنچانے۔

اچھے القاب جائز ہے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے القاب۔ مثلاً عمر الفاروق، حمزہ اسد اللہ، خالد سیف اللہ۔ ایسا نام رکھنا جو صرف اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہو حرام ہے۔ جیسے قدوس، البر، خالق الرحمٰن۔ اس لئے کہ ان کا معنی صرف اللہ تعالیٰ کے لائق ہے۔ اور جیسا کہ ابھی گزرا مردوں کے درمیان اور عورتوں کے درمیان بچے کی مبارک باد جائز ہے۔ مبارک باد دینے والا یوں کہے:

بارك الله لك فی الموهوب لك، وشكرت الواهب، وبلغ اشدہٗ ورزقت برہٗ

جواب میں ماں اور باپ یوں کہیں:

بارك الله لكم، وبارك عليكم واجزل ثوابكم

نواں باب...... ذبح کئے جانے والے جانور اور شکار

اس سے دو فصلیں ہیں۔ پہلی فصل ذبائح کے بیان میں اور دوسری فصل شکار کے بیان میں۔

پہلی فصل: ذبح کئے جانے والے جانور...... اس میں ذبح کرنے اور اس کے حکم کے بارے میں ایک مقدمہ ہے اور چار بحثیں ہیں۔

پہلی بحث...... ذبح کرنے والے کے بارے میں۔

دوسری بحث...... ذبح کرنے کے بیاں میں (ذبح کرنے کا طریقہ، شرطیں، سنتیں، مکروہات، اقسام، ذبح کئے ہوئے جس جانور کو کھانا حرام ہے۔ ماں کو ذبح کرنے کا اثر پیٹ کے بچے پر، بیمار یا قریب المرگ جانور کو ذبح کرنے کا اثر، نہ کھائے جانے والے جانور کو ذبح کرنے کا اثر۔)

تیسری بحث...... ذبح کرنے کا آلہ۔

چوتھی بحث...... ذبح کئے جانے والے جانور کے بیان میں۔ کس جانور کو کھایا جاسکتا ہے اور کس کو نہیں؟

مقدمۃ: ذبح کی تعریف اور شرعی حکم......الذبح، الزکاۃ اور التزکیۃ: ان کے لغوی معنی ہیں کاٹنا اور حیوان کو مار ڈالنا۔ اصطلاحی معنی ہر مذہب میں جس کو کاٹنا واجب ہے اس کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ❶ یہ رگیں کاٹنے کو کہتے ہیں۔ ذبح میں چار رگیں کاٹی جاتی ہیں۔ سانس کی نالی کھانے کی نالی اور دائیں بائیں کی شہ رگیں۔ ❷ ذبح کرنے کی جگہ سینے کے سرے اور داڑھی (ٹھوڑی کی دونوں ہڈیاں) کے درمیان ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

الذبح مابين اللبة واللحية

ذبح سینے کے سرے اور داڑھی کے درمیان سے ہوتا ہے۔ ❸

یعنی ذبح کرنے کی جگہ سینے کی ہڈی کے اوپر والے حصے اور داڑھی یعنی ٹھوڑی کے درمیان ہے۔ اللبۃ: گردن کے نچلے حصے کو کہتے ہیں۔ اللحیۃ ٹھوڑی کے بالوں کو کہتے ہیں۔

نحر کرنا شہ رگیں کاٹنے کو کہتے ہیں۔ اور اس کی جگہ حلق کا آخر ہے۔ اضطراری ذبح جسم کے کسی بھی حصے کو زخمی کرنے سے ہوتی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ ❹ کے نزدیک ذکاۃ کہتے ہیں ایسے جانور کو سانس کی نالی اور کھانے کی نالی کاٹ کر ذبح کرنا جس پر قدرت ہو اور جس کا کھانا مباح ہو۔ اسکی جگہ یا تو حلق ہے یعنی گردن کا اوپر والا حصہ یا سینے کا سرا ہے یعنی گردن کا نیچے والا حصہ اس صورت میں اس کو نحر کہتے ہیں۔ ❺ یا ان میں سے کوئی صورت ممکن نہ ہو تو کسی بھی جگہ جاں بحق کر دینے والا زخم لگانا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ذکاۃ ایسے حیوان کو ذبح کرنے نحر کرنے یا کاری زخم لگانے کو کہتے ہیں جس کا کھانا مباح ہو۔

ذبح کا حکم......اس کا حکم یہ ہے کہ خشکی کے کھائے جانے والے جانوروں کے حلال ہونے کے لئے یہ شرط ہے۔ کھائے جانے والے جانوروں میں سے شرعی طریقے سے ذبح کئے بغیر کچھ بھی حلال نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ......المائدۃ: ۵/۳

”حرام ہوا تم پر مردہ جانور اور لہو اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا اور جو مر گیا ہو گلا گھونٹنے سے یا چوٹ سے یا اونچے سے گر کر یا سینگ مارنے سے اور جس کو کھایا ہو درندہ نے مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا۔“ (ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

اللہ تعالیٰ نے حلال ہونے کو ذبح کرنے پر معلق کیا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جس چیز سے خون بہہ جائے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اس کو کھا سکتے ہو۔ سوائے اس کے جو دانت اور ناخن سے ذبح کیا گیا ہو۔ اور میں تمہیں اس کے بارے میں بتاتا ہوں۔ (کہ ان سے ذبح کرنا کیوں جائز نہیں؟) تو (سنو کہ) دانت تو ہڈی ہے۔ اور جہاں تک ناخن کا تعلق ہے وہ حبشیوں کی چھری ہے۔ ❻

---

❶......البدائع: ۵/۴۱، تکملۃ الفتح: ۸/۵۲، اللباب مع الکتاب: ۳/۲۲۵ و ما بعدھا، الشرح الکبیر: ۲/۹۹۔ ❷ الحلقوم: حلق کو کہتے ہیں۔ المری: کھانے پینے کی نالی، الودجان: گردن کی دونوں طرف دو بڑی رگیں جس کے درمیان سانس کی نالی اور کھانے کی نالی ہوتی ہے۔ (یعنی شہ رگیں)۔ ❸ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: غریب بھذا للفظ۔ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ”خوب سن لو، ذبح حلق اور سینے کے سرے کے درمیان سے ہوتا ہے۔ اس کی سند بہت ہی ضعیف ہے۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کیا ہے:” ذبح حلق اور سینے کے سرے کے درمیان سے ہوتا ہے۔“ (نصب الرایۃ: ۴/۱۸۵) ❹ مغنی المحتاج: ۴/۲۶۵، ۲۷۰، کشاف القناع: ۳/۲۰۱۔ ❺ اونٹ کو نحر کرنا سنت ہے، گائے اور بھیڑ بکری کو ذبح کرنا سنت ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/۱۲۲) ❻ اس حدیث کو بہت سے محدثین نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۸/۱۴۱)

ذبح کرنے کی حکمت یہ ہے کہ انسانی صحت کا خیال رکھا جائے اور خون کو گوشت سے الگ کر کے گوشت کو پاک کیا جائے تاکہ انسانی جسم کو نقصان نہ پہنچائے۔ بہنے والا خون انسان کے لئے نقصان دہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ اس لئے کہ اس میں ڈھیروں جراثیم ہوتے ہیں۔ اور ہر خون کی اپنی قسم اور اپنا گروپ ہوتا ہے جو اسی کے ساتھ مناسب ہوتا ہے اس لئے مختلف خونوں میں اختلاط ممنوع ہے۔ خون سے متنفر کرنے کے لئے اسے ناپاک شمار کیا جاتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ذبح کرنے اور خون بہانے کی شرط لگانے میں حکمت یہ ہے کہ حلال چربی اور گوشت حرام سے ممتاز ہو جائے۔ اور مردار کے حرام ہونے پر تنبیہ ہو جائے اس لئے کہ اس میں خون باقی رہ جاتا ہے۔

پہلی بحث: ذبح کرنے والا...... ذبح کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا ذبح کیا ہوا جانور بالاتفاق حرام ہے۔ دوسرے وہ جن کا ذبح کیا ہوا جانور بالاتفاق حلال ہے، تیسری قسم کے بارے میں اختلاف ہے۔ ❶

جن کا ذبیحہ بالاتفاق حرام ہے...... غیر کتابی کافر کا ذبیحہ بالاتفاق حرام ہے۔ جیسے مشرک، بت پرست، ملحد جس کا کوئی دین نہ ہو، مرتد جس نے اہل کتاب کا دین اختیار کر لیا ہو اور زندیق اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ......المائدہ: ۳/۵

اور وہ جانور جسے بتوں کی قربان گاہ پر ذبح کیا گیا ہو۔

وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ......المائدہ: ۳/۵

اور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔

اس لئے کہ ذبح کرتے وقت غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونا حرام ہے۔ اور مرتد جس دین کی طرف منتقل ہوا ہے اس پر قائم نہیں رہنے دیا جائے گا۔ اس بناء پر بت پرست ممالک جیسے جاپان اور کمیونسٹ ممالک جیسے روس اور چین اور آسمانی دین نہ رکھنے والے ممالک جیسے ہندوستان سے برآمد کردہ گوشت حرام ہے۔ اسی طرح باطنیہ کا ذبیحہ بھی حرام ہے۔ البتہ جس کا دین اسلام پر ایمان اور اپنی ملت کو چھوڑنا ثابت ہو جائے اس کا ذبیحہ حلال ہوگا۔

جن کا ذبیحہ بالاتفاق حلال ہے...... مسلمان مرد جو عاقل بالغ ہو اور اپنی نماز ضائع نہ کرتا ہو اس کا ذبیحہ بالاتفاق حلال ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ......المائدہ: ۳/۵

الا یہ کہ تم اس کو ذبح کر چکے ہو۔

اس میں مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

جن کے بارے فقہاء کا اختلاف ہے...... جن لوگوں کے ذبیحے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے ان میں سے مشہور درج ذیل ہیں۔ اہل کتاب، مجوسی، صابی، عورت، بچہ، مجنون، نشئی، چور اور غاصب۔

ا۔ کتابی کا ذبیحہ...... اہل کتاب کا ذبیحہ اصولی طور پر بالاجماع جائز ہے۔ ❷ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

❶ ......بداية المجتهد: ۴۳۵/۱، القوانين الفقهية: ص ۱۸۰، الميزان: ۶۰/۲، رحمة الامة بهامش الميزان للدمشقي: ۱۵۴/۱، البدائع: ۴۵/۵، المهذب: ۲۵۱/۱، المغني: ۵۶۴/۸، كشاف القناع: ۲۰۳/۶۔ ❷ البدائع: سابقه جگه، تكملة الفتح: ۵۲/۸، تبيين الحقائق: ۲۸۷/۵، رد المحتار: ۲۰۸/۵، بداية المجتهد: ۴۳۶/۱، الشرح الكبير: ۹۹/۲، المنتقى على الموطا: ۱۱۲/۲، مغني المحتاج: ۲۶۶/۴ و ما بعدها، المغني: ۵۶۷/۸ وما بعدها، تفسير القرطبي: ۷۶/۶، احكام القرآن للجصاص: ۱۴۶/۱۔

وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ المائدہ:۵/۵

”اور جن لوگوں کو (تم سے پہلے) کتاب دی گئی تھی، ان کا کھانا (ذبیحہ) بھی تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔“

جائز وہ ہے جس کے بارے میں وہ اپنی شریعت میں حلال ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوں۔ اور وہ ان پر حرام نہ ہو۔ جیسے خنزیر کا گوشت۔ اور اگر ان کے بسم اللہ کہنے کا علم نہ ہو یا ذبیحہ ان کے گرجوں اور عیدوں کے لئے ہو۔ اور اگر چہ وہ اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوں جیسے اونٹ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”یہود ونصاریٰ کے ذبیحے اس وجہ سے حلال ہیں کہ وہ توراۃ اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں۔“ ❶

البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو ذبیحے ان کے لئے حرام ہیں ہمارے لئے مکروہ ہیں۔ جیسے اونٹ اور خالص چربی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں اسی کا ذکر ہے:

وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ اَوِ الْحَوَايَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ الانعام:۶/۱۴۶

اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا، اور گائے اور بکری کے اجزاء میں سے ان کی چربیاں حرام کی تھیں، البتہ جو چربی ان کی پشت پر یا آنتوں پر لگی ہو یا جو کسی ہڈی سے ملی ہوئی ہو وہ مستثنیٰ تھی۔ ❷

جمہور نے اس کی اجازت دی ہے۔ اس لئے کہ ہماری شریعت اس بارے میں خاموش ہے۔ لہٰذا یہ اپنی اصل یعنی اباحت پر باقی رہے گی۔

اسی طرح مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اور ایک روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافروں کے گرجوں اور عیدیوں کے لئے ذبح کئے جانے والے جانور مکروہ ہیں۔ اس لئے کہ اس میں ان کے شرک کی تعظیم ہے۔ اور اس لئے کہ ذبح کرنے والے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا ارادہ کیا ہے۔ اور اللہ کا نام نہیں لیا۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔

اگر یہ معلوم ہو کہ ذبح کرنے والے نے ذبیحے پر غیر اللہ کا نام لیا ہے۔ کہ نصرانی نے مسیح کے نام پر ذبح کیا یا یہودی نے حضرت عزیرؑ کے نام پر ذبح کیا۔ تو جمہور کے نزدیک حلال نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ المائدہ:۵/۳

اور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔

وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الانعام:۶/۱۲۱

اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ۔

یہ رائے صحیح ہونے کی زیادہ حق دار ہے۔ اس لئے کہ ذبیحہ کے حلال ہونے سے مراد یہ ہے کہ شرط کے مطابق ذبح کیا جائے۔ جیسا کہ مسلمان کے لئے ہے۔

مالکیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے حرام نہیں۔ اس لئے کہ یہ آیت عام ہے:

وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ المائدہ:۵/۵

”اور جن لوگوں کو (تم سے پہلے) کتاب دی گئی تھی ان کا کھانا (ذبیحہ) تمہارے لئے حلال ہے۔“

اس لئے کہ اللہ کے علم میں تھا کہ عنقریب یہ لوگ اپنے ذبیحوں پر غیر اللہ کا نام لیں گے۔ اور اس لئے بھی کہ وہ جو اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں وہ درحقیقت عبادت کے طور پر نہیں ہوتا۔ تو ان کے لئے اللہ کا نام لینا اور نہ لینا برابر ہوا۔

---

❶ ......اس کو حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور صحیح کیا ہے۔ ❷ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”ذی ظفر“ سے مراد اونٹ، شتر مرغ، بطخ اور ہر وہ جانور جس کی انگلیاں جدا جدا نہ ہوں۔

شافعیہ نے کتابی کے ذبیحہ اور کتابی سے نکاح کے حلال ہونے کے لئے ایک شرط ❶ لگائی ہے۔ وہ یہ کہ کتابی اگر ❷ اسرائیلی نہ ہو اور اس کی قوم (یعنی اس کے آباؤ واجداد میں سے سب سے پہلے یہ دین اختیار کرنے والا) کے بارے میں علم ہو کہ اس نے یہ دین (حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام کا دین) نسخ اور تحریف سے پہلے قبول کیا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ اس کا ذبیحہ حلال ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے یہ دین اس وقت قبول کیا تھا جب وہ حق تھا۔

اور اگر کتابی اسرائیلی ہو تو اس کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کے آباؤ واجداد کے بارے میں یہ علم حاصل نہ ہو کہ انہوں نے یہ دین کسی فسخ کرنے والی شریعت کے بعد قبول کیا ہے۔ یعنی یا تو ان کے آباؤ واجداد کے بارے میں علم ہو کہ انہوں نے یہ دین بعثت سے پہلے قبول کیا ہے۔ یا شک ہو۔ اگر تحریف کے بعد یہ دین قبول کرنے کا علم ہو گیا یا کسی ایسی بعثت کے بعد جو فسخ کرنے والی نہیں جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی درمیانی بعثت تو اس کا ذبیحہ حلال ہے اور عورت سے شادی بھی حلال ہے۔ ❸ میرے علم کے مطابق شافعیہ کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کتابیوں کے ذبیحے کھائے ہیں اور ان کی عورتوں سے نکاح بھی کئے ہیں لیکن اس شرط کے پائے جانے کی تحقیق میں نہیں پڑے۔

۲۔ مجوسی کا ذبیحہ...... مجوسی کا ذبیحہ اور شکار نہیں کھایا جائے گا اس لئے کہ وہ مشرک ہیں۔ ❹ اہل کتاب میں سے نہیں ہیں۔ اس لئے کہ مجوسی دو پیدا کرنے والوں کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ خیر کا خالق اور شر کا خالق۔ اور اس لئے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''ان سے اہل کتاب کی طرح پیش آؤ سوائے اس کے کہ ان کی عورتوں سے نکاح نہیں کرنا اور ان کا ذبیحہ نہیں کھانا۔'' ❺ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے قیس بن سکن الاسدی سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''آپ نبط (عراق کے درمیان آباد ایک عجمی قوم) سے فارس آتے ہیں۔ جب گوشت خرید و تو اگر وہ یہودی یا نصرانی کا ذبح کیا ہوا ہو تو کھاؤ۔ اور اگر مجوسی کا ذبیحہ ہو تو نہ کھاؤ۔''

۳۔ صابی کا ذبیحہ...... صابیوں کے بنیادی عقائد اگر اہل کتاب کے موافق ہوں تو انکا ذبیحہ کھایا جائے گا۔ اگر موافق نہ ہوں بلکہ ان کا دین مجوسیت اور نصرانیت کے درمیان ہو یا وہ ستاروں کے مؤثر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں تو ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ ❻ یہ شافعیہ کا مسلک ہے۔ ان کی رائے زیادہ راجح ہے۔ ان کے برخلاف حنفیہ مطلقاً جائز ہونے اور مالکیہ مطلقاً حرام ہونے کے قائل ہیں۔

۴۔ عورت اور بچے کا ذبیحہ...... ❼ عورت کا ذبیحہ حلال ہے اگر چہ وہ حائضہ ہو۔ اسی طرح ممیز اور سمجھ دار بچے کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔ اس لئے کہ عورت میں پوری اہلیت موجود ہے۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ ذبح کرنے والا مرد ہو۔ اس لئے اس میں ذبح کرنے کی طاقت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح سمجھ دار بچے صحیح ارادہ کر سکتا ہے۔ اس لئے وہ بھی بالغ کے مشابہ ہوا۔ غیر ممیز اور نا سمجھ بچے کا ذبیحہ بھی کراہت کے ساتھ جائز

---

❶ مغنی المحتاج: ۱۸۷/۳ وما بعدھا۔ ❷ یہ اسرائیل کی طرف منسوب ہے۔ اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام ہیں۔ ❸ شیعہ امامیہ کے نزدیک کتابی کا ذبیحہ حلال نہیں اس لئے کہ حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا (ان کے بقول) کہنا ہے ''ان کا ذبیحہ نہ کھاؤ'' اور اس لئے کہ وہ جس معبود کا ذکر کرتے ہیں، اگر وہ کرتے بھی ہیں تو وہ ابوالمسیح اور ابوعزیر ہے۔ اس کا ذکر ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ (المختصر النافع فی ففقہ الا مامیہ: ص ۲۵۱) ❹ تبیین الحقائق: ۲۸۷/۵، البدائع: ۴۵/۵، الدر المختار: ۲۹، بدایۃ المجتہد: ۴۳۸/۱، مغنی المحتاج: ۲۶۶/۴، المغنی: ۵۷۰/۸۔ ❺ ان الفاظ کے ساتھ ''غریب'' ہے۔ ایک اور طریق سے بھی مروی ہے جو کہ مطعون ہے۔ جو لوگ مجوسی کے ذبیحہ کے حلال ہونے کا نظریہ رکھتے ہیں جیسے ابوثور رحمۃ اللہ علیہ وہ اسی حدیث کے پہلے جز ''سنوابھم سنۃ اھل الکتاب'' سے استدلال کرتے ہیں۔ ❻ القوانین الفقھیہ: ص ۱۸۰، بدایۃ المجتہد: ۴۳۸/۱۔ ❼ تکملۃ الفتح: ۵۲/۸، اللباب: ۲۲۳/۳، الدر المختار وحاشیۃ: ۲۰۹/۵، تبیین الحقائق: ۲۸۷/۵، بدایۃ المجتہد: ۴۳۸/۱، القوانین الفقھیہ: ص ۱۸۱، الشرح الکبیر: ۹۹/۲ مغنی المحتاج: ۲۶۷/۴، المہذب: ۲۵۱/۱، کشاف القناع: ۲۰۳/۶، المغنی: ۸ ۵۶۴، ۵۶۷، ۵۷۳، ۵۸۳۔

ہے۔اس لئے اس کا بھی فی الجملہ قصد وارادہ ہوتا ہے۔جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا ذبیحہ صحیح نہیں۔اس لئے کہ اس کا کوئی قصد نہیں ہوتا۔نہ تو وہ اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی سمجھ رکھتا ہے۔اور نہ ذبح کرنے کی شرائط اچھی طرح جانتا ہے کہ کون کون سی اور کتنی رگوں کو کاٹنا ہے اور کاٹتے ہوئے کیا پڑھنا ہے۔

۵۔مجنون اور نشے والا......جمہور کے نزدیک ان دونوں کا ذبیحہ حلال نہیں۔اس لئے کہ ناسمجھ بچے کی طرح ان کا بھی کوئی قصد نہیں ہوتا۔شافعیہ نے اپنے راجح قول میں ان کے ذبیحے کو کراہت کے ساتھ جائز رکھا ہے۔اس لئے کے فی الجملہ انکا بھی قصد وارادہ ہوتا ہے۔[1]

۶۔چور اور غاصب......ظاہریہ کے سوا جمہور فقہاء نے ان کے ذبیحہ کو اور مستکرہ کے ذبیحے کو جائز کہا ہے۔اس لئے کہ ان کا صحیح قصد ہوتا ہے۔اور اس لئے کہ مالک ہونا ذبح کی شرائط میں سے نہیں۔[2] اس لئے کہ ان کے ذبیحے کا کراہت کے ساتھ جائز ہونا سنت سے ثابت ہے۔جیسا کہ بھنی ہوئی بکری والی حدیث میں آتا ہے کہ اس کو مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کر دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اسے قیدیوں کو کھلا دو۔“[3]

ذبح کرنے والے کی شرطیں......ماقبل میں ذکر کی گئی بحث سے ذبح کرنے والے کی شرطیں بھی واضح ہوگئیں۔وہ یہ کہ ذبح کرنے والا ممیز اور سمجھ دار ہو، عاقل ہو، مسلمان یا پھر کتابی ہو چاہے ذمی ہو یا حربی یا بنی تغلب کے نصاریٰ میں سے ہو، ذبح کرنے اور پاک کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اگر چہ اسے ذبح کرنے پر مجبور کیا گیا ہو، مرد ہو یا عورت، پاک یا حائضہ اور جنبی، دیکھنے والا ہو یا اندھا، عادل ہو یا فاسق۔اس لئے کہ تمام دلائل عام ہیں اور کوئی مخصص موجود نہیں۔

لہٰذا ناسمجھ، مجنون اور نشے والے کا ذبح کیا ہوا جمہور کے نزدیک صحیح نہیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔اسی طرح مشرک، مجوسی، بت پرست اور مرتد کا ذبیحہ بھی نہیں کھایا جائے گا۔شافعیہ کے نزدیک اندھے، ناسمجھ یعنی غیر ممیز، مجنوں اور نشے والے کا ذبیحہ مکروہ ہے۔نصرانی، یہودی، فاسق اور تارک نماز کا ذبیحہ سب کے نزدیک مکروہ ہے۔

عورت کا ذبیحہ جائز ہونے کی دلیل وہ روایت ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی بیٹی بکریاں چرا رہی تھی۔ایک بکری زخمی ہوگئی۔اس نے اسے پتھر سے ذبح کر دیا۔انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کھالو۔[4]

دوسری بحث: ذبح کے بیان میں......اس میں تین مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد: کاٹی جانے والی رگوں کی تعداد......علماء کا اتفاق ہے کہ جس ذبح میں دوشہ رگیں، نرخرہ یعنی کھانے کی نالی اور حلق یعنی سانس کی نالی کاٹ دی جائے وہ کھانے کے لئے حلال ہے۔پھر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ وہ کم سے کم مقدار کیا ہے جس کو کاٹنا واجب ہے۔

ا۔حنفیہ......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ [5] فرماتے ہیں کہ چار میں سے اکثر کا یعنی تین کا کاٹنا واجب ہے۔وہ چار حلق یعنی سانس کی نالی، نرخرہ یعنی کھانے کی نالی اور دوشہ رگیں ہیں۔اگر ذبح کرنے والے نے ایک چھوڑ دی تو حلال ہو جائے گا۔اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے۔”أفر الاوداج بما شئت“ جس سے چاہو رگوں کو کاٹ لو۔[6] اوداج جمع ہے اس کا کم سے کم اطلاق تین پر ہوتا ہے۔

---

[1] ... سابقہ حوالہ جات۔ [2] بدایة المجتهد: ۱/ ۴۳۸ و مابعدها، القوانین الفقهیه: ص ۱۸۱۔ [3] اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عاصم بن کلیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔(نیل الاوطار: ۵/ ۳۲۱ و مابعد) [4] اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔(نیل الاوطار: ۸/ ۱۳۹) [5] البدائع: ۵/ ۴۱، الدر المختار: ۵/ ۲۰۷، تبیین الحقائق: ۵/ ۲۹۰، اللباب: ۳/ ۲۲۶، تکملة الفتح: ۸/ ۵۷۔ [6] علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ ”غریب“ ہے۔اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔”امرر الدم بما شئت واذکر اسم اللہ“ اور ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:”کل ما افری الاوداج الا السن والظفر“: جو چیز بھی رگوں کو کاٹ دے سوائے ناخن کے اور دانت کے۔(نصب الرایة: ۴/ ۱۸۵ وما بعد)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حلق نرخرہ اور ایک شہ رگ کا کاٹنا ضروری ہے۔اس لئے کہ ہر رگ کے کاٹنے کا مقصود دوسری سے الگ ہے۔حلق سانس کی نالی،نرخرہ کھانے کی نالی اور شہ رگیں خون کی نالیاں ہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چاروں میں سے ہر ایک کا اکثر حصہ کاٹنا ضروری ہے۔اس لئے کہ جب چاروں کا اکثر حصہ کٹ گیا تو ذبح کا مقصود حاصل ہو گیا۔اور مقصود خون کا نکلنا ہے۔

۲۔مالکیہ.....مالکیہ کا مشہور قول یہ ہے ❶ کہ پورا حلق اور پوری شہ رگیں کاٹنا ضروری ہے۔ان کے نزدیک نرخرہ کاٹنا ضروری نہیں۔ان کا مذہب حنفیہ کے قریب ہے۔

ان کی دلیل حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث سے سمجھ میں آتی ہے:''جو خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اسے کھالو۔'' ❷ اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث:''جو رگوں کو کاٹ لے جب تک کہ ٹوٹا ہوا دانت یا کٹا ہوا ناخن نہ ہو۔'' ❸ پہلی حدیث صرف بعض رگوں کے کاٹنے کا تقاضا کرتی ہے۔خون بہانے کے یہی معنی ہیں اور دوسری تمام رگوں کے کاٹنے کا تقاضا کرتی ہے۔حلقوم کے بغیر شہ رگوں کو کاٹنا ممکن نہیں۔اس لئے کہ ان دونوں نے اس کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔یہ تمام آراء میں سے باریک اور صحیح رائے ہے۔

۳۔شافعیہ اور حنابلہ.....شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ❹ حلقوم (سانس کی نالی) اور نرخرہ (کھانے کی نالی) کاٹنا ضروری ہے۔اس لئے کہ ان کے کٹنے سے زندگی کے تار بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔دونوں شہ رگوں (یہ گردن کے دونوں طرف دو رگیں ہیں) کو کاٹنا مستحب ہے۔اس لئے اس سے اچھی طرح ذبح ہو جاتا ہے اور اختلاف سے بھی بچت ہو جاتی ہے۔حلقوم اور نرخرہ کاٹنے سے جانور حلال ہو جاتا ہے۔بشرطیکہ ان دونوں کو کاٹنے کے ابتدائی وقت میں حیاۃ مستقرہ موجود ہو (یعنی اختیاری حرکت یا خون پھوٹنا) اگر ان دونوں کو جلدی جلدی نہ کاٹا اور اس میں حیات مستقرہ نہیں رہی بلکہ ذبح کئے ہوئے جانور جیسی زندگی رہ گئی تو حلال نہیں ہوگا۔اس لئے کہ یہ مردار ہو گیا۔اس کے بعد ذبح کرنا فائدہ نہیں دے گا۔

دوسرا مقصد: کاٹنے کی جگہ.....اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر حلق کی گرہ درمیان سے کاٹ دی گئی اور اس کا بعض حصہ جسم کی طرف اور بعض سر کی طرف چلا گیا تو ذبیحہ حلال ہو جائے گا۔

اگر گرہ درمیان سے نہ کٹی بلکہ جسم کی طرف چل گئی تو حنفیہ کے سوا جمہور فقہاء کے نزدیک اسے نہیں کھایا جائے گا۔اس لئے کہ حلقوم کو کاٹنا ذبح کی شرط ہے اس لئے گرہ کو کاٹنا ضروری ہے۔اگر گرہ سے اوپر کاٹا گیا تو حلقوم کٹنے سے بچ جائے گی۔اس بنا پر یہ ضروری ٹھہرا کہ گرہ کے دو پورے دائرے باقی رہیں۔ایک اوپر کی طرف اور دوسرا نیچے کی طرف۔ورنہ جانور حلال نہیں ہوگا۔اس لئے کہ اس صورت میں یہ ذبح نہ ہوا بلکہ الگ الگ اور ٹکڑے ٹکڑے ہوا۔

حنفیہ اور بعض مالکیہ فرماتے ہیں۔کہ اس کو کھایا جائے گا۔اس لئے کہ حلقوم ہی کو کاٹنا شرط نہیں۔اگر اس نے گرہ کے اوپر سے کاٹ لیا تو یہ بھی جائز ہے۔❺ ذبح کی شرط اکثر رگوں کو کاٹنا ہے۔یہ پائی گئی ہے۔

---

❶.....الشرح الکبیر: ۲/۹۹، بدایۃ المجتہد: ۱/۴۳۱، القوانین الفقھیہ: ص ۱۸۴۔ ❷ اس کی صحت پر اتفاق ہے۔اسے محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔(نیل الاوطار:۸/۱۴۱) ❸ اس کو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معجم میں روایت کیا ہے۔(نصب الرایۃ:۴/۱۸۶) ❹ مغنی المحتاج: ۴/۲۷۰، المھذب: ۱/۲۵۲، کشاف القناع:۶/۲۰۴، المغنی:۸/۵۷۵، بجیرمی الخطیب: ۴/۲۴۹۔ ❺ الشرح الکبیر:۲/۹۹۔بدایۃ المجتہد: ۱/۴۳۲، اللباب شرح الکتاب:۳/۲۲۵ وما بعدھا، القوانین الفقھیہ: ۱۸۴، ردالمحتار: ۵/۲۰۷۔

حنفیہ کے ہاں مختار یہی ہے کہ جو چیز بھی زندہ حالت میں ذبح کی گئی وہ کھائی جائے گی۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تفصیل کے بغیر ہے۔

إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ......المائدہ: ۵/ ۳

''سوائے اس کے جو تم ذبح کر لو۔''

تیسرا مقصد: گدی کی طرف سے ذبح کرنا...... مالکیہ ❶ فرماتے ہیں کہ گدی کی طرف سے ذبح کیا ہوا جانور نہیں کھایا جائے گا۔ اسی طرح وہ جانور بھی نہیں کھایا جائے گا جس کو گردن کی ایک طرف سے ذبح کیا جائے۔ جب کہ کاٹتے کاٹتے وہ تمام رگیں کاٹ لی جائیں جن کو ذبح میں کاٹنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے کہ گدی کی طرف ذبح کی جانے والی رگوں تک حرام مغز کو کاٹے بغیر نہیں پہنچا جا سکتا۔ اور حرام مغز ایک مقتل ہے یعنی ایسے حساس اعضاء میں سے ہے جن تک ضرب پہنچنے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ تو اس صورت میں ایسے جانور کو ذبح کرنا لازم آئے گا جس کا مقتل پہلے ہی متاثر ہو چکا ہے۔

جمہور فقہاء ❷ فرماتے ہیں کہ جانور کو گدی اور گردن کی ایک جانب سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو گناہ گار ہوگا۔ اس لئے کہ یہ جانور کو عذاب دینے والی بات ہے۔ لیکن اگر گردن اتنی پھرتی سے کاٹی کہ جانور میں حیات مستقرہ کی ہوتے ہوئے چھری ذبح کی جگہ تک پہنچ گئی یہاں تک کہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق رگیں کاٹ لیں اور شافعیہ وحنابلہ کے مسلک کے مطابق حلق اور نرخرہ کاٹ دیئے...... تو اس کا کھانا جائز ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ بغیر ذبح کے مر گیا ہے۔ اب یہ کیسے پتہ چلے گا کہ جانور میں حیات مستقرہ تھی یا نہیں؟ یہ دو طریقوں سے معلوم ہو سکتا ہے۔ حرکت سے اور ذبح کی جگہ کے کاٹنے کے بعد خون پھوٹنے سے یہ ذبح سے پہلے حیات مستقرہ کی بقا کی دلیل ہے۔ اگر پتہ نہ چلے اور شک ہو جائے کہ ذبح کی جگہ کاٹنے سے پہلے حیات مستقرہ تھی یا نہیں تو دیکھا جائے گا۔ اگر چھری کی تیزی اور کاٹنے کی پھرتی کی وجہ سے غالب پر ہو کہ زندگی باقی تھی تو اس کا کھانا مباح ہوگا۔ اور اگر چھری کند تھی اس لئے کاٹتے ہوئے دیر ہوگئی اور جانور عذاب میں مبتلا رہا تو اس کو کھانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس کو حلال کرنے والی چیز (زندگی) کے بارے میں شک پڑ گیا ہے۔ اور یہ مردار ہو گیا ہے۔ اب ذبح کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

چوتھا مقصد: حرام مغز کاٹ دینا...... اگر ذبح کرنے والا دیر تک ذبح کرتا رہا یہاں تک کہ حرام مغز ❸ کو کاٹ ڈالا یا پوری گردن ہی کاٹ ڈالی اور سر تن سے جدا کر دیا تو حنابلہ ❹ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حرام مغز تک چھری پہنچانے سے منع فرمایا۔ اور اس لئے بھی کہ اس سے جانور زیادہ عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اگر ایسا کر دیا تو حرام نہیں۔ اس لئے کہ حرام مغز ذبح کے بعد تو کٹ ہی جاتی ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❺ اگر چھری سے ذبح کرتے ہوئے یا تلوار سے حلال جانور کا سر تن سے جدا کر دیا تو یہ مطلقاً مباح ہے۔ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اس کے کھانے کا فتویٰ دیا ہے۔

---

❶......بدایۃ المجتھد، القوانین الفقھیۃ سابقہ جگہ، الشرح الکبیر: ۲/ ۹۹، شرح الرسالہ: ۱/ ۳۷۹۔

❷الدر المختار: ۵/ ۲۰۸، اللباب: ۳/ ۲۲۷، تکملۃ الفتح: ۸/ ۶۰، الشرح الصغیر: ۲/ ۱۷۴، القوانین الفقھیہ وبدایۃ المجتھد: سابقہ جگہ، المھذب: ۱/ ۲۵۲، مغنی المحتاج: ۴/ ۲۷۱، کشاف القناع: ۶/ ۲۰۵ المیزان: ۲/ ۶۰، المغنی: ۸/ ۵۷۸ وما بعدھا۔ ❸النخاع: یہ سفید رنگ کی ایک رگ ہے جو دماغ سے پھیلنا شروع ہوتی ہے۔ اور ریڑھ کی ہڈی سے ہوتی ہوئی دم کی جڑ تک جاتی ہے۔ ❹الدر المختار، بدایۃ المجتھد، المھذب: سابقہ جگہ، القوانین الفقھیہ: ۱۸۵، اللباب مع الکتاب: ۳/ ۲۲۷۔ ❺کشاف القناع: ۶/ ۲۰۵ وما بعدھا۔

پانچواں مقصد: جلدی جلدی ذبح کرنا...... جمہور ❶ فقہاء کے نزدیک ذبح کو تیزی سے مکمل کرنا شرط ہے۔ اگر پورے طور پر ذبح کئے بغیر اس نے ہاتھ اٹھالیا پھر فوراً رکھ دیا تو ذبیحہ کھایا جائے گا۔ اگر درمیان میں وقفہ کرلیا تو نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اس پر ذبح سے پہلے قتل کا اثر پہنچ گیا ہے۔

حنفیہ ❷ فرماتے ہیں، رگیں کاٹنے میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ اس میں سستی مکروہ ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے ''اسے چاہئے کہ اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔'' اور ذبح میں جلدی کرنا راحت پہنچانے کی ہی ایک صورت ہے۔

چھٹا مقصد: ذبح کی شرطیں یا شرعی ذبح...... ذبح کے جائز ہونے کے لئے مذکورہ شرطوں رگوں کا کاٹنا، تیزی سے ذبح کرنا، ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا کے علاوہ بھی کچھ شرطیں ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

اول: نیت اور قصد کرنا...... یعنی جانور کو پاک کرنے اور کھانے کا قصد کرے۔ محض مارنے کا ارادہ نہ ہو۔ علماء کا اتفاق ہے ❸ کہ ذبح کرتے وقت بعینہ اسی جانور کا ارادہ کرنا ضروری ہے۔

اگر ذبح کی نیت کئے بغیر رگیں کاٹ دیں تو ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ جیسے کسی نے جانور کو آلے سے مارا۔ وہ اس کی ذبح والی جگہ لگ گیا۔ یا شکار کو جالگا یا اس نے جان سے مار ڈالنے کا قصد کیا ذبح کرنے کا ارادہ نہیں کیا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ ❹

دوم: ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا یاد ہونے کی حالت میں...... ذبح، نحر یا عقر غیر اختیاری ذبح میں زخمی کرنا) کرتے وقت ہاتھ کی حرکت کے ساتھ ساتھ بسم اللہ پڑھے، اس کے ساتھ تکبیر پڑھنا سنت ہے۔ یعنی یوں کہے "بسم اللہ واللہ اکبر"۔ شافعیہ کے علاوہ جمہور فقہاء فرماتے ہیں ❺ کہ ذبح کرتے وقت اور عقر کی صورت میں چھوڑتے وقت بسم اللہ کہنا شرط ہے۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کا نام جان بوجھ کر نہ لیا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ چاہے قربانی ہو یا کچھ اور ایسا جانور مردار ہوگا۔ اگر بسم اللہ بھولے سے چھوڑ دی یا مسلمان ذبح کرنے والا گونگا یا مستکرہ تھا تو یہ ذبیحہ کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ لَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ...... الانعام: ۶/ ۱۲۱

''اور جس جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ، اور ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔''

حنابلہ مزید فرماتے ہیں جس نے شکار پر جان بوجھ کر یا بھولے سے بسم اللہ چھوڑ دی اس شکار کو نہیں کھایا جائے گا۔ اس بنیاد پر ان کے مذہب کی تحقیق یہ ہے کہ ذبیحے پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول سے ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن شکار پر بھولنے سے ساقط نہیں ہوتا۔ ظاہر یہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ مطلقاً شرط ہے اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو چاہے جان بوجھ کر یا بھولے سے۔ اسے نہیں کھایا جائے گا۔

شافعیہ ❻ فرماتے ہیں کہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا سنت ہے واجب نہیں ہے۔ اور اسے چھوڑنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ

---

❶ ...ردالمحتار: ۵/ ۲۰۷، بدایۃ المجتہد، القوانین الفقھیہ: سابقہ جگہ، مغنی المحتاج: ۴/ ۲۷۱، کشاف القناع: ۶/ ۲۰۴، شرح رسالۃ القیروانی: ۱/ ۴۷۹۔ ❷البدائع: ۵/ ۶۰۔ ❸تکملۃ الفتح: ۸/ ۵۳، تبیین الحقائق: ۵/ ۲۸۷، رد المحتار: ۵/ ۲۰۹، الشرح الکبیر: ۲/ ۱۰۶، بدایۃ المجتہد: ۱/ ۴۳۵، القوانین الفقھیہ: ص ۱۸۴، مغنی المحتاج: ۴/ ۲۷۶، وما بعدھا، المغنی: ۸/ ۵۸۱، کشاف القناع ۶/ ۲۰۲۔ ❹نووی رحمۃ اللہ علیہ نے المنہاج میں فرمایا ہے (مغنی المحتاج: سابقہ جگہ) ''اگر کسی آدمی کے ہاتھ میں مثلاً چھری ہو، وہ اس کے ہاتھ سے گر جائے اور اس سے شکار زخمی ہو جائے یا بکری کو لگ گئی، اور وہ اس کے ہاتھ میں تھی، اس کی سانس اور کھانے کی نالی کٹ گئی یا کتا خود بخود شکار کے لئے گیا اور پھر مالک نے اس کو بھڑکایا جس سے اس کو شہ مل گئی تو صحیح یہ ہے کہ شکار حلال نہیں ہوگا۔ اس لئے خود بخود جانا محرم اور بھڑکانا مبیح ہے۔ دونوں جمع ہو گئے ہیں تو حرمت والی جہت غالب رہے گی۔'' ❺البدائع: ۵/ ۶، تکملۃ الفتح: ۸/ ۵۴، تبیین الحقائق: ۵/ ۲۸۸، الدرالمحتار: ۵/ ۲۱۰، الشرح الکبیر: ۲/ ۱۰۶، بدایۃ المجتہد: ۱/ ۴۳۴، القوانین الفقھیہ ص ۱۸۵، کشاف القناع، ۶/ ۲۰۶، المغنی: ۸/ ۵۶۵۔ ❻مغنی المحتاج: ۴/ ۲۷۲، المھذب: ۱/ ۲۵۲۔

کا فرمان ہے:

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ الانعام:۶/ ۱۱۸

”ہر اس (حلال) جانور میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔“

اگر بھولے سے یا جان بوجھ کر بسم اللہ ترک کر دی تو بھی کھانا حلال ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان:

إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ المائدۃ:۵/ ۳

سوائے اس کے جس کو تم ذبح کر لو۔

میں ذبح کئے ہوئے جانور کو مباح کہا ہے اور بسم اللہ کا ذکر نہیں کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ذبیحوں کو مباح کیا ہے لیکن وہ عام طور پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ معلوم ہوا کہ یہ واجب نہیں ہے۔ ”حرام ذبیحہ وہ ہوتا ہے جس پر اللہ کے غیر کا نام لیا گیا ہو۔ جو بتوں کے لئے ذبح کیا گیا ہو۔ اس آیت کا مقصود یہی ہے:

أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ الانعام:۶/ ۱۱۶

”اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ۔“

شافعیہ کے مذہب پر درج ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث: کچھ لوگوں نے کہا: ”یا رسول اللہ! ہمارے قوم والے ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس پر بسم پڑھ کر کھا لیا کرو۔“ ❶ مالک کی روایت میں ہے۔ ”وہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے“ اگر بسم اللہ واجب ہوتی تو آپ شک کے باوجود کھانے کی اجازت نہ دیتے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث: وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکار کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ”جب تیر پھینکو تو بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔“ ❷

حضرت صلت السدوسی والی حدیث ”مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے چاہے اللہ کا نام لے یا نہ لے۔“ ❸ فقہاء اس کو ”غریب“ الفاظ میں اس طرح ذکر کرتے ہیں: ”مسلمان اللہ کی نام پر ذبح کرتا ہے بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے۔“ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ”ایک آدمی جانور ذبح کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول جاتا ہے۔“ فرمایا: ”اللہ کا نام ہر مسلمان پر ہے۔“ ❹ یا ”ہر مسلمان کے منہ پر ہے“ یا ”اللہ کا نام ہر مسلمان کے دل میں ہے۔“

دوسری احادیث جن میں بسم اللہ کا کہا گیا ہے۔ جیسے حضرت ابو ثعلبہ والی حدیث: ”آپ اپنی کمان سے جو شکار کریں اس پر اللہ کا نام لیں۔ اور پھر کھائیں۔“ تو یہ ندب پر محمول ہیں۔ یہ رائے زیادہ آسان ہے۔ لیکن جمہور کے دلائل اور احادیث زیادہ صحیح اور قوی ہیں۔ اور ان کی مراد عام ہے۔

ساتواں مقصد: ذبح کی سنتیں

......ذبح میں درج ذیل چیزیں مستحب ہیں۔ یہی ذبح کی سنتیں ہیں۔ ❺

---

❶......اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۸/ ۱۳۹، نصب الرایۃ: ۴/ ۱۸۳ او ما بعدھا) ❷ اس کو ائمہ ستہ نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/ ۱۸۴) ❸ یہ روایت مرسل ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مراسیل میں روایت کی ہے: (نصب الرایۃ: ۴/ ۱۸۳) ❹ اس کو دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور اس میں ضعف ہے (نصب الرایۃ: گزشتہ جگہ) ❺ البدائع: ۵/ ۶۰، الدرالمختار: ۵/ ۲۰۸، تبیین الحقائق: ۵/ ۲۹۱، تکملۃ الفتح: ۸/ ۶۰، بدایۃ المجتہد: ۱/ ۴۳۵، القوانین الفقھیہ: ص ۱۸۵ الشرح الکبیر: ۴/ ۲۷۱ وما بعدھا، المہذب: ۱/ ۲۵۱ وما بعدھا، کشاف القناع: ۶/ ۲۰۸ وما بعدھا۔

۱.....بسم اللہ کہنا شافعیہ کے نزدیک سنت ہے۔ تکبیر کہنا سنت ہے۔ ذبح کرنے والا یوں کہے: **بسم اللہ واللہ اکبر** یہ نہ کہے: **باسم اللہ واسم محمد**۔ شافعیہ نے اس میں اضافہ کیا ہے کہ درود بھی پڑھے اس لئے کہ یہ مقام عبادت ہے۔

۲.....ذبح دن کے وقت کیا جائے۔ حنفیہ کے نزدیک رات کو ذبح کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ وہ اس کو قربانی پر قیاس کرتے ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رات ذبح کرتے وقت غلطی کا خدشہ ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے [1] مروی ہے کہ انہوں نے رات کو قربانی کرنے سے اور رات کو فصل کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔

۳.....ذبیحہ اور ذبح کرنے والا دونوں قبلہ رخ ہوں۔ اس لئے کہ یہ عظمت والی سمت ہے اور تمام جہات سے افضل ہے۔ ذبح کرنا عبادت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ذبح کرتے وقت قبلہ رخ ہو جاتے تھے۔ اور اس لئے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کرتے وقت اپنی قربانی قبلہ رخ کی اور سورۂ انعام کی یہ دو آیتیں پڑھیں:

وجہت وجھی.....الخ۔ [2] اگر بھولے سے یا کسی عذر کی وجہ سے قبلہ رخ نہ ہو سکا تو بھی کھایا جائے گا۔

۴.....ذبیحہ کو بائیں کروٹ پر آرام سے لٹایا جائے اور سر کو کھڑا کیا جائے۔ ذبح کرنے والا اس کی ٹھوڑی کے نیچے سے حلق کی کھال کو پکڑ کر کھینچے تاکہ کھال کے اوپر کا حصہ ظاہر ہو جائے۔ پھر حلق پر گرہ کے نیچے چھری چلائے اور گردن کی ہڈی آنے تک کاٹتا رہے۔ اگر ذبح کرنے والا بایاں (بائیں ہاتھ سے کام کرنے والا) ہو تو دائیں کروٹ پر لٹانا بھی جائز ہے۔ بائیں آدمی کا ذبح کرنا مکروہ ہے۔ مستحب یہ ہے کہ وہ کسی کو نائب بنا دے۔

اس کی دائیں ٹانگ کو ذبح کرنے کے بعد چھوڑ دے تاکہ وہ اس کو حرکت دے کر راحت پائے۔ سوائے اونٹ کے کہ اس میں افضل یہ ہے کہ کھڑے کھڑے بایاں گھٹنا باندھ کر نحر کیا جائے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ.....الحج: ۲۲/۳۶

''جب وہ ایک قطار میں کھڑے ہوں ان پر اللہ کا نام لو۔''

۵.....اونٹ کو کھڑے کھڑے بایاں گھٹنا باندھ کر نحر کیا جائے گا۔ گائے اور بھیڑ بکری کی دائیں کروٹ پر لٹا کر ذبح کیا جائے گا۔ بائیں ٹانگ چھوڑ دی جائے گی اور باقی پائے یعنی ٹانگیں باندھ دی جائیں گی۔ اس لئے کہ اونٹ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ.....الحج: ۲۲/۳۶

جب وہ ایک قطار میں کھڑے ہوں ان پر اللہ کا نام لو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''**ای قیاما علی ثلاث**'' [3] یعنی تین ٹانگوں پر کھڑا کر کے۔ بکری کے بارے میں صحیحین میں ہے کہ آپ نے اس کو لٹایا۔ گائے وغیرہ کو اسی پر قیاس کیا جائے گا۔ اس لئے کہ اس میں ذبح کرنے والے کے لئے آسانی ہے کہ وہ دائیں ہاتھ میں چھری اور بائیں ہاتھ سے سر کو پکڑے گا۔

اہل علم کا اتفاق ہے کہ اونٹ کو نحر کرنا [4] اور باقی جانوروں کو ذبح کرنا مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ الکوثر: ۱۰۸/۲

---

[1] .....امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رات کو ذبح کرنے سے منع فرمایا۔ لیکن اس کی اسناد میں متروک ہے۔ بیہقی میں حضرت حسن سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ [2] اس کو امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/۱۲۶) [3] اس کو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔ [4] نحر کا مطلب یہ ہے کہ اونٹ کی گردن کی جڑ اور سینے کے درمیان میں جو گڑھا ہے اس میں کوئی برچھا وغیرہ مارا جائے۔

''تم اپنے پروردگار (کی خوشنودی) کے لئے نماز پڑھواور قربانی کرو۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ......البقرہ ۲/۶۷

''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔''

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمیں نحر کا حکم ہے اور بنی اسرائیل کو ذبح کا حکم تھا۔ ❶ اور یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کو نحر کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے قربانی کئے دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔ ❷

۶......رگیں ساری کی ساری کاٹنا اور تیزی سے ذبح کرنا بھی سنت ہے۔ کچھ کاٹنا، کچھ نہ کاٹنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے زندگی ختم ہونے میں دیر ہو جاتی ہے۔ ذبح کرتے ہوئے حرام مغز تک نہ پہنچے۔ اسی طرح سر کو تن سے جدا بھی نہ کرے۔ اگر ایسا کر لیا تو مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے بلاضرورت زائد تکلیف پہنچتی ہے۔ جیسا کہ گزر چکا۔

۷......جانور کو لٹانے سے پہلے چھری تیز کرنا۔ لیکن جانور کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے۔ اس لئے کہ جانور دیگر خطرات کی طرح چھری کو بھی پہچانتے ہیں اور اس سے بچتے ہیں۔ اگر ان کو لٹا کر چھری تیز کی جائے تو ان کی تکلیف میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر ایک پر اچھا برتاؤ کرنا لازم کیا ہوا ہے۔ جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو۔ اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ ذبح کرنے والے کو چاہئے کہ اپنی چھری تیز کر کے اپنے ذبیحے کو راحت پہنچائے۔'' ❸ بیہقی میں ہے کہ ایک آدمی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ بکری لٹائی ہوئی ہے اور اس کے چہرے کی سائیڈ پر ٹانگ رکھ کر چھری تیز کر رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوڑے سے اس کی خبر لی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک آدمی کے پاس سے ہوا جس نے بکری کی ایک سائیڈ پر ٹانگ رکھی ہوئی تھی۔ وہ چھری تیز کر رہا تھا۔ اور بکری اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ اس کو دو مرتبہ مارنا چاہتا ہے۔ ❹

یہ بھی مستحب ہے کہ ایک بکری کو دوسری کے سامنے ذبح نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری کو تیز کرنے اور جانوروں سے چھپانے کا حکم دیا۔ ❺

۸......جانور کے ساتھ نرمی کی جائے۔ اسے زمین پر زور سے نہ گرایا جائے۔ ٹانگوں سے کھینچ کر ذبح کی جگہ تک نہ لے جایا جائے۔ اس لئے کہ یہ اسے خواہ مخواہ زیادہ تکلیف پہنچانے والی بات ہے۔

آٹھواں مقصد: ذبح کے مکروہات......ذبح کرتے ہوئے مذکورہ بالا سنتوں کو چھوڑنا مکروہ ہے۔ اس لحاظ سے ذبح کے مکروہات درج ذیل ہوں گے۔ ❻

۱......بسم اللہ نہ پڑھنا ان فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے جو اسے واجب اور شرط نہیں قرار دیتے۔ یعنی شافعیہ اور بعض مالکیہ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور کا نام ملانا بھی مکروہ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ذبح کرنے والے کے لئے ذبح کرتے وقت

---

❶......المغنی: ۸/۵۷۵ وما بعدها۔ ❷متفق علیه۔ ❸اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (نیل الاوطار: ۸/۱۴۱) القتلہ اور الذبحہ: قتل اور ذبح کی حالت۔ ❹اس کو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد: ۴/۳۳) ❺اس کو احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ❻البدائع: ۵/۶۰، تبیین الحقائق: ۵/۲۹۲، الدر المختار: ۵/۲۰۸، الشرح الصغیر: ۲/۱۷۳، القوانین الفقهیه: ص ۱۸۵، مغنی المحتاج: ۴/۲۷۲، کشاف القناع: ۶/۲۰۸ وما بعدها، المغنی: ۸/۵۸۰۔

"اللّٰهم تقبل من فلان" اے اللہ فلاں کی طرف سے قبول فرمالے کہنا مکروہ ہے۔ اگر اس نے یہ بسم اللہ اور لٹانے سے پہلے یا ذبح کے بعد کہا تو جائز ہے۔

۲.....ذبیحے کو قبلہ رخ نہ کرنا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

۳.....حنفیہ کے نزدیک بھیڑ بکریوں کو نحر کرنا اور اونٹ کو ذبح کرنا بھی خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ اس سے منع نہیں کیا گیا۔

۴.....جانور کو بلا ضرورت اور بلا فائدہ زیادہ تکلیف پہنچانا۔ جیسے سر کاٹ دینا، حرام مغز تک پہنچ جانا، گدی کی طرف سے ذبح کرنا، ❶ جانور کو ٹانگ سے کھینچ کر ذبح کی جگہ تک لے جانا اس کو لٹا کر اس کے سامنے چھری تیز کرنا، دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا اس لئے کہ یہ سنت کے خلاف ہے۔ ٹھنڈا ہونے سے پہلے کھال اتارنا یا حرام مغز کاٹنا۔ اس لئے کہ ایک روایت کے مطابق فرافصہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ ایسا کھانا کھاتے ہیں جس کو ہم نہیں کھاتے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا "اے ابوحسان! وہ کون سا کھانا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ روح کے نکلنے سے پہلے اس کو نکالنے لگتے ہیں۔ ❷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منادی کو عام اعلان کرنے کا حکم دے دیا کہ ذبح حلق اور سینے کے سرے کے درمیان ہوتا ہے۔ اور یہ کہ روح کے نکلنے سے پہلے اسے نہ نکالا کرو۔ ❸

۵.....حنفیہ کے نزدیک دانت، ناخن اور ہڈی سے ذبح کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ جسم سے الگ ہوں۔ مکروہ اس لئے ہے کہ ان سے حیوان کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کند چھری سے ذبح کرنا۔ اگر ناخن وغیرہ جسم کے ساتھ لگے ہوئے ہوں تو ان سے ذبح کرنے سے جانور حلال نہیں ہوگا۔

نواں مقصد.....ذبح کی اقسام

مالکیہ.....مالکیہ کے نزدیک حلال ذبح کی چار قسمیں ہیں۔ ❹

۱۔ خون بہانا، شکار کرنا اور زخمی کرنا.....ذبح کی یہ صورت جنگلی جانوروں کے لئے ہوتی ہے جن پر قدرت نہ ہو۔ گھریلو جانوروں میں یہ صورت جائز نہیں۔ کبوتر وغیرہ شکار میں داخل ہیں۔ اگر وہ وحشی ہو جائیں تو زخمی کر کے کھائے جائیں گے۔

۲۔ حلق سے ذبح کرنا.....یعنی پوری حلقوم اور دونوں شہ رگیں پوری پوری کاٹنا۔ یہ صورت پرندوں شتر مرغ اور بھیڑ بکریوں کے لئے ہے۔

۳۔ ذبح اور نحر.....اونٹ اور زرافے کو ❺ سینے کے درمیان سے نحر کیا جاتا ہے۔ گائے میں ذبح اور نحر دونوں جائز ہیں لیکن ذبح مندوب ہے۔ گھریلو چار پایوں میں ذبح یا نحر شرط ہیں۔

۴۔ ایسا فعل جو کسی بھی ذریعے سے زندگی ختم کردے.....یہ ٹڈی میں ہوتا ہے کہ کاٹ کر یا کسی اور طریقے سے اس پر اثر انداز ہوا جائے۔ اس لئے کہ عام فقہاء کے برعکس مالکیہ کے نزدیک ٹڈی ذبح کئے بغیر نہیں کھائی جاسکتی۔ اور ان کے نزدیک ٹڈی کو ذبح کرنے کا

---

❶ اگر رگوں کے کٹنے تک زندہ رہے۔ ورنہ حلال نہیں ہوگا اس لئے کہ ذبح سے پہلے ہی موت واقع ہو چکی۔ ❷ الـنـفـس: وہ ارواح جن کی وجہ سے بدن حرکت کرتے ہیں۔ زهوقها: ان ارواح کا جسم سے نکل جانا۔ ❸ المهذب: ۱/۲۵۳۔ ❹ الشرح الكبير: ۲/۹۹، ۱۰۳، ۱۰۷، بداية المجتهد: ۱/۴۲۹ وما بعدها، القوانين الفقهيه: ص ۱۸۳ وما بعدها۔ ❺ مالکیہ کے نزدیک ذبح: حلقوم اور دونوں شہ رگوں کو نیت کر کے چھری سے کاٹنا۔ حیوان کا عقر: جانور کے جسم پر کسی بھی جگہ تیر مارنا جس سے وہ زخمی ہو کر مر جائے۔ نحر: گردن کی جڑ اور سینے کے درمیان ایک گڑھا ہوتا ہے اس میں برچھا مار کر ذبح کرنا۔

طریقہ یہ ہے کہ سر کاٹ کر یا کسی اور طریقے سے قتل کر دی جائے۔

اونٹ اور زرافے کو نحر کرنا واجب ہے۔ اور باقیوں کو ذبح کرنا۔ اگر نحر والے جانور کو ذبح کر دیا یا ذبح والے جانور کو نحر کر دیا، چاہے بھول کر ہی کیا ہو، اگر قدرت ہوتے ہوئے بلا ضرورت ایسا کیا ہے تو ایسی ذبیحے کو نہیں کھایا جائے گا۔ ضرورت کی وجہ سے اونٹ میں ذبح اور دوسرے جانوروں میں نحر جائز ہے۔ جیسے کوئی جانور گڑھے میں گر جائے یا ذبح اور نحر کا آلہ دستیاب نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ گھریلو چوپائے اگر وحشی ہو جائیں تو ان کے نزدیک شکار سے نہیں کھائے جا سکتے۔ لیکن اگر کوئی وحشی جانور انسانوں سے مانوس ہو کر گھریلو بن گیا اور پھر دوبارہ بھاگ گیا یا کبوتر وغیرہ وحشی بن گئے تو ان کو شکار کر کے کھانا جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ سب شکار ہیں۔

شافعیہ...... اسی طرح شافعیہ کے نزدیک ذبح کی تین قسمیں ہیں: ذبح نحر اور عقر (زخمی کرنا)

ذبح...... یعنی جانور کا حلق اور نرخرہ کاٹنا۔ اس طریقے سے تمام حیوانات کو ذبح کیا جاتا ہے۔

نحر...... حیوان کا سینہ یعنی گردن کا نچلا حصہ کاٹنا۔ اونٹ میں یہی مسنون ہے۔

عقر...... یہ ذبح اضطراری ہے۔ یعنی جانور کو کسی جان لیوا فعل سے جسم میں کسی بھی جگہ سے زخمی کرنا۔

حلال جانور جب بدک کر بھاگ جائیں اور مالک کے قابو میں نہ رہیں تو ان کو اس طریقے سے حلال کیا جاتا ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک ذبح کی اقسام...... اس بنا پر مالکیہ کے علاوہ جمہور علماء کے نزدیک ❶ ذبح کی دو قسمیں ہیں۔ اختیاری اور اضطراری جو شکار کے معنی میں ہے۔

ذبح اختیاری...... یعنی حلق میں زخم لگانا۔ سینے کے سرے اور ٹھوڑی کے درمیان سے کاٹنے کو ذبح اختیاری کہتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتی ہے جب حیوان قابو میں ہو۔ جنگلی جانور بھی اگر مانوس ہو جائے تو اس کو ذبح کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اضطراری ذبح کو صرف اس وقت اختیار کرتے ہیں جب اختیاری ذبح ممکن نہ ہو۔

ذبح اضطراری...... جسم کے کسی بھی حصے پر زخم لگانا: ذبح کی یہ قسم مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک وحشی جانوروں کے لئے استعمال ہوتی ہے یا ایسے گھریلو جانوروں کے لئے جو بے قابو ہو کر بھاگ جائیں۔ اس لئے کہ انسان حسب طاقت احکامات کا مکلف ہے۔ اس حالت کو عقر کہتے ہیں۔ یعنی جسم کے کسی بھی حصے کو زخمی کر کے جان سے مار دینا۔ عقر یا ذبح اضطراری کسی زخمی کرنے والے آلے سے ہوگی نہ کہ کسی بوجھل چیز یا پتھر سے۔ یعنی بدن کی کسی بھی حصے کو اس طرح زخمی کرنا کہ خون بہنے لگے۔ شافعیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ زخم جان لیوا ہونا چاہئے۔

مالکیہ کے نزدیک گھریلو چوپائے ذبح اضطراری سے حلال نہیں ہوتے۔

اگر کوئی گھریلو جانور وحشی بن جائے یا کوئی اور ذبیحہ بدک کر بھاگ جائے یا کنوئیں وغیرہ میں گر جائے اور اسے حلق سے ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک اس کو ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے جسم کے کسی بھی حصے کو زخمی کیا جائے۔ اس طرح اس کا کھانا حلال ہو جائے گا۔ جیسے پرندے یا وحشی جانور کا شکار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

❶..... تبیین الحقائق: ۲۸۶/۵، تکملة الفتح: ۶۰/۸ وما بعدها، الدر المختار: وحاشية: ۲۰۶/۵، ۲۱۳، مغنی المحتاج: ۲۶۵/۴، ۲۶۸ وما بعد، ۲۷۱، المهذب: ۲۵۵/۱، المغنی: ۵۶۶/۸، ۵۷۳، ۵۷۵، ۵۷۷، کشاف القناع: ۲۰۵/۶، الشرح الکبیر للدردیر: ۱۰۳/۴، ۱۰۱۔

وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔لوگوں کے اونٹوں میں سے ایک بدک کر بھاگ گیا۔ان کے پاس گھوڑا نہیں تھا۔ایک آدمی نے اسے تیر مارا جس سے وہ قابو میں آ گیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”گھریلو جانوروں میں بھی جنگلی جانوروں کی طرح وحشت آ جاتی ہے۔لہٰذا اگر کوئی جانور ایسا کرے تو اس کے ساتھ ایسا ہی کرو۔“ (1) یہ رائے زیادہ راجح ہے۔

اگر نحر والا جانور ذبح کر دیا یا ذبح والا نحر کر دیا حنفیہ (2) کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہوگا۔اس لئے کہ اس سے منع نہیں کیا گیا۔

دسواں مطلب: ذبح کئے ہوئے جانور کے حرام اجزاء.....حنفیہ (3) فرماتے ہیں کہ حلال جانور کی سات چیزیں نہیں کھائی جائیں گی۔بہتا ہوا خون، نر جانور کا آلہ تناسل، کپورے، مادہ کی شرم گاہ، غدود، (4) مثانہ اور پتا۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ......الاعراف: ۷/ ۱۵۷

(وہ نبی) اس کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا۔

ان ساتوں چیزوں کو سلیم الطبع لوگ گندہ سمجھتے ہیں۔حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے یہ اعضا ناپسند تھے۔نر جانور کا آلہ تناسل، خصیے، مادہ کی شرم گاہ، غدود پتا، مثانہ اور بہتا ہوا خون۔یہاں کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے۔اس لئے کہ ان چھ چیزوں کو مکروہ ہونے میں خون کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔اور بہتا خون حرام ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”خون حرام ہے اور باقی چھ چیزیں مکروہ ہیں۔“ حرام کا لفظ بہتے ہوئے خون پر بولا گیا ہے۔اس لئے کہ اسکی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہے۔وہ یہ آیت ہے:

قل لااجد فی ما اوحی الیٰ قولہ ...... دما مسفوحاً

باقی سب کو مکروہ کہا گیا ہے اس لئے کہ ان کا ثبوت دلیل ظنی سے ہے۔

گیارھواں مقصد: ماں کو ذبح کرنے کا جنین پر اثر.....جنین کو ذبح کرنے کے چار احوال ہیں۔(5)

اول.....ذبح پہلے مردہ حالت میں پیدا ہوا جائے۔اس صورت میں بالاجماع نہیں کھایا جائے گا۔

دوم.....ذبح سے پہلے زندہ حالت میں پیدا ہو جائے۔اگر زندہ رہے تو ذبح کئے بغیر نہیں کھایا جائے گا۔

سوم.....ذبح کے بعد زندہ حالت میں پیدا ہو جائے۔اگر زندہ حالت میں ذبح کیا گیا تو کھایا جائے گا۔اگر زندگی میں ذبح نہ کیا جاسکا تو وہ مردار ہے۔بعض مالکیہ کے نزدیک ماں کو ذبح کرنا ہی اس کے لئے بھی کافی ہے۔

چہارم.....ذبح کے بعد مردہ حالت میں پیدا ہو جائے۔اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، زفر رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ماں کے ذبح کی وجہ سے جنین کو نہیں کھایا جائے گا۔اس

---

(1).....اس کو بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے۔(نیل الاوطار: ۸/ ۱۴۳) اوابد: آبدۃ کی جمع ہے یعنی اجنبی۔تأبدت: وحشی بن جانا۔مراد یہ کہ ان میں بھی وحشت ہوتی ہے۔ (2) ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ اگر کسی کو اپنا شکار زندہ حالت میں ملا یا کسی کو اپنا بیل قریب المرگ حالت میں ملا اور ذبح کرنے کے لئے وقت کم ہے یا اسے ذبح کرنے کا آلہ نہیں ملا اور اس نے محل ذبح کے علاوہ کسی اور جگہ سے زخمی کر دیا تو حلال ہوگا۔یعنی ان موقعوں پر بھی ذبح اضطراری درست ہے۔دوسرے قول کے مطابق رگیں کاٹے بغیر ہلاک نہیں ہوگا۔ (3) البدائع: ۵/ ۶۱، رد المحتار: ۵/ ۲۱۹۔ (4) الغدۃ: سخت گوشت کا ایک ٹکڑا جو جلد اور کھال کے درمیان بیماری کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ (5) البدائع: ۵/ ۴۲، تبیین الحقائق: ۵/ ۲۹۳، اللباب: ۳/ ۲۲۸، القوانین الفقہیہ: ص ۱۸۳ بدایۃ المجتھد: ۱/ ۴۲۸ وما بعدھا، الشرح الکبیر: ۲/ ۱۱۴، مغنی المحتاج: ۴/ ۳۰۶،۵۷۹، المغنی: ۸/ ۵۷۹، شرح الرسالہ: ۱/ ۳۸۱۔

لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام کیا ہے۔ اور گلا گھٹ کر مرنے والے کو بھی حرام کیا ہے۔ جنین مردار ہے۔ اس لئے کہ اس میں زندگی نہیں ہے۔ مردار ہر وہ جانور ہوتا ہے جو ذبح کئے بغیر مر جائے۔ جنین بھی گلا گھٹنے سے مر گیا ہے۔ اس لئے یہ نص قرآنی کی وجہ سے حرام ہوگا۔

جنین کو اپنی ماں کے تابع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے کہ ماں کے ذبح ہونے کے بعد بھی وہ زندہ باقی رہ سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو علیحدہ سے ذبح کرنا ضروری ہے تا کہ اسے خون نکل جائے اور حلال ہو جائے۔ یہ ماں کو ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ذبح کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کا خون نکال دیا جائے۔ تا کہ وہ گوشت سے الگ ہو جائے اور پاک ہو جائے۔ اس لئے یہ ماں کے تابع نہیں ہوگا۔

اور حدیث "زکوٰۃ الجنین ذکاۃ امہ" میں تشبیہ مراد ہے۔ "ای کذکاۃ امہ" یعنی اسے اپنی ماں کی طرح ذبح کیا جائے گا۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ صرف ماں کے ذبح کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک مردہ جنین نہیں کھایا جائے گا۔ اس کے بال نکلے ہوں یا نہ نکلے ہوں یعنی اس کی خلقت پوری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اس لیے کہ اس کے بال خلقت پوری ہونے بعد آتے ہیں۔

جمہور...... جمہور فقہاء فرماتے ہیں: صاحبین بھی انہی کے ساتھ ہیں کہ ماں کے ذبح کرنے سے جنین بھی حلال ہو جاتا ہے جبکہ وہ مردہ حالت میں پیدا ہوا ہے۔ یا ماں کے پیٹ میں مرا ہوا ملے۔ یا نکلنے کے بعد اس کی حرکات ذبح کئے ہوئے جانور کی حرکات جیسی ہوں۔

مالکیہ کے نزدیک یہ شرط بھی ہے کہ اس کی خلقت مکمل ہو چکی ہو اور بال اُگ آئے ہوں اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے۔ "جب جنین کے بال اگ آئیں تو ماں کو ذبح کرنا ہی اس کو ذبح کرنے کے قائم مقام ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ نے مردہ جنین کھانے کی اجازت دی ہے۔ چاہے بال اگیں یا نہ اگیں۔ اس لئے کہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن ابی لیلیٰ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماں کو ذبح کرنا ہی بچے کو ذبح کرنا ہے۔ یعنی اس کے قائم مقام ہے۔ بال اگے ہو یا نہ اگے ہوں۔

جمہور کی جواز پر دلیل ایک حسن حدیث ہے۔ "ذکاۃ الجنین ذکاۃ امہ" یعنی ماں کو ذبح کرنا ہی بچے کو ذبح کرنا ہے۔ [1] ان کی سنت سے ثابت شدہ رائے ہی میرے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔ بلکہ قیاس اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جنین اس کی ماں کے ذبح کرنے سے ہی ذبح ہو جائے۔ اس لئے کہ وہ اپنی ماں کا جز ہے۔ لہٰذا زندگی کی شرط لگانے کے کوئی معنی نہیں۔ ابن رشد مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے: حدیث کا عموم مالکیہ کی بال اگنے والی شرط کو کمزور کر دیتا ہے۔ حدیث کے عموم کو قیاس سے خاص نہیں کیا جائے گا۔ یعنی ذبح کئے جانے والے جانوروں پر قیاس۔

بارہواں مقصد: قریب المرگ اور بیمار کو ذبح کرنے کا اثر

...... جب جانور کسی زیادتی کی وجہ سے قریب المرگ ہو جائے یا بیمار ہو جائے پھر اسے ذبح کر دیا جائے کیا اسے کھانا جائز ہوگا؟

---

[1] ...... یہ گیارہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، جابر رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابو ایوب رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، ابو امامہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ، دارقطنی، اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے: نصب الرایۃ: ۴/۱۸۹ وما بعدھا (نیل الاوطار: ۸/۱۴۴)

اول: کسی زیادتی کی وجہ سے قریب المرگ ہوجانے والے کو ذبح کرنے کا اثر......اگر کسی حلال جانور پر ظلم زیادتی ہوجائے مثلاً اس کا گلا گھونٹ دیا جائے یا مارا جائے یا کوئی درندہ بھیڑیا وغیرہ اس کو زخمی کرلے پھر وہ مالک کو ملے اور وہ اسے ذبح کرلے یا وہ مالک کو نہ ملے اور مرجائے تو اس کے متعلق چار احوال ہیں۔❶

۱......اگر ذبح کرنے سے پہلے مرگیا تو بالاجماع نہیں کھایا جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ......(المائدۃ: ۵/۳)❷

''تم پر مردار جانور اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور حرام کردیا گیا ہے جس پر اللہ کے سوا کوئی اور نام پکارا گیا ہو، اور وہ جو گلہ گھٹنے سے مرا ہو، اور جسے چوٹ مار کر ہلاک کیا گیا ہو، اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو اور جسے کسی جانور نے سینگ مار کر ہلاک کیا ہو اور جسے کسی درندے نے کھالیا ہو الا یہ کہ تم (اس کے مرنے سے پہلے) اس کو ذبح کرچکے ہو۔''

آیت میں مذکور پانچ حیوانات (غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے کے بعد) اگر زندہ حالت میں ملیں اور ذبح کردیئے جائیں تو حلال ہوں گے ورنہ حلال نہیں ہوں گے۔

۲......اگر زندہ حالت میں ملا یعنی غالب گمان یہ تھا کہ وہ زندہ ہے۔ مثلاً اس کے مقتل (حساس اعضاء جن پر چوٹ جان لیوا ثابت ہوتی ہے) کو چوٹ لگ گئی تھی اور اس نے فوراً ذبح کرلیا تو اسے بالاجماع کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **الا ماذکیتم** (المائدہ: ۵/۳)'' الا یہ کہ تم (اس کے مرنے سے پہلے) اس کو ذبح کرچکے ہو۔''

۳......اگر کسی جانور کے مقتل❸ منفوذ ہوجائیں۔ یعنی ان میں سوراخ ہوجائے وہ کٹ پھٹ جائیں۔ تو مالکیہ کے نزدیک نہیں کھایا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک کھانے کی گنجائش ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر اس میں (حیات مستقرہ) ہو تو اس کو ذبح کرنا موثر ہوگا۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے زندہ ہونے کا پتہ چل جائے۔ یا زندگی کا پتہ نہیں تھا پھر اس نے حرکت کردی یا خون نکل آیا تو اس میں ذبح موثر ہوگی۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب بھیڑیا حملہ آور ہوکر اس کا پیٹ پھاڑ دے، گلا گھٹ جائے، بلندی سے گرجائے یا کوئی دوسرا جانور اس کو ٹکر مار دے۔ ذبح کے موثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عام ہے:

اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ......المائدۃ: ۵/۳

الا یہ کہ تم اس کو ذبح کرچکے ہو۔

۴......اگر کسی جانور کی زندگی سے مایوسی ہوجائے لیکن اس کے مقاتل منفوذ نہ ہوں یا اس بارے میں شک ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس کے حلال ہونے میں بھی ذبح موثر ہے۔ مالکیہ کا مشہور قول بھی یہی ہے۔ البتہ اس میں زندگی کا موجود ہونا ضروری ہے۔ بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ

---

❶......ردالمحتار: ۵/۲۱۷، الشرح الکبیر: ۲/۱۱۳، البدائع: ۵/۴۰، القوانین الفقھیہ: ص ۱۸۳، بدایۃ المجتھد: ۱/۴۲۵ وما بعدھا کشاف القناع: ۶/۲۰۶ احکام القرآن للجصاص: ۲/۳۰۶، احکام القرآن لابن العربی رحمۃ اللہ علیہ: ۲/۵۳۹۔

❷**الا ماذکیتم**: یعنی الا یہ کہ مذکورہ جانوروں میں سے کوئی زندہ مل جائے اور آپ اس کو ذبح کردیں تو اگر اس میں زندگی موجود تھی...... چاہے تھوڑی ہی کیوں نہ ہو کہ جیسے ہلاک جھپکانا یا ہاتھ پاؤں مارنا......اور اس کو ذبح کردیا تو وہ حلال ہوگا۔ **المنخنقۃ**: جو کسی بھی طرح مردار ہوجائے۔ **الموقوذۃ**: جو لاٹھی یا پتھر وغیرہ سے، ذبح شرعی کے بغیر مرجائے۔ **المتردیۃ**: جو کسی بلند جگہ پہاڑ وغیرہ سے گرجائے یا کنویں میں گرجائے۔ **النطیحۃ**: جس کو دوسرا حیوان ٹکر مار دے اور وہ مرجائے۔ **ما اکل السبع**: جو کسی درندے، بھیڑ یے چیتے وغیرہ کے پھاڑنے سے مرجائے۔ **وما اھل لغیر اللّٰہ بہ**: یعنی جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

❸درج ذیل پانچ امور کے مقاتل ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ شہ رگوں کا کٹ جانا: دماغ کا منتشر ہوجانا، انتڑیوں کا منتشر ہوجانا، کھانے کی نالی میں آنت کا اوپر والا حصہ پھٹ جانا۔ نہ کہ نیچے والا۔ حرام مغز کا کٹ جانا (القوانین الفقھیہ: سابقہ جگہ، الشرح الکبیر: ۲/۱۱۳)

اس میں ذبح موثر نہیں ہوگی اور نہ ہی اسے کھایا جائے گا۔شافعیہ اور حنابلہ نے بھی ایسے جانور کو ذبح کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ اس میں حیات مستقرہ ہو۔البتہ مشکوک میں اجازت نہیں دی۔

اس بناء پر اگر متاثرہ جانور کے بارے میں ظن غالب ہو کہ وہ مقتل یا کسی اور جگہ چوٹ آنے سے ہلاک ہو جائے گا تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس میں ذبح موثر ہوگی۔بعض کے نزدیک نہیں کیا جائے گا۔امام مالک سے دونوں قول ہیں۔ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو ذبح کر کے کھایا جائے گا۔

تیسری اور چوتھی صورت میں اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ مذکورہ آیت میں استثناء متصل ہے یا منقطع۔جو کہتے ہیں کہ استثناء متصل ہے وہ ان صورتوں میں ذبح کے قائل ہیں۔اور جو کہتے ہیں کہ استثناء منقطع ہے ای ماذکیتم من غیر ھا (یعنی ان کے علاوہ جو جانور آپ ذبح کریں) تو ان کے نزدیک ذبح نہیں کیا جائے گا۔

اس حالت میں جس زندگی کا پایا جانا ضروری ہے اس کے بارے میں حنفیہ اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ زندگی کی نشانیاں پائی جائیں: جیسے ٹانگ ہلانا، پلکیں جھپکانا یا سانس لینا چاہے اس سے آدمی زندہ رہ سکے یا نہ رہ سکے۔تھوڑی دیر باقی رہے یا زیادہ عرصے تک یعنی ذبح کئے ہوئے جانور جتنی زندگی (حیات مذبوح) مطلوب ہے۔یہ زندگی کی ادنیٰ حد ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ جانور میں حیات مستقرۃ کا پایا جانا ضروری ہے۔جس کو مذبوح کی حرکت پر زیادہ کرنا ممکن ہو چاہے اس کی انتہا ایسی حالت میں ہو کہ اس کے ساتھ اس کا زندہ رہنا یا نہ رہنا معلوم ہو جائے۔

دوم: بیمار جانور میں ذبح کا اثر......علماء کا اتفاق ہے کہ بیمار جانور میں ذبح مؤثر ہے اور اس کا کھانا حلال ہے۔لیکن اگر بیماری اتنی شدید ہو جائے کہ قریب المرگ ہو جائے تو اس صورت میں ذبح کے مؤثر ہونے میں اختلاف ہے۔ ❶

جمہور کے نزدیک اس میں ذبح مؤثر ہے۔امام مالک سے بھی مشہور روایت کی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس میں ذبح کرنا مؤثر نہیں۔

اختلاف کی وجہ حدیث اور قیاس کا تعارض ہے۔جمہور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ان کی لڑکی بکریاں چرا رہی تھی۔اس نے ایک بکری کو قریب المرگ دیکھا تو پکڑ کر پتھر سے ذبح کر لیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ''اس کو کھالو۔'' ❷

بعض حضرات قیاس سے استدلال کرتے ہیں وہ یہ کہ ذبح کرنا زندوں میں مؤثر ہوتا ہے۔اور یہ میت کے حکم میں ہے۔

حنفیہ مفتی بہ قول کے مطابق جمہور کے ساتھ ہیں۔انہوں نے بیمار جانور اور منخنقہ، متردیہ اور نطیحہ (جس کا دم گھٹ گیا ہو یا بلندی سے گر گیا ہو یا دوسرے جانور نے ٹکر ماردی ہو) کی آخری حالت کے بارے میں تفصیل بیان کی ہے۔وہ فرماتے ہیں۔ ❸

ا......اگر جانور کے زندہ ہونے کا پتہ چل جائے اگر چہ ذبح کے وقت زندگی تھوڑی سی ہو (مفتی بہ قول کے مطابق) اس کو مطلقاً کھایا جائے گا۔اگر چہ وہ حرکت نہ کرے اور خون نہ نکلے۔تھوڑی سی زندگی سے مراد یہ ہے کہ جانور میں اتنی زندگی ہو جتنی ذبح کئے ہوئے جانور میں ذبح کے بعد ہوتی ہے۔

ب......اگر زندہ ہونے کا پتہ نہ چلا۔پھر جانور نے حرکت کی یا خون نکلا تو جانور حلال ہوگا۔اگر حرکت نہ کی یا خون نہ نکلا تو حلال نہیں ہوگا۔

زندگی اور موت کی پہچان کا ضابطہ یہ ہے:

---

❶......بدایة المجتهد: ۱/ ۴۲۸، القوانين الفقهيه: ص ۱۸۱ وما بعدها۔ ❷ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (نیل الاوطار: ۸/ ۱۳۹) ❸ (الدر المختار ورد المحتار: ۵/ ۲۱۷، ۳۳۴)

موت وحیات کی علامات......منہ یا آنکھ کا کھلنا، ٹانگ لمبی کرنا، بالوں کا بیٹھ جانا یہ سب موت کی علامتیں ہیں اس لئے کہ یہ ڈھیلے پن ہے۔اور حیوان کا جسم موت سے ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ان کا الٹ زندگی پر دلالت کرتا ہے۔

لہٰذا منہ اور آنکھ کا بند کرنا، ٹانگ سکیڑنا اور بالوں کا کھڑا ہو جانا زندگی کی علامات ہیں۔

مالکیہ نے زندگی کی پانچ علامات لکھی ہیں۔ ❶

خون بہنا زندگی کی علامت ہے لیکن تھوڑا سا خون نکل جانا زندگی کی علامت نہیں ہاتھ یا پاؤں زمین پر مارنا، آنکھ جھپکانا، دم ہلانا اور سانس لینا۔اگر اس نے حرکت کی لیکن خون نہیں بہا تو کھایا جائے گا۔اگر خون بہا لیکن حرکت نہیں کی تو نہیں کھایا جائے گا۔اس لئے کہ حرکت، زندگی پر دلالت کرنے کے لئے خون سے بڑھ کر ہے۔

تھوڑا بہت ہلنا زندگی کی دلیل نہیں۔اس لئے گوشت کھال اتارنے کے بعد بھی ہلتا رہتا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک حیات کی تین قسمیں ہیں۔ ❷

۱۔**حیات مستمرۃ**......عام زندگی جو ذبح اور دوسرے اسباب موت تک باقی رہتی ہے۔اس حیات میں ذبح موثر ہو کر جانور کو حلال بناتی ہے۔

۲۔**حیات مستقرۃ**......وہ حیات جس میں جانور کی اختیاری حرکت باقی رہتی ہے۔اور قوانین وعلامات سے اس کا پتہ چل جاتا ہے۔ اور غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ اس میں زندگی موجود ہے۔اس کی ایک علامت یہ ہے کہ سانس کی نالی اور کھانے کی نالی کٹنے سے خون پھوٹ پڑتا ہے۔زیادہ صحیح یہ ہے کہ شدید حرکت پر اکتفاء کیا جائے۔ذبح کے وقت حیات مستقرۃ کے پائے جانے کا علم شرط نہیں ہے۔بلکہ قرائن سے اس کے پائے جانے کا ظن کافی ہے۔جیسے شدید حرکت، خون پھوٹ پڑنا۔اس سے ذبیحہ حلال ہو جاتا ہے۔اگر اس کے وجود میں شک ہو تو حرام ہوگا۔اس لئے کہ حرمت کو غالب رکھا جاتا ہے۔

۳۔**حیات مذبوح یا حرکۃ عیش المذبوح**......یعنی ذبح کئے ہوئے جانور کی زندگی یا مذبوح کی زندگی کی حرکت۔اس حیات میں جانور نہ دیکھ سکتا ہے نہ سن سکتا ہے اور نہ اختیاری حرکت کر سکتا ہے۔

اس نوع میں اگر کوئی ایسا سبب موجود ہو جس پر ہلاکت کو منحصر کیا جا سکے تو قابل اعتماد قول کے مطابق حلال نہیں ہوگا۔جیسے مضر جڑی بوٹیاں کھانے سے جانور بیمار ہو جائے اور آخری سانس تک نوبت پہنچ جائے۔اور اگر کوئی ایسا سبب نہ ہو جس پر ہلاک ہونے کا دارومدار ہو جیسے بیماری یا بھوک کی وجہ سے جانور آخری ہچکیاں لینے لگے تو اسے ذبح کیا جائے گا اور اس کو کھانا حلال ہوگا۔

تیرہواں مقصد: نہ کھائے جانے والے جانوروں میں ذبح کا اثر......اس سے مقصود یہ ہے کہ کیا حرام جانوروں کو ذبح کرنے کا کچھ اثر ہے؟ کیا اس سے ان کی کھالیں پاک ہو جائیں گی اور ان کی نجاست دور ہو جائے گی؟

فقہاء کی اس بارے میں دو رائیں ہیں:

حنفیہ اور مالکیہ......حنفیہ کے نزدیک اور مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق ❸ نہ کھائے جانے والے جانور جیسے درندے وغیرہ اگر ذبح

---

❶......القوانين الفقهيه: ۱۸۱، احكام القرآن للحصاص: ۳۰۶/۲۔ ❷بجير مى الخطيب: ۲۴۸/۴، كشاف القناع: ۲۰۶/۶، مغنى المحتاج: ۲۷۱/۴، المغنى: ۵۸۳/۸۔۵۸۵۔ ❸تبيين الحقائق: ۲۹۶/۵، تكملة الفتح: ۶۴/۸، الدر المختار: ۲۹۰/۱، ۲۱۶/۵، البدائع: ۸۶/۱، بداية المجتهد: ۴۲۷/۱، اللباب: ۲۳۰/۳، القوانين الفقهيه: ص ۱۸۱، الشرح الصغير: ۴۵/۱، شرح الرساله: ۳۸۴/۱، الشرح الكبير: ۵۶/۱۔

کر دیئے جائیں تو ان کا گوشت چربی اور کھال پاک ہو جاتی ہے۔ سوائے آدمی اور خنزیر کے۔ آدمی کے بارے میں یہ حکم اس کی حرمت اور عظمت کی وجہ سے ہے۔ اور خنزیر کے بارے میں اس کے نجس العین ہونے کی وجہ سے ہے۔

علامہ دردیر اور صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذہب کے مشہور قول کے مطابق حرام جانور گھوڑا، خچر، گدھا، کتا اور خنزیر ذبح سے پاک نہیں ہوتے۔ جنگلی درندے پرندے ذبح سے پاک ہو جاتے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ گوشت اور چربی ذبح سے پاک نہیں ہوتے۔ البتہ کھال ذبح سے پاک ہو جاتی ہے۔ ان کی یہ تفصیل کنز، درمختار اور ہدیہ میں بلا تفصیل لکھے ہوئے مسئلے کے خلاف ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ذبح کرنے سے ناپاک رطوبتیں اور بہنے والا خون نکل جاتا ہے۔ جب یہ سب کچھ نکل گیا تو جانور پاک ہو جائے گا۔ جیسا کہ دباغت میں ہوتا ہے۔ جلد اور گوشت رطوبت ہیں نہ کہ خون۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ نا کھائے جانے والے جانوروں کا گوشت حرام ہے تو اس کے علاوہ باقی چیزیں اپنی اصل پر رہیں گی۔ اصل تطہیر ہے اس لیے ذبح کرنا اس میں اثر انداز ہوگا۔ جیسے دباغت کھالوں کو پاک کرنے میں اثر انداز ہوتی ہے۔ جب کھال ذبح کے بعد پاک ہو گئی تو تھوڑا پانی اس کے گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا اور کھانے کے علاوہ باقی کاموں میں اس کا استعمال جائز ہوگا۔ حنفیہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ کھانے کی طرح استعمال بھی جائز نہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ.....شافعیہ اور حنابلہ (1) فرماتے ہیں کہ حرام جانور میں ذبح کا کچھ اثر نہیں۔ اس لئے کہ ذبح سے اصل کے اعتبار سے گوشت مباح ہوتا ہے۔ کھال گوشت کے تابع ہوتی ہے۔ جب ذبح کرنے سے گوشت مباح نہیں ہوا تو دوسری چیزیں کیسے مباح ہوں گی؟ یہ ایسے ہی ہے جیسے مجوسی کا ذبح کرنا یا غیر مشروع ذبح۔ اور ذبح کو دباغت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ دباغت ناپاکی اور تمام رطوبتوں کو زائل کر دیتی ہے۔ اور کھال کو اس طرح پاک کر دیتی ہے کہ بعد میں بھی خراب نہیں ہوتی۔ جب کہ ذبح سے یہ سب کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے ذبح دباغت سے مستغنی نہیں کرتی۔

شافعیہ نے تصریح کی ہے کہ نہ کھائے جانے والے جانوروں کو ذبح کرنا حرام ہے۔ چاہے ان کو راحت پہنچانے کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے اپاہج گدھا۔ اس لئے کہ یہ ان کو عذاب میں مبتلا کرنا ہے۔ (2) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کالے کتے کے سوا دوسرے کتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ البتہ مکمل کالے کتے کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ (3)

تیسری بحث: ذبح کا آلہ.....فقہاء کا اتفاق ہے کہ ہر خون بہانے اور رگیں کاٹنے والی چیز سے ذبح کرنا درست ہے۔ جیسے لوہا، پتھر، لکڑی، کٹی ہوئی شاخ، شیشہ۔

تین چیزوں میں اختلاف ہے۔ دانت، ناخن اور ہڈی۔ حنفیہ اور مالکیہ نے فی الجملہ اس سے ذبح کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ نے اجمالی طور پر اس سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ آ رہا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان سے ذبح نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ شافعیہ وغیرہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ صحیح ہے۔

حنفیہ.....حنفیہ (4) فرماتے ہیں کہ رگیں کاٹنے اور خون بہانے والی ہر چیز سے ذبح کرنا درست ہے۔ چاہے وہ آگ ہو کہ خون بہا دے یا بانس کا چھلکا ہو یا مروہ (چھری کی طرح کا سفید پتھر) ہو یا ناخن، ہڈی، سینگ اور دانت ہوں جو بدن سے جدا ہو چکے ہوں۔ لیکن ان چار سے

---

(1).....مغنی المحتاج: ۱/۵۸، المغنی: ۱/۱۷۔ (2) البجیرمی علی الخطیب: ۲۴۸/۴۔ (3) اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور پانچ اصحاب السنن نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ یہ عبداللہ بن المغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (نیل الاوطار: ۱۲۸/۸) (4) تکملۃ فتح القدیر: ۵۹/۸ وما بعدھا، تبیین الحقائق: ۲۹۰/۵ وما بعدھا، الدر المختار: ۲۰۷/۵ ومابعدھا، اللباب شرح الکتاب: ۲۲۷/۳۔

ذبح کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے جانور کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کند چھری سے ذبح کرنا۔ ان کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

''جس چیز سے چاہو خون بہاؤ۔'' [1] ایک اور روایت میں ہے: ''جس چیز سے چاہو رگیں کاٹو۔'' [2] اور اس لئے بھی کہ یہ زخمی کرنے والے آلات ہیں۔ ان سے مقصود..... یعنی خون نکالنا حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہڈی وغیرہ بھی پتھر اور لوہے کی طرح ہوئیں۔

اگر ناخن اور ہڈی اپنی جگہ پر لگی ہوئی ہو تو ان سے ذبح کرنا بالا جماع جائز نہیں۔ اگرچہ خون بہہ جائے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں اس پر نص وارد ہوئی ہے۔

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ والی حدیث میں دانت اور ناخن کا استثناء ان دانتوں اور ناخنوں پر محمول ہے جو اپنی جگہ پر لگے ہوئے ہوں۔ جسم سے الگ نہ ہوں۔ اس لئے کہ جسم کے ساتھ لگے ہو ناخن وغیرہ دھار کی وجہ سے نہیں بلکہ بوجھ اور زور کی وجہ سے کاٹتے ہیں۔

جس طرح ناخن وغیرہ سے ذبح مکروہ ہے اسی طرح لوہے اور ہتھیار کے ہوتے ہوئے بلاضرورت کسی اور چیز سے ذبح کرنا بھی مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس طرح بلا فائدہ جانور کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اور پہلے ایک حدیث میں اچھی طرح ذبح کرنے اور قتل کرنے کا حکم گزر چکا ہے۔

۲۔ مالکیہ...... مالکیہ [3] فرماتے ہیں کہ اگر لوہا یعنی زخمی کرنے والا آلہ چھری وغیرہ [4] موجود ہو تو وہی متعین ہے۔ اور اگر لوہے کے علاوہ پتھر اور شیشہ وغیرہ ہوں اور ان کے ساتھ ناخن اور دانت بھی۔ تو ایسی صورت میں ناخن اور دانت سے ذبح کرنے کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے چار قول ہیں:

اول..... مطلقاً جائز ہے چاہے ساتھ لگے ہوئے ہوں یا الگ ہوں۔

دوم..... مطلقاً منع ہے اور ان سے ذبح کیا ہوا نہیں کھایا جائے گا۔

سوم..... جسم کے ساتھ لگے ہوئے ہو تو ناجائز۔ الگ ہوں تو جائز۔

چہارم..... دانت سے مطلقاً مکروہ ہے اور ناخن سے مطلقاً جائز۔

اگر دانت اور ناخن کے علاوہ کچھ نہ ملے تو ان سے ذبح کرنا یقینی طور پر جائز ہے۔ اگر ہڈی کے تیز دھار ٹکڑے سے ذبح کر لیا تو اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

۳۔ شافعیہ اور حنابلہ...... شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں: [5] ہر اس دھاری دار چیز سے ذبح کرنا جائز ہے جو اپنی دھار سے کاٹتی یا پھاڑتی ہو...... نہ کہ وزن سے۔ جیسے لوہا، تانبا، سونا، لکڑی، بانس، پتھر اور شیشہ۔ سوائے ناخن اور دانت کے اور شافعیہ کے نزدیک تمام ہڈیوں کے چاہے ملی ہوئی ہوں یا الگ ہوں، آدمی کی ہوں یا کسی اور کی۔ اس لئے کہ دانت سے ذبح کرنے کی علت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ ہڈی ہے۔ تو جس ہڈی میں بھی یہ علت پائی جائے گی وہ ممنوع ہوگی۔ حنابلہ نے ہڈی سے ذبح کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ [6] دانت اور ناخن کے بارے میں

---

[1] ..... یہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں جو کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہیں۔ حدیث یوں ہے۔ ''انھر الدم بما شئت واذکر اسم اللہ۔'' (نصب الرایۃ: ۴/ ۱۸۷) [2] یہ حدیث غریب ہے جیسا کہ علامہ زیلعی نے فرمایا ہے۔ اسی معنی میں ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ ''کل ما اضری الا وداج الا سناً وظفراً۔'' [3] الشرح الکبیر: ۲/ ۱۰۷، الشرح الصغیر: ۲/ ۱۷۸، بدایۃ المجتھد: ۱/ ۴۳۳، القوانین الفقھیۃ: ص ۱۸۳۔ [4] السکین: یہ مذکر بھی ہے اور مونث بھی۔ [5] مغنی المحتاج: ۴/ ۲۷۲ وما بعدھا المھذب: ۱/ ۲۵۲، المغنی: ۸/ ۵۷۳ وما بعدھا، کشاف القناع: ۶/ ۲۰۳۔ ۲۰۵۔ [6] اس لئے کہ اباحت والے عام الفاظ میں ہڈی بھی داخل تھی۔ پھر دانت اور ناخن کو بطور خاص مستثنیٰ کیا۔ اس طرح جن چیزوں سے ذبح مباح ہے ان میں ہڈیاں بھی داخل ہو گئیں۔ اور منطوق تعلیل پر مقدم ہے۔ اسی لئے ناخن کی علت یہ بتائی کہ یہ حبشیوں کی چھری ہے۔ اور اس لئے بھی کہ تمام عمومی احادیث میں ہڈیاں شامل ہیں اس سے مقصود حاصل ہو گیا۔ یہ تمام آلات کے مشابہ ہوں گی۔

میں انہوں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ والی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ یہ حدیث صحاح ستہ اور مسند احمد رحمۃ اللہ علیہ میں موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کل ہمارا دشمن سے مقابلہ ہے اور ہمارے پاس ❶ چھریاں نہیں ہیں۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس سے خون بہہ جائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہوا ہو اس کھالو۔ سوائے دانت یا ناخن کے۔ میں آپ کو ان کے بارے میں بتاتا ہوں۔ جہاں تک دانت کا تعلق ہے وہ تو ہڈی ہے۔ اور ناخن حبشیوں کی چھریاں ہیں۔ ❷

کند چھری سے ذبح...... اگر کند چھری سے ذبح کیا جائے تو شافعیہ کے نزدیک دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ ایک یہ کہ کاٹنے میں ذبح کرنے والے کی قوت کی ضرورت نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جانور کے حرکت مذبوح تک پہنچنے سے پہلے ہی سانس اور کھانے کی نالیاں کٹ جائیں۔ حنابلہ کا قول بھی ان کے قریب ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر آلہ کند ہو اور حیوان کو ذبح کرتے کرتے دیر لگ جائے اور اسے زیادہ وقت تک تکلیف پہنچے تو اس کو کھانا مباح نہیں۔ اس لئے کہ یہاں حلال کرنے والی چیز کے پائے جانے کے بارے میں شک پڑ گیا۔

خلاصہ...... خلاصہ یہ کہ جمہور نے ہڈی سے ذبح کرنے کی اجازت دی ہے۔ شافعیہ کے نزدیک اس سے ذبح کرنا حرام ہے۔ دانت اور ناخن کے بارے میں حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ جو جسم سے الگ ہوں ان سے ذبح کرنا جائز ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ان سے ذبح کرنا حرام ہے چاہے جسم سے ملے ہوئے ہوں یا الگ ہوں۔ ابن رشد مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے حالت انفصال میں ان سے ذبح کو جائز اور حالت اتصال میں ناجائز کہا ہے۔ یعنی حنفیہ کی طرح۔

چوتھی بحث: ذبح کئے جانے والا جانور...... اس بحث میں وہ مسائل اجمالی طور پر بیان کئے جائیں گے جو ذبح سے متعلق ہیں۔ تفصیل الاطعمه والاشربة (کھانے پینے کی چیزوں کے بیان) میں گزر چکی ہے۔

خشکی کے کھائے جانے والے جانور کھانے کے لئے اس وقت حلال ہوں گے جب انہیں ذبح کیا جائے۔ ذبح کے بغیر انہیں کھانا حلال نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ...... المائدہ ۵/ ۳

اللہ تعالیٰ نے حرام جانوروں میں سے ذبح کئے جائے والے جانور مستثنیٰ کئے ہیں۔ اور حرام سے استثناء اباحت کے لئے آتا ہے۔

ذبح کے اعتبار سے حیوان کی تین قسمیں ہیں۔ آبی حیوانات، بری حیوانات اور برآبی (بری، آبی) اس لئے کہ ان میں سے بعض ذبح کئے بغیر کھائے جاتے ہیں۔ بعض ذبح کر کے کھائے جاتے ہیں اور بعض نہیں کھائے جاتے اگرچہ ذبح کر دیئے جائیں۔

پہلی قسم: آبی حیوانات...... وہ جانور جو صرف پانی میں رہتے ہیں۔ ان کے کھانے کے بارے میں علماء کی دو رائیں ہیں۔

---

❶ ...... مدی مدیہ کی جمع ہے یہ چھری کو کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ حیوان کی مدی یعنی عمر کو کاٹتی ہے۔ اور دشمن کے مقابلے سے مراد یہ ہے کہ مال غنیمت کے جانور ذبح کرنے پڑیں گے یا ذاتی طور پر قوت حاصل کرنے کے لئے جانور ذبح کر کے کھائیں گے۔ ❷ اس پر ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیق لکھی ہے فرماتے ہیں (بدایة المجتهد: ۱/ ۴۳۳) بعض لوگ اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چیزیں طبعی لحاظ سے عام طور پر خون نہیں بہاتیں۔ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شرع غیر معلل ہے۔ ان میں سے بعض کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس میں نہی منہی عنہ کے فساد پر دلالت کرتی ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ نہی منہی عنہ کے فساد پر دلالت نہیں کرتی۔ بعض کہتے ہیں کہ نہی کراہت کے لئے ہے۔

حنفیہ کا مذہب......حنفیہ کا مذہب ❶ یہ ہے کہ مچھلی کے سوا تمام آبی جانور حرام ہیں۔ مچھلی حلال ہے۔ اور اسے ذبح کئے بغیر کھانا جائز ہے۔ سوائے طافی مچھلی ❷ یعنی پانی پر تیرنے والی مردہ مچھلی کے۔ اگر وہ مرگئی اور پانی پر تیرنے لگی تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ ان کی دلیلیں بہت سی ہیں۔ ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ......المائدہ:۵/۳

''تم پر مراد حرام کیا گیا ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ......الاعراف:۷/۱۵۷

اور (وہ نبی) ان کی لئے گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا۔

مچھلی کی علاوہ تمام آبی جانور مینڈک، کیکڑے، سانپ وغیرہ گندے اور خبائث میں شامل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک سے بنی دوا سے اور مینڈکوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ❸ یہ ان کو کھانے کی نہی ہے۔ اس لئے کہ حیوان کو قتل کی ممانعت یا تو اس کی عظمت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے آدمی اور یا اس کے حرام ہونے کی وجہ سے جیسے لٹورا پرندہ ❹ اور ہدہد۔ چونکہ مینڈک محترم تو ہے نہیں۔ اس لئے ممانعت کی وجہ دوسری ہوگی۔ یعنی حرام ہونا۔

طافی مچھلی یعنی پانی پر تیرتی مردہ مچھلی کے حرام ہونے پر دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے: ''جس (مچھلی) کو سمندر باہر ڈال دے یا چھوڑ کر پیچھے ہٹ جائے اسے کھاؤ اور جو سمندر میں مرکر سطح پر آ جائے اسے نہ کھاؤ۔'' ❺

۲۔ **جمہور کا مذہب**......حنفیہ کے علاوہ جمہور کا مذہب یہ ہے ❻ کہ وہ آبی جانور جو پانی سے باہر زندہ نہیں رہ سکتے سب حلال ہیں جیسے کیکڑا، آبی سانپ، کتا اور خنزیر وغیرہ۔ یہ جانور بغیر ذبح کئے مباح ہیں۔ ان کی موت جس طرح بھی واقع ہوئی ہو۔ خود بخود مرے ہوں یا کسی ظاہری سبب سے۔ جیسے پتھر ٹکرانے سے یا شکاری کے مارنے سے۔ اور ٹھہرے ہوئے ہوں یا پانی کی سطح پر تیر رہے ہوں۔ ان کو پکڑ لینا ہی ذبح کرنا ہے۔ لیکن اگر پانی پر تیرتا ہوا مردہ جانور پھٹ گیا ہو اور اس سے بیمار ہو جانے کا اندیشہ ہو تو نقصان دہ ہونے کی وجہ سے حرام ہوگا۔

البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آبی خنزیر مکروہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ تم اسے خنزیر کا نام دیتے ہو۔

امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آبی انسان اور آبی خنزیر کسی صورت نہیں کھائے جا سکتے۔

---

❶......البدائع: ۵/۳۵۔۳۹، تبیین الحقائق: ۵/۲۹۴۔۲۹۷، تکملۃ الفتح: ۸/۶۱۔۶۵، الدر المختار: ۵/۲۱۴۔۲۱۷، اللباب: ۳/۲۲۸۔۲۳۱۔ ❷ الطافی علی وجہ الماء: یعنی وہ مچھلی جو طبعی موت مرجائے اور اس کا پیٹ اوپر ہو جائے یعنی الٹی ہو جائے۔ اگر اس کی پیٹھ اوپر ہو تو وہ طافی نہیں ہے اسے کھایا جائے گا۔ اسی طرح طافی مچھلی کے پیٹ والی مچھلی بھی کھائی جائے گی اس لئے کہ اس کی موت جگہ کی تنگی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ علامہ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مچھلی کے بارے میں اصول یہ ہے کہ جو کسی آفت یعنی سبب کی وجہ سے مری وہ کھائی جائے گی اور جو اس کے بغیر مری وہ نہیں کھائی جائے گی۔ اور جو پانی کی گرمی سردی سے مرگئی ہو یا پانی میں کچھ ڈالنے سے مرگئی ہو تو یہ بھی آفت اور سبب کی صورتیں ہیں۔ (ردالمختار: ۵/۲۱۶) ❸ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ، حاکم رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ایک طبیب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مینڈک کو دوا میں ڈالنے کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (نصب الرایۃ: ۴/۲۰۱) ❹ موٹے سر، سفید پیٹ اور سبز پیٹھ والا پرندہ جو چڑیاں شکار کرتا ہے۔ ❺ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ یہ ضعیف حدیث ہے۔ (نصب الرایہ: ۴/۲۰۲، تخریج احادیث تحفۃ الفقہاء: ۳/۷۰) ❻ بدایۃ المجتہد: ۱/۴۲۵، ۴۵۶، القوانین الفقہیہ: ص ۱۷۱۔۱۸۱، مغنی المحتاج: ۴/۲۶۷، ۲۹۷، المہذب: ۱/۲۵۰، المغنی: ۸/۶۰۶، کشاف القناع: ۶/۲۰۲۔

جمہور نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ ......المائدہ: ۵/۹۶

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے، تا کہ وہ تمہارے لئے اور قافلوں کے لئے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ ہے۔

لفظ "الصید" مچھلی کو چھوڑ کر دوسرے آبی حیوانات کے لئے ہے۔ اس لئے یہ سب حلال ہوں گے۔ اسی طرح اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے پانی سے وضو کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔" ❶ ایک اور حدیث میں ہے: "ہمارے لئے دو مردے اور دو خون حلال کئے گئے ہیں: دو مردے یعنی ٹڈی اور مچھلی اور دو خون یعنی جگر اور تلی۔" ❷ اور "اللہ تعالیٰ نے سمندر والے جانور بنی آدم کے لئے ذبح کر دیئے ہیں۔" ❸ اسی طرح شیخین اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عنبر ❹ والی صحیح حدیث روایت کی ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو سمندر کے کنارے ایک مردہ جانور ملا۔ وہ ایک مہینے تک اس میں سے کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ فربہ اندام اور صحت مند ہو گئے۔ اس میں سے کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی لے کر آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے کھایا۔" ❺ اور اس لئے بھی کہ آبی جانوروں میں خون نہیں ہوتا۔

دوسری قسم: خشکی کے جانور...... بری جانور وہ ہوتے ہیں جو صرف خشکی میں رہ سکیں۔ ان کی تین قسمیں ہیں۔

اول...... جن میں خون بالکل نہیں ہوتا۔ جیسے ٹڈی، مکھی، چیونٹی، شہد کی مکھی، کیڑے، بھڑ، مکڑی، گبریلا، جھینگر، بچھو، زہریلے حشرات وغیرہ۔ ان میں سے ٹڈی کے علاوہ کسی کو کھانا جائز نہیں اس لئے کہ یہ گندی اور جی کو اچھی نہ لگنے والی ہیں۔ سلیم الطبع لوگ ان سے دور رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ......الاعراف: ۷/۱۵۷

"اور (وہ نبی) ان کے لئے گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا۔"

لیکن ٹڈی اور اس جیسے جندب (ٹڈی کی ایک قسم جسے عموماً قبوط کہا جاتا ہے) کو مذکورہ حدیث کی وجہ سے ان سب سے خاص کر لیا گیا ہے۔ "ہمارے لئے دو مردار حلال کئے گئے ہیں...... وہ دو مردار مچھلی اور ٹڈی ہیں۔"

مالکیہ نے شرط لگائی ہے کہ ٹڈی کو ذبح کیا جائے یا اس کی موت کسی سبب سے ہوئی ہو جیسے اس کا کوئی عضو کاٹنے سے، جلانے سے یا گرم پانی میں ڈالنے سے۔ جیسا کہ ذبح کی قسموں کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس لئے کہ بری جانور جن میں بہنے والا خون نہیں ہوتا ان کو بھی ذبح کرنا مالکیہ کی نزدیک ضروری ہے۔ حنابلہ کی نزدیک ٹڈی کو زندہ نگل جانا مکروہ ہے۔ اس لئے اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک مچھلی کو بھی زندہ نگلنا حرام ہے۔ ❻

دوم...... جن میں بہنے والا خون نہیں ہوتا۔ جیسے سانپ یربوع (ایک قسم کا چوہا جس کی اگلی ٹانگیں پچھلی ٹانگوں سے چھوٹی ہوتی ہیں)، چھپکلی

---

❶...... اس کو خمسہ، مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن حبان اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔ یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (سبل السلام: ۱/۱۴، نیل الاوطار: ۸/۱۴۹) ❷ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور دار قطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اس میں ضعف ہے۔ (سبل السلام: ۱/۲۵، نیل الاوطار: ۸/۱۴۷)۔ ❸ اس کو دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابی شریح پر موقوفاً ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: "كل شئ فى البحر مذبوح۔" (نیل الاوطار: ۸/۱۵۰) ❹ تقریباً ۶۰ قدم لمبی، موٹے سر اور دانتوں والی مچھلی۔ ❺ اس کو احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب الکتب الستہ نے روایت کیا۔ (جمع الفوائد: ۱/۵۴۲، نصب الراية: ۴/۲۰۴) ❻ البدائع: ۵/۳۶، بداية المجتهد: ۱/۴۲۵، القوانين الفقهيه: ص ۱۸۱، مغنی المحتاج: ۴/۳۰۳، المغنی: ۸/۵۷۳، ۵۸۵، ۵۹۰، كشاف القناع: ۶/۲۰۲۔

اور اس کی تمام اقسام، گرگٹ، ❶ تمام حشرات، چوہا، چیچڑی (چھوٹا سا کیڑا جو اونٹ کے ساتھ لگا ہوتا ہے جیسے انسان کے ساتھ جوئیں)، سیہی، گوہ، نیولا، کیڑا وغیرہ۔ اس لئے کہ یہ گندے ہونے کی وجہ سے خبائث میں شامل ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ یہ زہریلے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا حکم بھی فرمایا ہے۔ ❷ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''برے جانور حرم اور حرم سے باہر ہر جگہ قتل کئے جائیں گے: سانپ، ❸ سیاہ وسفید کوا، چوہا، کاٹنے والا کتا اور چیل۔'' ایک روایت میں کوے کی جگہ بچھو آیا ہے۔ ❹

حنفیہ کے نزدیک اور ایک قول میں مالکیہ کے نزدیک گوہ حرام ہے اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے کھانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ ❺

حنفیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک گوہ مباح ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گوہ کھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ رہے تھے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تقریر فرمادی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: نہیں۔ یعنی حرام نہیں ہے۔ لیکن یہ ہمارے علاقے میں نہیں ہے اس لئے مجھے یہ اچھی نہیں لگتی۔ ❻ مالکیہ نے سنکھ کو مباح کہا ہے جب کہ وہ ابالی جائے یا بھونی جائے۔ وہ نہیں جو اکیلے میں مرجائے۔

شافعیہ کے نزدیک سیہی، نیولے، لومڑی، یربوع (ایک قسم کا چوہا جس کی اگلی ٹانگیں پچھلی ٹانگوں سے چھوٹی ہوتی ہیں) فنک ❼ (لومڑی کی طرح کا حیوان جس کی جلد سے پوستین بناتے ہیں) اور سمور (بلی جیسا ایک جانور) مباح ہیں۔ اس لئے کہ عرب ان کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اور عرب (اہل حجاز) جس کو اچھا اور طیب سمجھیں وہ حلال ہے۔ اور جس کو وہ برا اور خبیث سمجھیں وہ حرام ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ......اعراف: ۷/ ۱۵۷

''اور (وہ نبی) ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دیا۔''

سوم...... جن میں بہنے والا خون ہو ان کی دو قسمیں ہیں: گھریلو اور جنگلی۔

گھریلو جانور...... ان میں سے مویشی یعنی اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں بالاجماع حلال ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۞ النحل: ۱۶/ ۵

''اور مویشی اسی نے پیدا کئے جن میں تمہارے لئے سردی سے بچاؤ کا سامان ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی بہت سے فائدے ہیں اور انہی میں سے تم کھاتے بھی ہو۔''

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ......المائدہ: ۵/ ۱

''تمہارے لئے وہ چوپائے حلال کر دیئے گئے ہیں جو مویشیوں میں داخل (یا ان کے مشابہ ہوں) سوائے ان کے

---

❶ ...... مینڈک کے جسم جیسا رینگنے والا جانور اس کی دم بھی ہوتی ہے۔ اس کو سام ابرص (گرگٹ) کہتے ہیں۔ یہ ایک طرح کی بڑی چھپکلی ہے۔ ❷ البدائع: ۳۶/۵، بداية المجتهد: ۱/ ۴۵۴، مغنى المحتاج: ۴/ ۲۹۹، ۳۰۳، المغنى ۸/ ۵۸۵، ۶۰۳، القوانين الفقهيه: ص ۱۷۲۔ ❸ مالکیہ کی کتاب الجواہر میں ہے: مذہب کے مخالفین کے گندے جانور مثلاً کیڑے مکوڑے اور حشرات کو کھانے کا جواز نقل کر دیا ہے حالانکہ مذاہب اس کے برعکس ہے۔ شافعی: نے انہیں گندے ہونے کی وجہ سے حرام کہا ہے۔ (القوانین الفقہیہ ص ۱۷۳) ❹ اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ آخری روایت ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ ❺ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''غریب'' ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کھانے سے منع فرمایا۔ لیکن اس کی سند میں کلام ہے۔ (النصب الرایۃ: ۴/ ۱۹۵) النصب (گوہ) رینگنے والا ایک جانور۔ ❻ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی کے علاوہ ائمہ ستہ نے روایت کی ہے۔ (جمع الفوائد لابن سليمان الرودانی: ۱/ ۵۵۰) ❼ الفنک: ایک جانور جس کی جلد سے پوستین بناتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ نرم اور ہلکی ہوتی ہے۔ السمور: بلے سے ملتا جلتا ایک جانور۔ یہ دونوں جانور ترکوں کے لومڑوں کی قسمیں ہیں۔

جن کے بارے میں تمہیں پڑھ کر سنایا جائے گا۔“

خچر اور گدھے کو کھانا حرام ہے۔گھوڑے کا گوشت حلال ہے۔لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔❶

اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر میں گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑے کے گوشت کی اجازت دی۔❷ اور خچر گھوڑے سے پیدا ہوتا ہے۔لہٰذا اسی کے حکم میں ہوگی۔اسی طرح شافعیہ کے نزدیک گھریلو اور جنگلی جانور سے پیدا ہونے والے جانور حرام ہیں۔اس لئے کہ حرمت کو غالب رکھا جاتا ہے۔حنفیہ اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ ایسے جانور حرام نہیں۔اس لئے کہ اباحت اصل ہے وہی غالب رہے گی۔قرآن وحدیث کا عموم بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ گھوڑا سواری اور جہاد کے کام آتا ہے۔علاوہ ازیں اس کے حلال حرام ہونے کے بارے میں احادیث میں اختلاف ہے۔اس لئے احتیاطاً مکروہ ہوگا۔❸ مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ گھوڑا حرام ہے۔

گھریلو پرندے جن کے شکاری پنجے نہیں ہوتے۔ذبح سے بالا جماع حلال ہو جاتے ہیں۔جیسے مرغی، کبوتر، شترمرغ، بطخ، مرغابی۔

گھریلو درندے حرام ہیں جیسے کتا، بلی۔❹

جنگلی جانور......امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ جمہور کی نزدیک کچلیوں والے تمام درندے اور شکاری پنجوں والے تمام پرندے حرام ہیں۔اس لئے کہ یہ مردار کھاتے ہیں۔

کچلیوں والے جنگلی درندے یہ ہیں: شیر، بھیڑیا، بجو، چیتا، تیندوا، لومڑی، خشکی کا بلا، سنجاب (چوہے سے بڑا ایک جانور جس کی دم اوپر کو اٹھی ہوتی ہے اور اس کی کھال سے پوستین بنتی ہے۔) فنک، سمور، ریچھ، بندر، ہاتھی، نیولا (دلق)❺، گیدڑ۔

شکاری پنجوں والے پرندے یہ ہیں: باز، شکرہ، شاہین، چیل، الو، کوے کا بچہ، غراب البین (سب سے بڑا سفید وسیاہ کوا) گدھ، عقاب خطاف (کالی پیٹھ اور سفید پیٹ والا پرندہ جو موسم بہار میں گھروں میں آجاتا ہے۔اس کو سنونو (ابابیل) بھی کہتے ہیں)، چمگادڑ وغیرہ۔❻

شافعیہ کے نزدیک طوطا اور مور حرام ہیں اس لئے کہ ان کے گوشت میں خبث ہوتا ہے۔اسی طرح ان کے نزدیک ھد ھد اور لٹورا (چڑیا سے بڑا پرندہ جو چڑیاں شکار کرتا ہے) بھی حرام ہیں۔حنابلہ کے ہاں ہدہد اور لٹورے کے متعلق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں مروی ہیں۔

---

❶......البدائع: ۵/۳۷ و ما بعد، بدایۃ المجتھد ۱/۴۵۵، الشرح الکبیر: ۱/۴۹، القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۲، مغنی المحتاج: ۴/۲۹۸ وما بعدھا، المغنی: ۸/۵۸۶ وما بعدھا ❷ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین کے ہاں متفق علیہ ہے۔ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔گھریلو گدھوں کی حرمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، جابر رضی اللہ عنہ؛ براء رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ، انس رضی اللہ عنہ اور زاہر اسلمی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔روایات کی اسناد صحیح حسن ہیں۔غالب بن ابجر والی حدیث ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔(نصب الرایہ: ۴/۱۹۸، المغنی: ۸/۵۸۷) ❸ صحیحین میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مدینے میں ہم نے گھوڑا ذبح کیا اور اسے کھایا۔گھوڑوں کو گوشت کھانے سے ممانعت والی حضرت خالد رضی اللہ عنہ والی حدیث کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منکر ہے اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منسوخ ہے۔گھوڑوں کا گوشت کھانے کی حرمت پر اس آیت ”لترکبوھا وزینۃ“ استدلال مردود ہے۔جیسا کہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔اس لئے کہ آیت بالاتفاق مکی ہے۔اور گدھوں کا گوشت بالاتفاق سات ہجری کو خیبر والے دن حرام ہوا۔❹ البدائع: ۵/۳۹، مغنی المحتاج: ۴/۳۰۰، ۳۰۲، المغنی: ۸/۵۹۲، القوانین الفقھیہ ص ۱۷۲، المھذب: ۱/۲۴۸ وما بعدھا۔❺ الدلق: ایک حیوان جو جسم میں بلے جتنا ہوتا ہے۔اس کا رنگ زرد ہوتا ہے اور پیٹ اور گردن سفیدی مائل ہوتے ہیں۔❻ البدائع: ۵/۳۹، تکملۃ الفتح: ۸/۶۱ و ما بعدھا، بدایۃ المجتھد: ۱/۴۵۳ وما بعدھا، القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۲، مغنی المحتاج: ۴/۳۰۰، المھذب: ۱/۲۴۷ وما بعدھا، المغنی: ۸/۵۸۷۔۵۹۳، ۶۰۳، اللباب: ۳/۲۲۹ وما بعدھا۔

ایک یہ کہ یہ دونوں حلال ہیں۔ اس لئے کہ یہ شکاری پنجوں والے نہیں ہیں، ورنہ ہی طبیعت ان کو برا سمجھتی ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ دونوں حرام ہیں۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدہد، لٹورے، چیونٹی اور شہد کی مکھی کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

کچلیوں اور پنجوں والے جانوروں کی حرمت پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن تمام کچلیوں والے درندوں اور جنگل والے پرندوں سے منع فرمایا۔ ❶

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ چار پاؤں والے درندے مکروہ ہیں۔ ان کے نزدیک یہی راجح ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک سب حرام ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب حرمت کے قائل ہیں۔ پرندے مالکیہ کے نزدیک تمام حلال ہیں۔ چاہے پنجوں والے ہوں یا نہ ہوں۔ ان کا استدلال اس آیت کے ظاہر سے ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ ......الانعام: ۶/ ۱۴۵

(اے پیغمبر! ان سے) کہو: ’’جو وحی مجھ پر نازل کی گئی ہے اس میں تو میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس کا کھانا کسی کھانے والے کے لئے حرام ہو۔‘‘

لہٰذا اس آیت میں درج جانوروں کے علاوہ سب حلال ہوں گے۔ اور حدیث میں جس نہی کا ذکر ہے وہ کراہت پر محمول ہے۔

شافعیہ نے کچلیوں والے درندوں کے حرام ہونے کے لئے ایک اور قید لگائی ہے وہ یہ کہ وہ جانور عادی شکاری ہو اور اس کی کچلیاں مضبوط ہوں۔ اسی طرح پنجوں والی پرندوں کے پنجے بھی اتنے مضبوط ہوں کہ زخمی کر سکیں۔ اس لئے انہوں نے کمزور کچلیوں والے جانوروں کو مباح قرار دیا ہے جیسے بجو، لومڑی، فنک، سمور اور یربوع۔ زیادہ صحیح یہی ہے کہ کھیتی کا کوا (چھوٹا اور کالا کوا جس کو زاغ کہتے ہیں۔) ان کے نزدیک حلال ہے اس لئے کہ وہ کھیتی کھاتا ہے۔

حنابلہ نے بھی بجو کھانے میں گنجائش رکھی ہے۔ اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بجو کھانے کا حکم دیا۔ میں نے عرض کیا ’’کیا یہ شکار ہے؟‘‘ فرمایا ’’ہاں۔‘‘ اور یوں بھی آیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’وہ شکار ہے۔ اگر اس کو محرم شکار کرلے تو اسکے بدلے میں مینڈھا دینا ہوگا۔‘‘ ❷ حضرت سعد رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، عکرمہ اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بجو کے بارے میں رخصت منقول ہے۔ عروہ فرماتے ہیں کہ عرب بجو کھاتے رہے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یربوع کھانے کی اجازت دی ہے۔ اس لئے کہ اصل اباحت ہے جب تک کہ حرمت وارد نہ ہو۔

کچلیوں والے اور پنجوں والے جنگلی جانوروں کے علاوہ باقی حلال ہیں۔ جیسے ہرن، جنگلی گائے، گورخر کی مختلف قسمیں جیسے پہاڑی بکرا اور نیل گائے وغیرہ۔ اس لئے کہ یہ گھریلو بکری کی طرح ہیں اور پاکیزہ ہیں۔ اور صحیحین کی حدیث میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگلی گائے کے بارے میں فرمایا: ’’اس کا گوشت کھاؤ۔‘‘ اور خود بھی تناول فرمایا۔

خرگوش کھانا مباح ہے۔ اس لئے کہ یہ پاکیزہ اور طیب جانور ہے۔ ہرن کی طرح یہ بھی کچلیوں والا نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھانا مباح قرار دیا ہے۔ ❸

---

❶ ......اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کی حدیث مروی ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/ ۱۹۲ وما بعدھا، نیل الاوطار: ۸/ ۱۱۶) ❷ سنن ابو داؤد (نیل الاوطار: ۸/ ۱۲۱) ❸ حضرت محمد بن صفوان سے مروی ہے کہ انہوں نے دو خرگوش شکار کئے اور انہیں دو مروہ پتھروں سے ذبح کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہیں کھانے کا حکم دیا۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک جماعت نے روایت کی ہے کہ انہوں نے مر الظہران میں ایک خرگوش پکڑا۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ذبح کیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اس کا کچھ گوشت دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ (نیل الاوطار: ۸/ ۱۲۱)

اسی طرح جنگلی پرندوں میں سے جن کے پنجے نہیں ہوتے وہ سب مباح ہیں۔ جیسے کبوتر اور اس کی تمام اقسام، سرخاب (مرغی سے بڑا ایک پرندہ جس کی گردن لمبی ہوتی ہے)، چڑیاں، سارس (مشہور بڑا پرندہ جس کی کنیت ابو نعیم ہے، زمین پر ایک ٹانگ سے چلتا ہے۔ اور دوسری کو لٹکائے رکھتا ہے)، کوا جو کھیتی ❶ اور اناج کھاتا ہے (جسے زاغ کہتے ہیں)، اور ہر وہ جانور جس کی شکل چڑیا جیسی ہو۔ اگر چہ اس کا رنگ اور قسم مختلف ہو جیسے بلبل، صعوۃ (لال سر والی چھوٹی چڑیاں) زرزور (سرخ ناک والی چھوٹی سی چڑیا)، بلبل اور حمرۃ (ایک قسم کا پرندہ)۔

صحیح قول کے مطابق حنفیہ کے نزدیک عقعق کھانا جائز ہے (قعقع/ قاق: یہ دو رنگا سیاہ وسفید پرندہ ہوتا ہے جس کی دم لمبی ہوتی ہے، پر چھوٹے ہوتے ہیں، آنکھیں پارے سے ملتی جلتی ہیں، اس کی آواز عقعقہ ہے، عرب اس کی آواز سے بدفالی لیتے ہیں) اس لئے کہ یہ اناج اور مردار دونوں کھاتا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک یہ حرام ہے۔ اسی طرح غداف کبیر بھی حرام ہے۔ (اس کو پہاڑی کوا بھی کہتے ہیں اس لئے کہ یہ پہاڑوں میں بھی رہتا ہے) یہ دونوں اس لئے حرام ہیں کہ یہ گندے اور خبیث ہیں۔ شافعیہ نے غداف صغیر (یہ سیاہ خاکستری رنگ کا ہوتا ہے) میں اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے اور بعض اس کے حلال ہونے کے قائل ہیں۔ یہی راجح ہے۔ اس لئے کہ وہ کھیتی کھاتا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک عقعق حرام ہے۔ اس لئے کہ یہ مردار خور ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مردار نہ کھائے تو کوئی حرج نہیں۔

تیسری قسم۔ برآبی جانور..... یعنی وہ جانور جو خشکی میں بھی رہتے ہیں اور پانی مین بھی۔ جیسے مینڈک، کچھوا، کیکڑا، سانپ، گھڑیال، آبی کتا وغیرہ۔ ان کے بارے میں تین آراء ہیں۔ ❷

۱۔ حنفیہ اور شافعیہ..... حنفیہ اور شافعیہ فرماتے ہیں ❸ کہ یہ جانور حلال نہیں ہیں۔ اس لئے کہ یہ خبائث میں شامل ہیں۔ سانپ میں تو زہر بھی ہوتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ❹ اگر یہ حلال ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قتل سے منع نہ فرماتے۔

۲۔ مالکیہ...... مالکیہ فرماتے ہیں ❺ کہ مینڈک، حشرات، کیکڑے اور کچھوے مباح ہیں۔ اس لئے کہ ان کی حرمت کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ حرام وہ خبائث ہوتے ہیں جن کو شریعت خبائث قرار دے۔ جو صرف نفس کو برے لگیں وہ حرام نہیں جب تک کہ نص وارد نہ ہو۔

۳۔ حنابلہ..... حنابلہ فرماتے ہیں کہ آبی جانور میں سے جو خشکی میں رہتے ہیں وہ ذبح کئے بغیر حلال نہیں ہوتے۔ جیسے آبی پرندہ، کچھوا، آبی کتا۔ البتہ اگر اس میں خون نہ ہو تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بغیر ذبح کے مباح ہیں جیسے کیکڑا۔ اس لئے کہ یہ آبی جانور ہے جو کہ خشکی میں بھی زندہ رہ جاتا ہے۔ اور اس میں بہنے والا خون بھی نہیں۔ اس لئے اسے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے برعکس جن میں خون موجود ہو وہ ذبح کے بغیر مباح نہیں ہوں گے۔

لیکن اصح بات کہ وہ ہے جو شرح المقنع لابن مفلح الحنبلی (۹/ ۲۱۴) میں لکھی ہے کہ کیکڑا ذبح کیے بغیر حلال نہیں ہوتا۔

---

❶ ..... عنایہ میں ہے کہ حنفیہ کی نزدیک کوے کی تین قسمیں ہیں: جو صرف اناج کھائے، گندگی بالکل نہ کھائے اس کو زاغ کہتے ہیں۔ یہ مباح ہے مکروہ نہیں۔ دوسری قسم جو صرف گندگی کھائے۔ اس کو ابقع کہتے ہیں یہ مکروہ ہے۔ تیسری قسم جو کبھی اناج کھائے اور کبھی گندگی۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ ❷ اللباب شرح الکتاب: ۳/ ۲۳۰۔ تکملۃ الفتح: ۸/ ۶۲ وما بعدھا، مغنی المحتاج: ۴/ ۲۹۸، المھذب: ۱/ ۲۵۰۔ ❸ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، اسحاق اھویہ رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمٰن بن عثمان التیمی سے روایت کی ہے۔ (نصب الرأیۃ: ۴/ ۲۰۱) ❹ بدایۃ المجتھد: ۱/ ۴۵۶، القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۲۔
❺ المغنی: ۸/ ۶۰۶ ومابعدھا، کشاف القناع: ۶/ ۲۰۲۔

مینڈک کھانا مباح نہیں ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل سے منع فرمایا ہے (سنن نسائی) یہ اس کے حرام ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح گھڑیال بھی مباح نہیں۔

ضمیمہ: جدید ذبح خانوں میں ذبح کے جدید طریقے...... جانوروں کو قابو کرنے کے لئے انہیں تکلیف پہنچائے بغیر جدید وسائل استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ ❶ بناء بریں اسلام میں بے ہوش کرنے کے جدید طریقوں کا استعمال جائز ہے۔ بشرطیکہ ان کی وجہ سے جانور ذبح سے پہلے ہی نہ مرجاتا ہو۔ جیسے جانور ذبح کرتے وقت کاربن ڈائی اکسائیڈ استعمال کرنا، جب کہ غالب گمان یہ ہو کہ ذبح کے وقت طبعی زندگی موجود تھی۔ وجہ یہ ہے کہ اس سے جانوروں کو تکلیف نہیں ہوتی۔

ریوالور سے جانور کو زمین پر گرانا جائز نہیں۔ اسی طرح کسی وزن دار چیز مثلاً لکڑی، اسلحہ، لاٹھی وغیرہ سے یا بجلی کے کرنٹ سے یا بے ہوش کرنے کے کسی اور غیر مضر طریقے سے گرانا بھی جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔ لیکن مذکورہ طریقوں کے استعمال کے باوجود ذبح کے بعد جانور کو کھانا جائز رہتا ہے۔ بشرطیکہ ذبح کے وقت حیات مستقرۃ (شدید حرکت یا خون نکلنا) موجود ہو۔ اگر چہ ذبح کے وقت جانور کی حالت یہ ہو کہ اگر اس کو تھوڑی دیر ذبح کئے بغیر چھوڑ دیا جائے تو مرجائے۔ اسی طرح چاہے وہ ذرائع بھی استعمال کئے ہوئے ہوں جن کا مقصود ذبح کے عمل کو آسان بنانا ہے۔ اگر چوٹ کی وجہ سے دماغ کا عصبی نظام تلف ہو جائے تو مالکیہ کے نزدیک اس کو کھانا مباح نہیں۔ اس لئے کہ یہ جانور منفوذ المقاتل ہو گیا ہے یعنی اس کے ان اعضاء میں سے ایک تلف ہو گیا ہے جن پر چوٹ جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ دماغ کا انتشار بھی ایک مقتل ہے۔ لیکن ان کے نزدیک اگر اس کا زندہ ہونا ثابت ہو گیا تو کھایا جائے گا۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر جانور کو ذبح کرتے وقت اس میں حیات مستقرہ (یعنی اختیاری حرکت جس پر خون کا نکلنا دلالت کرتا ہے یا شدید حرکت) موجود تھی تو اسے کھایا جائے گا۔ اسی طرح حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر ذبح کرنے والے نے تیزی سے رگیں کاٹ لیں تو اسے کھایا جائے گا۔

آج کل ذبح خانوں میں تیز دھار والے اور جلد کاٹنے والے آلات سے ذبح کیا جاتا ہے۔ اور ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ ذبح کا عمل بے ہوش کرنے اور گرانے کے عمل سے چند سیکنڈ بعد ہوتا ہے۔

مالکیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک گدی کی طرف سے ذبح کرنے میں کوئی مانع نہیں۔ لیکن یہ مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے حیوان کو تکلیف ہوتی ہے۔ ایسے جانور کو کھانا جائز نہیں جس کا خون کسی آلے سے بہہ گیا ہو پھر اس کی طبعی زندگی کا پتہ چلنے سے پہلے ہی ذبح کر دیا ہو۔

میں نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ نصرانی ممالک سے درآمد شدہ ذبیحے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر چہ ان پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو۔ بشرطیکہ وہ ذبح کئے ہوئے ہوں۔ دم گھٹنے سے نہ مرے ہوں اور گردن بھی جدا نہ کی گئی ہو۔ بت پرست اور لادین ممالک جیسے جاپان، ہندوستان اور کمیونسٹ ممالک سے درآمد شدہ گوشت حلال نہیں۔ اہل کتاب اگر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیں تو ان کا ذبیحہ مکروہ ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسے ذبیحہ پر تکبیر پڑھ کر استعمال کیا جائے۔ شافعیہ اور اہل تشیع اسی طرح کے گوشت کے بارے میں سختی کرتے ہیں اور اسے جائز نہیں سمجھتے۔

کمیونسٹ ممالک میں پڑھنے والے طلباء پر واجب ہے کہ وہ گوشت والے کھانوں سے اجتناب کریں۔ اور نباتاتی غذاؤں اور سبزیوں پر اکتفاء کریں۔ یا یورپ وغیرہ سے برآمد ہونے والے گوشت کے ڈبوں کو استعمال کریں۔ بہر حال اس ممنوع گوشت کا استعمال کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ خاص طور پر خنزیر کے گوشت کا حکم تو ہر ملک میں ایک ہی ہے۔ ایسے حالات میں ضرورت کا دعویٰ کر کے جواز پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ ضرورت کے معنی یہاں نہیں پائے جاتے۔ دوسرے کھانے جو شرعاً جائز ہیں..... انہیں استعمال کر کے جان ہلاک ہونے سے بچائی جاسکتی ہے۔

---

❶..... دیکھئے رسالہ حضارۃ الاسلام دمشق جلد نمبر ۸، شمارہ نمبر ۵ ص ۶۲ و مابعد میں شائع ہونے والا فتویٰ۔

دوسری فصل

شکار.....اس میں چار مباحث ہیں:

پہلی بحث.....شکار کی تعریف، حکم اور مشروعیت۔

دوسری بحث.....شکار کے مباح ہونے کی شرطیں۔

تیسری بحث.....جن جانوروں کا شکار حرام ہے۔

چوتھی بحث.....شکاری شکار کا مالک کب بنے گا؟

پہلی بحث: شکار کی تعریف، حکم اور مشروعیت

شکار کی تعریف.....الصید لغوی اعتبار سے صاد کا مصدر ہے۔اس کا مطلب ہے لینا۔اس سے اسم فاعل صائد آتا ہے اور اسم مفعول مصید آتا ہے۔مصید یعنی شکار کئے جانے والے جانور کو ''صید'' بھی کہا جاتا ہے۔اس کی جمع صیود آتی ہے۔

المصید.....یعنی شکار کیا جانے والا جانور: یہ ہر اس جانور کو کہتے ہیں جو طبعی طور پر وحشی ہو، آدمی سے بچ کر رہتا ہو، چاہے کھایا جانے والا ہو یا نہ ہو۔اس کو کسی حیلے یا تدبیر کے بغیر نہ پکڑا جاسکتا ہو۔

الصید.....ایسے جانور کو شکار کرنا جو حلال ہو، طبعی طور پر وحشی ہو، کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور کسی کے قابو میں بھی نہ ہو۔❶

شکار کا حکم.....شکار کرنے والے کے لئے شکار کرنا بالا جماع مباح ہے۔بشرطیکہ حرم مکی اور حرم مدنی میں نہ کرے اور اس نے حج یا عمرے کا احرام نہ باندھا ہو۔شکار اگر شرعی طور پر حلال جانور کا کیا گیا ہے تو اسے کھایا جائے گا۔❷ اس لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا المائدۃ:۵/۲

''اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔''

یہ حکم ممانعت کے بعد ہے۔اس لئے اباحت کا فائدہ دے گا۔اسی طرح دیگر آیات میں شکار کے بارے میں ارشاد ہے:

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا .....المائدہ:۵/۹۶)

''جب تک تم حالت احرام میں ہو تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ المائدہ:۵/۹۵

''اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو کسی شکار کو قتل نہ کرو۔''

قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ المائدۃ۵/۴

''کہہ دو کہ تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سکھا سکھا کر (شکار کے لئے) سدھا لیا ہو۔''

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اگر آپ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اپنے کتے

---

❶.....تبیین الحقائق:۶/۵۰، اللباب:۳/۲۱۷، کشاف القناع:۶/۲۱۱۔❷تبیین الحقائق:۶/۵۰، المغنی: ۸/۵۳۹، ۵۵۱ وما بعدھا، الدر المختار:۵/۳۲۹۔

کو چھوڑیں اور وہ شکار کو پکڑ کر قتل کر لے تو اسے کھاؤ۔ اور اگر کتا شکار میں سے کچھ کھا لے تو اسے نہ کھاؤ۔ اس لئے کہ اس نے اپنے لئے شکار پکڑا ہے۔''❶

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ انہیں ایک جنگلی گدھا نظر آیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئے، نیزہ لیا، اس کے پیچھے دوڑ لگائی اور اسے قتل کر دیا۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو ان سے پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تمہارا کھانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں کھلایا ہے۔''❷

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنی کمان سے جو شکار کرو اور اس پر اللہ کا نام لے لیا ہو تو اسے کھاؤ۔ اور سدھائے ہوئے کتے سے جو شکار کیا ہو اس پر اللہ کا نام لیا ہو اسے بھی کھاؤ۔ اور غیر تربیت یافتہ کتے سے جو شکار کرو اسے ذبح کرنے کا موقع مل جائے تو اسے بھی کھالو۔❸

شکار کرنا اور شکار کھانا مباح ہونے پر علماء کا اجماع ہے۔

لہو ولعب کے طور پر شکار کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ بے کار اور فضول کام ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''کسی زندہ چیز کو نشانہ نہ بناؤ''❹ ''جس کسی نے چڑیا کو فضول قتل کیا وہ قیامت کے دن چیختی ہوئی آئے گی اور کہے گی: اے میرے رب! فلاں نے مجھے فضول قتل کیا۔ کسی فائدے کے لئے قتل نہیں کیا۔''❺ اور اس طرح کے شکار میں اگر لوگوں پر ظلم بھی شامل ہو جائے کہ ان کی کھیتیاں اور مال تاراج کئے جائیں تو یہ حرام ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ ذرائع اور وسائل کے وہی احکام ہوتے ہیں جو مقاصد کے ہوتے ہیں۔❻

شکار سب سے افضل کھانا ہے۔ اس لئے کہ یہ ایسا حلال ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ جس طرح کہ زراعت سب سے افضل کمائی ہے۔ اس لئے کہ یہ توکل کے زیادہ قریب ہے، حلال ہونے کے زیادہ قریب ہے، اس میں ہاتھ کی محنت ہوتی ہے اور انسانوں اور حیوانوں کو عام نفع پہنچتا ہے۔❼

شکار کی مشروعیت کی مزید تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ ایک طرح کی کمائی ہے۔ اس کے ذریعے انسان اپنے لئے پیدا کی ہوئی مخلوقات سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ تاکہ وہ زندہ رہ سکے اور شرعی احکام پر عمل درآمد کر سکے۔

مالکیہ نے شکار کے احکام کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔❽ ذاتی معاش کے لئے مباح ہے۔ گھر والوں پر وسعت کرنے لئے کیا جائے تو مندوب ہے۔ ضرورت کے وقت اپنی جان بچانے کے لئے واجب ہے۔ کھیل کے طور پر ہو تو مکروہ ہے۔ ویسے ہی فضول شکار کھیلے، کچھ بھی مقصود نہ ہو تو حرام ہے۔ اس لئے کہ حیوان کو بلا فائدہ تکلیف دینا مکروہ ہے۔

دوسری بحث: شکار کے مباح ہونے کی شرطیں..... حنفیہ کے نزدیک شکار کی اباحت کے لئے متعدد شرطیں ہیں۔❾ مالکیہ کے نزدیک سولہ شرطیں❿ ہیں۔ شافعیہ اور حنابلہ⓫ نے ان کو سات شرطوں میں بیان کیا ہے۔

---

❶..... متفق علیہ بین احمد والشخین (نیل الاوطار: ۱۳۴/۸، تلخیص الحبیر: ۱۳۳/۴ وما بعد۔❷متفق علیہ۔❸متفق علیہ (نیل الاوطار: ۱۳۰/۸)❹امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔❺اس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن الشرید عن ابیہ سے روایت کیا۔ (نیل الاوطار: ۱۳۷/۸ اوما بعدھا)❻کشاف القناع: ۲۱۱/۶۔❼سابقہ حوالہ۔❽القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۵، الشرح الکبیر: ۱۰۸/۲۔❾رد المحتار علی الدر المختار: ۳۲۸/۵، تکملۃ الفتح: ۱۷۵/۸، ۱۸۰ وما بعدھا۔❿القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۵۔۱۷۸، الشرح الکبیر: ۱۰۳/۲۔۱۰۶، بدایۃ المجتھد: ۴۴۱/۱۔۴۴۸۔⓫مغنی المحتاج: ۲۶۶/۴ وما بعدھا، المھذب: ۲۵۳/۱ ومابعدھا، المغنی: ۵۳۹/۸۔۵۴۵، کشاف القناع: ۲۱۴/۶۔۲۲۵۔

یہ شرطیں کچھ شکاری کے لئے ہیں۔ کچھ شکار کے آلے کے بارے میں ہیں اور کچھ شکار کئے جانے والے جانور کے لئے۔ یہ ملحوظ رہے کہ یہ شرطیں اس حالت کے لئے ہیں جس میں شکار کو کھانا جائز ہوا اور وہ زندہ حالت میں نہ ملا ہو۔ اگر زندہ حالت میں ملا ہو تو اسے ذبح کرنا واجب ہے۔ یہ سب شرطیں بری جانور کے لئے ہیں بحری شکار تو مطلقاً جائز ہے۔ چاہے مسلمان نے کیا ہو یا کافر نے۔ اور جس طرح بھی کیا ہو۔

پہلا مقصد: شکاری کی شرطیں

.....شکاری کی شرطیں حنفیہ کے نزدیک پانچ ہیں اور مالکیہ کے نزدیک چھ یا سات ہیں۔

۱.....شکاری ذبح کا اہل ہو۔ یعنی شرعاً اس کا ذبح کرنا مقبول ہو۔ جیسا کہ ذبائح کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس شرط پر سب کا اتفاق ہے۔ لہٰذا مسلمان کا شکار بالاتفاق جائز ہوگا۔ بت پرست، مرتد، مجوسی اور باطنی کا شکار بالاتفاق ناجائز ہوگا۔ اس لئے کہ شکار کرنا ذبح کرنے کے قائم مقام ہے۔ اور زخمی کرنے والی چیز چھری کی طرح آلہ ہے۔ اور شکاری کا جانور کو زخمی کرنا رگیں کاٹنے کی طرح ہے۔ شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک مجنون کا شکار جائز نہیں۔ اس لئے کہ شکاری ذبح کرنے والے کی طرح ہے اس لئے اس میں اہلیت شرط ہوگی۔ کتابی (یہودی ونصرانی) کا ذبیحہ چاروں مذاہب میں جائز ہے۔ لیکن شافعیہ نے ان کی شکار اور ذبح کے حلال ہونے کے لئے شرط یہ لگائی ہے کہ یہود کے آباؤاجداد کا اسلام، جوکہ یہودیت کا ناسخ ہے، کے آنے کے بعد یہودی بننا معلوم نہ ہو۔ اور نصرانی کے آباؤاجداد کا اسلام سے پہلے نصرانی بننا معلوم ہو۔ اگر کتابی کا باپ مجوسی ہو اور ماں کتابی ہو یا اس کے برعکس ہو تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ والد کا اعتبار کرتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ماں کا اعتبار کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ماں باپ میں سے جس کا ذبیحہ جائز ہو اس کا اعتبار ہوگا۔ لہٰذا مشرک اور کتابی سے پیدا ہونے والا کتابی کی طرح ہے۔ اس لئے کہ کتابی خفیف اور بہتر ہے۔ اور والدین میں سے نقصان کے اعتبار سے جو زیادہ خفیف ہو بچہ اسی کے تابع ہوتا ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کتابی اور مشرک سے پیدا ہونے والا مشرک کی طرح ہے۔ جیسے کتابی مرد سے مجوسی عورت کا بچہ اس کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ ❶

۲.....بھیجتے وقت کوئی ایسا آدمی شریک نہ ہو جائے جس کا شکار حلال نہیں۔ اس شرط پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ پہلی اور دوسری شرط کو ایک بنایا جاسکتا ہے۔ اس شرط کی دلیل حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے۔ جس میں یہ بھی ہے:

مالم يشركها كلب ليس معها

''جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا کتا شریک نہ ہو جائے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر شکار میں کوئی دوسرا کتا شریک ہو جائے تو شکار حلال نہیں رہتا۔

اگر مجوسی نے شکار یا ذبح میں مسلمان کو بھی شریک کرلیا یا وہ دونوں دو کتے بھیجنے میں شریک ہو گئے یا دو تیر پھینکنے میں شریک ہو گئے۔ اور مسلمان کا کتا یا تیر آگے نہ نکل سکا۔ دونوں نے شکار کو زخمی کیا۔ یا یہ پتہ نہیں چلا کہ کس نے زخمی کیا ہے۔ تو شکار یا ذبح کیا جانے والا جانور نہیں کھائے جائیں گے۔ اس لئے کہ مباح کرنے والا اور حرام کرنے والا جمع ہو گئے ہیں۔ اس لئے حرام والی جہت احتیاطاً غالب رہے گی۔ کھانے کے معاملے میں چاروں مذاہب کا اصول یہ ہے کہ تحریم کو غالب کرتے ہیں۔ ❷ یہی اصول اس وقت بھی لوگوں ہوگا جب تربیت یافتہ کتا اور غیر تربیت یافتہ کتا شریک ہو جائیں یا ایسے دو کتے شریک ہو جائیں جن میں سے ایک پر بسم اللہ پڑھی ہوئی ہو اور دوسرے پر جان بوجھ کر نہ پڑھی ہو۔ دوسری صورت جمہور کے نزدیک ہے جو بسم اللہ کو شرط ٹھہراتے ہیں۔

۳.....شکار کی نیت یا کسی شکاری جانور کو شکار کے لئے بھیجنا پایا جائے۔ اس شرط پر بھی اتفاق ہے۔ اگر جانور خود چلا گیا اور شکار کرلیا تو جائز نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے: ''جب آپ اپنے سدھائے

---

❶.....القوانين الفقهيه: ص ۱۷۲، الدر المختار ورد المحتار: ۲۱۰/۵، كشاف القناع: ۲۱۵/۲۔ ❷اللباب: ۲۱۹/۳ وما بعد، الشرح الكبير: ۱۰۵/۲، مغنى المحتاج: ۲۶۶/۴، كشاف القناع: ۲۱۵/۲، المهذب: ۲۵۳/۱۔

ہوئے کتے کو بسم اللہ پڑھ کر بھیجیں تو جو کچھ وہ آپ کے لئے پکڑے اسے کھالیں‘‘ اس لئے کہ شکاری جانور کا بھیجنا ذبح کی طرح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھیجنے کے ساتھ بسم اللہ کا اعتبار ہوتا ہے۔

اگر شکاری جانور خود چلا گیا پھر مالک نے اللہ کا نام لے لیا اور اسے برانگیختہ کیا جس سے اس کو شہ مل گئی تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا شکار حلال ہے۔ اس لئے کہ برانگیختہ کرنا بھیجنے کی طرح ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ مباح نہیں۔ اس لئے کہ خود بخود جانا اور برانگیختہ کرنا، دونوں باتیں جمع ہوگئیں تو ممانعت والی جانب غالب ہوگی۔ ❶ میرے خیال میں پہلی رائے زیادہ راجح ہے۔

۴.....جان بوجھ کر بسم اللہ نہ چھوڑی جائے۔ یہ جمہور کے نزدیک شرط ہے۔ شافعیہ کے نزدیک شرط نہیں۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ شکار تیر پھینکتے وقت یا شکاری جانور کو بھیجتے وقت اللہ کا نام لے۔ جس طرح ذبح کرنے والا ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے یا اس کے ساتھ واللہ اکبر کا اضافہ کرتا ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے جس میں بسم اللہ کا ذکر ہے۔ اگر شکاری نے بسم اللہ جان بوجھ کر چھوڑ دی تو جمہور کے نزدیک شکار نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الانعام:۶/ ۱۲۱

اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ المائدہ:۵/ ۴

’’وہ جس جانور کو (شکار کر کے) تمہارے لئے روکیں اس میں سے تم کھا سکتے ہو۔ اور اس پر اللہ کا نام لیا کرو۔‘‘

اور اگر بھولے سے بسم اللہ چھوڑ دے تو مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک شکار کھایا جائے گا۔ اور حنابلہ کے نزدیک نہیں کھایا جائے گا۔ ❷ اس کے برعکس ذبیحے پر اگر بھولے سے بسم اللہ رہ جائے تو ان کے نزدیک کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ’’جو کوئی بسم اللہ بھول جائے تو کوئی حرج نہیں۔‘‘ سعید ابن منصور رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے راشد بن ربیعہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اگر چہ اس نے اللہ کا نام نہ لیا ہو بشرطیکہ جان بوجھ کر نہ چھوڑے۔‘‘ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الانعام:۶/ ۱۲۱

اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ۔

اس صورت پر محمول ہے جب جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ دی ہو۔ اس پر دلیل اسی آیت کا اگلا حصہ ہے:

وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ الانعام:۶/ ۱۲۱

ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔ اور جس پر بسم اللہ بھول گئی ہو اس کا کھانا گناہ نہیں۔

حنابلہ کے نزدیک ذبیحہ شکار سے مختلف ہے۔ اس لئے کہ شکار اپنی جگہ سے ہٹ کر ذبح ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی تقویت کے لئے بسم اللہ کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور ذبیحے کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث سے بھی بسم اللہ کے واجب ہونے پر راہنمائی ملتی ہے: وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ’’اے اللہ کے رسول! میں کتے کو بھیجتا ہوں اور اس پر بسم اللہ پڑھتا ہوں۔‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اگر آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اپنا کتا بھیجا اور اس نے شکار پکڑ کر قتل کر لیا تو اسے کھاؤ۔ اور اگر اس نے اس میں سے کچھ کھا لیا تو مت کھاؤ۔ اس لئے کہ اس نے اپنے لئے روکا ہے۔‘‘ میں نے عرض کیا: ’’کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں اپنا کتا بھیجتا ہوں پھر اس کے ساتھ کوئی اور کتا بھی ہو جاتا ہے۔ پتہ نہیں چلتا کہ شکار کس نے پکڑا ہے؟‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اسے مت کھاؤ۔ اس لئے کہ آپ نے اپنے

❶.....المغنی: ۸/ ۵۴۱ وما بعدھا، الشرح الکبیر: ۲/ ۱۰۴، مغنی المحتاج: ۴/ ۲۷۶، تکملۃ الفتح: ۸/ ۱۸۱۔ ❷ المغنی: ۸/ ۵۴۰، ۵۶۵۔

کتے پر بسم اللہ کہی ہے دوسرے پر نہیں۔" ❶

شافعیہ فرماتے ہیں ❷ جس جانور پر بسم اللہ نہ پڑھی ہو وہ حلال ہے۔ چاہے جان بوجھ کر نہ پڑھی ہو یا بھولے سے اور شکار ہو یا ذبیحہ۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے۔ بسم اللہ کہے یا نہ کہے۔" ❸ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اس آدمی کے بارے میں کیا حکم ہے جو ذبح کرتے ہوئے بسم اللہ بھول جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کا نام پر مسمان کے دل میں ہے۔" ❹

رہی اس آیت والی ممانعت:

وَ لَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ...... الانعام: ۶/ ۱۲۱

اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ۔ ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔

تو اس میں فسق یعنی سخت گناہ کی قید لگی ہوتی ہے۔ اور ذبیحے میں فسق کی تفسیر قرآن مجید میں دوسری جگہ آئی ہے **ما اهل لغير الله**۔ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ اس لئے کہ جملہ "وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ" پہلے والے جملے پر معطوف نہیں ہوسکتا۔ دونوں جملوں میں تباین ہے۔ پہلا جملہ فعلیہ انشائیہ ہے اور دوسرا اسمیہ خبریہ۔ معلوم ہوا کہ یہ جملہ حالیہ ہے۔

اور وہ احادیث جن میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے جیسے حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ والی حدیث، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث اور دیگر احادیث یہ سب ندب پر محمول ہیں۔

۵..... شکاری، شکار کے لئے بھیجنے اور اسے پکڑنے کے درمیان کسی اور کام میں نہ لگے۔ مالکیہ نے اسے یوں تعبیر کیا ہے۔

ان يتبع الصائد الصيد عند الامر سال اوالرمى

یعنی تیر مارنے یا شکاری جانور کو بھیجنے کے بعد شکاری شکار کا پیچھا کرتا رہے۔

یہ شرط لگانے کی وجہ یہ ہے کہ شکاری شکار کے پیچھے لگے رہنے کا پابند ہے تاکہ اگر اس کو زندہ حالت میں ملے تو اسے ذبح کرلے۔ اگر اس نے اس میں کوتاہی کی۔ اور شکار ذبح کئے بغیر مر گیا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ اختیاری ذبح پر قادر تھا۔ لہٰذا اضطراری ذبح کافی نہیں ہوگی۔

اگر جانور زندہ مل جائے تو اس میں فقہاء کی آراء حسب ذیل ہیں:

حنفیہ..... حنفیہ فرماتے ہیں۔ ❶ اگر شکار اس حالت میں ملا کہ اس میں حیات مذبوح (غیر اختیاری حرکات والی زندگی) سے زیادہ

---

❶..... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین کے ہاں متفق علیہ ہے۔ (نیل الاوطار: ۸/ ۱۳۴) ❷ مغنی المحتاج: ۴/ ۲۷۲۔

❸ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے۔ اس معنی میں اور بھی احادیث ہیں جن میں سے ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جو کہ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے لیکن اس کی سند میں کلام ہے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/ ۱۸۲) ❹ اس کو دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے اس میں ایک ضعیف راوی ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک مرسل حدیث صلت الدوسی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے چاہے اللہ کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو۔" امام احمد کے لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث جیسی ایک روایت نقل کی ہے: (نصب الرایۃ: ۴/ ۱۸۳، المغنی: ۸/ ۵۴۰) ❺ تکملۃ الفتح: ۸/ ۱۷۸ وما بعدھا، اللباب ۳/ ۲۱۹، تبیین الحقائق: ۶/ ۵۳، الدر المختار: ۵/ ۳۳۴۔

زندگی تھی کہ وہ ذبح کئے ہوئے جانور سے زیادہ زندہ رہ سکتا تھا جیسے ایک دن یا آدھا دن۔ اور شکاری نے اسے ذبح نہیں کیا۔ یہاں تک کہ وہ مرگیا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کو ذبح کرنے پر قدرت حاصل تھی اس کے باوجود اس کو ذبح نہیں کیا گیا۔ اب یہ مردار کی طرح ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ......المائدہ: ۵/۳

سوائے اس کے کہ تم اس کو ذبح کرلو۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا: ''جب تم اپنے کتے کو بھیجو تو اس پر اللہ کا نام لو، اگر وہ شکار کو پکڑ لے۔ اور آپ کو زندہ حالت میں مل جائے تو اسے ذبح کرو۔''

اگر اس میں حیات مذبوح جیسی زندگی تھی تو اس کو ذبح کرنا لازم نہیں۔ اس لئے کہ وہ حکماً مرا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اسی حالت میں پانی میں گر گیا تو حرام نہیں ہوگا۔ جیسے مرا ہوا شکار پانی میں گر جائے۔

اور اگر شکاری کو شکار اس حالت میں ملا کہ اس میں حیات مذبوح سے زیادہ زندگی تھی لیکن ذبح کا آلہ نہ ہونے کی وجہ سے یا وقت کی کمی کے باعث وہ ذبح نہ کرسکا تو ظاہر الروایۃ کے مطابق اسے نہیں کھایا جائے گا۔ حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ سے ایک اور روایت یہ ہے کہ اسے استحساناً کھایا جائے گا بعض کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔ اگر وہ اس وجہ سے ذبح نہیں کرسکا کہ اس پر قادر نہیں تھا۔ یعنی اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوئی تھی اور مرگیا تو کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوئی تھی اس لئے ذبح پر قدرت نہ پائی گئی۔

مالکیہ...... مالکیہ فرماتے ہیں [1] کہ اگر شکاری تیر مارنے یا بھیجنے کے بعد لوٹا تو دیکھا کہ شکار کے مقاتل ٹھیک ہیں تو اسے ذبح کرے۔ اور اگر اس کے مقاتل متاثر ہو چکے تھے تو نہیں کھایا جائے گا۔ ہاں اگر یہ پتہ چل جائے کہ مقاتل اس چیز سے متاثر اور منفوذ ہوئے ہیں جس سے شکار کیا ہے تو الگ بات ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ......شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں [2] کہ اگر شکار کی زندگی مذبوح جیسی تھی۔ اس میں حیات مستقرہ نہیں تھی مثلاً اس کا پیٹ پھٹ کر آنتیں نکل آئی تھیں یا اسے کتے نے جان لیوا زخم لگا دیئے تھے۔ تو تمام مذاہب میں بالاتفاق بغیر ذبح کے مباح ہے۔ اس لئے کہ ایسے جانور کو ذبح کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ لیکن شافعیہ کے نزدیک اس کے گلے پر چھری پھیر دینا مستحب ہے۔ تاکہ اسے راحت مل جائے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا۔ یہاں تک کہ موت واقع ہوگئی تو بھی حلال ہوگا۔ اس لئے کہ بھیجے ہوئے کتے کے زخم نے اسے ذبح کردیا۔ اب اس میں صرف مذبوح جانور والی حرکت باقی ہے۔ اور اگر اس میں حیات مستقرہ موجود تھی کہ شکاری کو مل گیا تو دیکھا جائے گا۔

الف......اگر شکاری کی کوتاہی کے بغیر اسے ذبح کرنا ناممکن ہو تو اسے کھانا جائز ہے۔ گویا اس نے شکار کے لئے چھری تیار کی لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے ذبح کا وقت نہ ملا یہاں تک کہ وہ مرگیا۔ یا وہ اطمینان سے چلتا رہا دوڑ کر نہیں گیا یا اسے قبلہ رخ کرنے، ذبح کی جگہ تلاش کرنے یا چھری لینے میں مشغول ہوگیا یا کسی درندے نے راستہ روک لیا اور ذبح کا موقع ملنے سے پہلے جانور مرگیا ان تمام صورتوں میں شکار حلال ہوگا۔ گویا وہ اسے زندہ حالت میں ملا ہی نہیں۔

ب......اور اگر شکاری کی کوتاہی کی وجہ سے ذبح سے پہلے مرگیا۔ مثلاً یہ کہ اس کے پاس چھری نہیں تھی یا چھری تیز نہیں تھی یا اس لئے غلطی سے پیٹ کی طرف سے ذبح کردیا یا اس سے کسی غاصب نے لے لیا، یا چھری غلاف میں پھنس گئی......ان تمام صورتوں میں شکاری کی کوتاہی کی وجہ سے شکار حرام ہو جائے گا۔ اس لئے کہ حضرت ابوثعلبہ کی مذکورہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا سدھایا ہوا کتا

[1]......القوانین الفقهيه: ص ١٧٦ ـ [2]مغنی المحتاج: ٢٦٩/٤ وما بعدها، المهذب: ٢٥٤/١، المغنی: ٥٦٧/٨ وما بعدها، كشاف القناع: ٢١٤/٦ وما بعدها.

جو کچھ لے کر آئے اور اس پر بسم اللہ بھی پڑھی ہوئی ہو، اسے ذبح کرنے کا موقع مل جائے تو ذبح کرو اور کھاؤ اور اگر ذبح کا موقع نہ ملے تو نہ کھاؤ۔''

۶.....خشکی کے شکار میں شکاری نے حج یا عمرے کا احرام نہ باندھا ہو۔ سمندر کا شکار محرم کے لئے حلال ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ ......المائدۃ:۵/۹۶)

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے تا کہ وہ تمہارے لئے اور قافلوں کے لئے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنے لیکن جب تک تم حالت احرام میں ہو تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔ (آسان ترجمہ قرآن از حضرت مفتی محمد تقی عثانی رحمۃ اللہ علیہ)

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے'' تمہارے لئے حالت احرام میں خشکی کا شکار کھانا حلال ہے جب تک کہ تم خود اسے شکار نہ کرو یا وہ تمہارے لئے نہ کیا جائے۔'' ❶ شکار کی دونوں قسموں میں فرق کی حکمت جیسا کہ آیت میں ہے.....یہی ہے کہ مسافروں کو سمندر سے زاد راہ میسر آجائے۔ جب کہ خشکی کا سفر تو آسودگی کے لئے ہوتا ہے اس میں کافی مشقت اور جانور کا پیچھا کرنا پڑتا ہے۔ اس سے محرم کی عبادات متاثر ہوتی ہیں۔

۷.....شکاری شکار کو دیکھے، اسے معین اور مخصوص کرے اور اپنا تربیت یافتہ کتا اسکی طرف بھیجے یہ شرط مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے ذکر کی ہے۔ ❷ اس کو تیسری شرط میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

اگر شکاری کو شکار کا پتہ چل گیا، چاہے وہ اندھا ہی کیوں نہ ہو، اس نے اپنا سدھایا ہوا کتا یا باز بھیجا۔ اس نے شکار کو قتل کر لیا تو اسے کھایا جائے گا۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اندھے کا شکار درست ہے۔ لیکن اگر اس نے شکار کو دیکھے یا محسوس کئے بغیر شکاری جانور کو بھیج دیا اور اس نے شکار کر لیا تو اکثر اہل علم کے نزدیک مباح نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ شکاری نے اسے شکار پر نہیں بھیجا۔ یہ خود گیا ہے۔

اسی طرح اگر اس نے اپنی طاقت جانچنے کے لئے تیر مارا یا کسی نشانے پر تیر مارا اور وہ شکار کو جالگا۔ اس نے از پر کی طرف تیر مارا اور وہ شکار کو جالگا اور شکار مر بھی گیا تو یہ حلال نہیں ہوگا اس لئے کہ اس نے تیر مارتے ہوئے کسی چیز کا ارادہ نہیں کیا۔ جیسے اگر اس نے چھری نصب کی اور اس سے کوئی بکری ذبح ہوگئی۔ اگر اس نے شکاری جانور کو کسی غار یا درختوں کے جھنڈ میں بھیجا۔ اسے معلوم نہیں کہ اس میں شکار ہوگا۔ لیکن اس سے جو کچھ بھی ملے اس کی ذبح کی نیت کر لی۔ یا اسے شکار کا علم تھا لیکن اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں تھا۔ ان صورتوں میں اگر شکاری جانور کو شکار مل گیا اور اس نے قتل بھی کر لیا تو اسے کھایا جائے گا۔ جیسا کہ مالکیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ یہاں شکار کے غالب گمان کو شکار کے علم کا درجہ دے دیا جائے گا۔

شافعیہ نے شرط ❸ لگائی ہے کہ شکاری بینا ہو۔ لہٰذا ان کے صحیح قول کے مطابق اندھے کا شکار حلال نہیں۔ اس لئے کہ اس کا قصد صحیح نہیں ہوتا۔ وہ شکار کو دیکھ نہیں سکتا۔ یہ کتے کے خود بخود جانے کی طرح ہو گیا۔ اگر اس نے شکار کو دیکھے بغیر کتا بھیجا اور اس نے شکار کر لیا تو یہ حلال نہیں ہوگا۔ ان شرطوں کی تطبیق کے لئے میں دو حالتیں ذکر کرتا ہوں۔ شکار کے گرنے کی جگہ پوشیدہ ہونے کی حالت اور شکار کے بعد پانی میں گرنے یا بلندی سے گرنے کی حالت۔

پہلی حالت.....شکاری نے شکار کو تیر مارا۔ وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر وہ اس کو مردہ حالت میں ملا۔ اس پر اسے اپنے تیر

---

❶.....امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں روایت کیا ہے۔ ❷ الشرح الکبیر: ۲/۱۰۴، القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۶، المغنی: ۸/۵۴۵، کشاف القناع: ۶/۲۱۴، المھذب: ۲۵۵/۶، مغنی المحتاج: ۴/۲۷۷۔ ❸ مغنی المحتاج: ۴/۲۶۶۔۲۶۷، المھذب: ۱/۲۵۵۔

کے علاوہ کوئی اثر نہ نظر آیا۔ (۱) تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کو کھانا مباح ہے۔ بشرطیکہ وہ اس کے پیچھے اس کی تلاش میں لگا رہے اور سے چھوڑ کر کسی دوسرے کام میں نہ لگے۔ اگر وہ کسی اور کام میں مشغول ہو گیا اور پھر اسے وہ شکار ملا۔ یا اسے کسی دوسرے تیر کا اثر نظر آیا۔ یا اسے اپنے تیر میں شک ہو گیا تو اس کو کھانا مباح نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ممکن ہے وہ کسی دوسرے سبب سے مرا ہو۔ اور اس لئے بھی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: **کل ما اصمیت، ودع ما انیت،** (۲) الاصماء کا مطلب ہے دیکھنا اور الانماء کا مطلب ہے پوشیدہ ہونا۔ یعنی جس کو آپ دیکھیں تو کھالیں۔ اور جو آپ سے پوشیدہ ہو جائے اسے چھوڑ دیں۔ اس سے معلوم ہو کہ شکار پوشیدہ ہو جانے سے حرام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث میں یہ بھی ہے: ''جب آپ تیر چلائیں اور ایک دو دن کے بعد شکار ملے۔ اس میں صرف آپ کے تیر ہو تو اسے کھالو۔ اور اگر وہ پانی میں گر جائے تو نہ کھاؤ۔''

شافعیہ کے نزدیک ظاہر یہی ہے کہ اگر اسے ایسا زخم لگا ہو کہ اس کے مرنے کا امکان ہو۔ اور وہ غائب ہو جائے پھر مردہ حالت میں ملے۔ اسے یہ گمان نہ ہو کہ اس کے تیر نے اسے قتل کیا ہے تو حرام ہوگا۔ اس لئے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ''اے اللہ کے رسول! میں شکاری ہوں بعض اوقات ہم میں سے کوئی شکار پر تیر چلاتا ہے تو وہ دو تین راتیں غائب رہتا ہے پھر مردہ حالت میں مل جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تمہیں اس میں اپنے تیر کا اثر نظر آئے۔ اور کسی درندے کا اثر نہ ہو۔ اور جانتے ہوں کہ آپ ہی کی تیر نے اس کو قتل کیا ہے۔ تو اسے کھالو۔'' (۳)

مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ اگر اسے ایک دو دن کے بعد اس حالت میں ملا کہ وہ مرا ہوا تھا اور اس کے مقاتل منفوذ ہو چکے تھے یعنی کٹ پھٹ گئے تھے تو اسے نہیں کھایا جائے گا اس لئے کہ ممکن ہے اس کی موت کیڑوں مکوڑوں کی وجہ سے ہوئی ہو۔ علاوہ ازیں ابوزرین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک مسند حدیث روایت کی ہے۔ اسی مضمون کی روایت مراسیل ابی داؤد میں بھی موجود ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شکار کو کھانا ناپسند فرمایا جو تیر انداز سے غائب ہو جائے اور فرمایا: ہوسکتا ہے کہ کیڑوں مکوڑوں نے اسے قتل کیا ہو۔

خلاصہ یہ کہ تیر چلنے کے بعد جو شکار غائب ہو جائے اور یہ پتہ نہ ہو کہ یہ شکاری کے مارنے سے مرا یا محض گمان ہو تو تمام مذاہب میں اسے کھانا جائز نہیں۔

دوسری حالت...... جب شکاری نے شکار پر تیر چلایا تو وہ پانی میں گر گیا یا کسی بلند جگہ پہاڑ چھت وغیرہ سے زمین پر گر گیا یا کسی چیز نے اسے روند ڈالا اور وہ مر گیا تو بالاتفاق اسے نہیں کھایا جائے گا۔ (۴) لیکن اگر وہ براہ راست زمین پر گرا تو کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں۔ اس کے برعکس پہلی صورت میں بچنا ممکن ہے۔ یہاں حلال اور حرام کے اسباب ایک ساتھ جمع ہو گئے تو احتیاطاً حرمت والی جہت کو ترجیح دے دی گئی۔ اور اس وجہ سے بھی کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر وہ پانی میں گر جائے تو نہ کھاؤ۔ یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ نیچے گرنے سے پہلے تیر نے اس کے مقاتل زخمی نہ کئے ہوں۔ اگر ایسا ہو گیا تو پانی میں فرق ہونا یا بلندی سے گرنا مضر نہیں ہوگا۔''

---

(۱)......اللباب: ۲۲۰/۳، تبیین الحقائق: ۶۷۲، تکملۃ الفتح: ۱۸۳/۸، الشرح الکبیر: ۱۰۴/۲، ۱۰۶، المہذب: ۲۵۴/۱، المغنی: ۵۵۳/۸ و ما بعدھا، کشاف القناع: ۲۱۸/۶، بدایۃ المجتہد: ۴۴۶/۱، مغنی المحتاج: ۲۷۷/۴، القوانین الفقہیۃ ص ۱۷۸۔ (۲) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو موقوفاً نقل کیا ہے۔ (تلخیص الحبیر: ۱۳۶/۴) (۳) اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (نیل الاوطار: ۱۳۵/۸ وما بعدھا، جامع الاصول: ۴۴۴/۷۔) (۴) اللباب: ۲۲۰/۳ وما بعدھا، تکملۃ الفتح: ۱۸۴/۸، تبیین الحقائق: ۵۸/۶، القوانین الفقہیہ: ص ۱۷۸، الشرح الکبیر: ۱۰۵/۲، بدایۃ المجتہد: ۴۴۶/۱ وما بعدھا، مغنی المحتاج: ۲۷۴/۴، المہذب: ۲۵۴/۱، المغنی: ۵۷۷/۸، کشاف القناع: ۲۱۸/۶۔

دوسرا مقصد: شکار کے آلے کی شرطیں......آلے کی دو قسمیں ہیں: اسلحہ اور حیوان۔

ا۔ اسلحہ......اسلحے کے لئے دھاری دار ہونا شرط ہے۔ جیسے نیزہ، تیر، تلوار وغیرہ۔ جب شکار پر تلوار وغیرہ چلائی گئی جس سے وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا یا اس کا سر کٹ گیا۔ تو جمہور کے نزدیک سارا کا سارا سر سمیت کھایا جائے گا۔ ❶ جانور میں اگر حیات مستقرہ موجود ہو تو اس سے الگ ہونے والا حصہ نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ زندہ سے کٹنے والا حصہ مردے کی طرح ہے۔ اگر اس میں حیات مستقرہ نہیں تھی اور زخم سے اس کی موت واقع ہو گئی تو الگ ہونے والے حصے کو کھایا جائے گا۔

اسی طرح حنفیہ فرماتے ہیں۔ ❷ جب شکار پر تیر چلایا گیا جیسے اس کا ایک عضو کٹ گیا تو شکار کھانا جائز ہے لیکن کٹا ہو جز کسی صورت کھانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جو زندہ سے جدا کر دیا گیا وہ مردار ہے۔'' ❸ باقی جسم حقیقۃً زندہ ہے اس لئے کہ اس میں زندگی موجود ہے۔ اگر تیر انداز نے اسے تین حصوں میں کاٹ دیا یا زیادہ حصہ دھڑ کے ساتھ رہ گیا ہو یا اس کا سر نصف یا اس سے زائد کٹ گیا ہو۔ یا اس کے دو حصے ہو گئے ہوں ان سب صورتوں میں سارا کا سارا کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ ان صورتوں میں زندگی حیات مذبوح (غیر اختیاری حرکات) سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ مذکورہ حدیث کے ذیل میں نہیں آئیں۔ تین اگر اکثر حصہ سر کے ساتھ ہو تو اکثر کھایا جائے گا اور چھوٹا حصہ نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اس میں حیات مذبوح سے زیادہ زندگی ممکن ہے۔ اور چھوٹا حصہ زندہ سے جدا کیا ہوا ہے۔

جن آلات سے ذبح کرنا جائز نہیں ان سے شکار بھی جائز نہیں۔ جیسے دانت، ناخن، ہڈی۔ اس بارے میں وہی اختلاف ہے جو ذبح کے متعلق ہے۔

وزن دار چیز ❹ سے شکار جائز نہیں ہے جیسے پتھر، بندق کی گولی اور معراض ❺ (ایسا تیر جس کے پر ہوں نہ پیکان یعنی لوہے کا سرا یا ایسی لاٹھی جس کا سرا تیز ہو) کی جانب سے۔ لیکن اگر اس کی نوک ہو اور یقین ہو کہ شکار کو وہی نوک لگی ہے سائیڈ نہیں لگی تو شکار جائز ہوگا۔ اس لئے کہ نوک اور دھار سے قتل ہونے والا نیزے اور تیر سے قتل ہونے والے کی طرح ہے۔ تیر کی سائیڈ سے قتل ہونے والا اس کے ثقل اور بوجھ سے مارا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت چوٹ سے مرنے والا ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''میں معراض یعنی بے پر کے تیر سے شکار کرتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب بے پر کے تیر سے شکار کرو اور وہ شکار کو پھاڑ ڈالے تو اسے کھا لو۔ اور اگر اس کی سائیڈ لگے تو اسے نہ کھاؤ۔'' ❻ اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں سے کنکریاں پھینکنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ اس سے شکار مرتا ہے نہ دشمن مارا جاتا ہے۔ اس سے آنکھ پھوٹتی اور دانت ٹوٹتا ہے۔ ❼

---

❶ .....القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۶، ۱۷۸، المغنی: ۵۵۶/۸ وما بعدھا، بدایۃ المجتھد: ۴۴۷/۱، مغنی المحتاج: ۲۷۰/۴۔
❷ اللباب: ۲۲۲/۳، الدرالمختار: ۳۳۶/۵۔ تکملۃ الفتح: ۱۸۵/۸ و ما بعدھا ❸ اس کو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: ما قطع من حی فھو میتۃ یا ما قطع من البھیمۃ وھی حیۃ فھو میتہ۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ (نیل الاوطار: ۱۴۶/۸) ❹ تکملۃ الفتح: ۱۸۵/۸، اللباب: ۲۲۱/۳، تبیین الحقائق: ۵۸/۶، القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۶، بدایۃ المجتھد: ۴۴۱/۱ مغنی المحتاج: ۲۷۴/۴، المھذب: ۲۵۴/۱، المغنی: ۵۵۸/۸ وما بعدھا، کشاف القناع: ۲۱۷/۶ وما بعدھا۔ ❺ قرطبی فرماتے ہیں: مشہور یہ ہے کہ یہ ایک وزنی لکڑی ہوتی ہے۔ اس کے آخر میں ایک تیز سرے والی لاٹھی ہوتی ہے۔ کبھی اس کا سر تیز نہیں بھی ہوتا ہے اس لئے لیکن فرماتے ہیں کہ معراض ایک لاٹھی ہوتے ہیں جس کے سرے میں لوہا لگا ہوتا ہے۔ اس سے شکار کیا جاتا ہے۔ ❻ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۱۳۰/۸)۔ ❼ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (جامع الاصول: ۴۵۲/۷)

اسی بنا پر اگر شکاری یا ذبح کرنے والے نے جانور کو کسی وزن دار چیز سے یا وزن دار دھاری دار چیز سے قتل کر دیا جیسے بندوق کی گولی، کوڑا، پیکان اور دھار کے بغیر والا تیر یا تیر اور گولی سے ایک ساتھ قتل کیا، یا تیر کے پیکان یعنی سرے نے زخمی کیا اور سائیڈ نے بھی اثر کیا اور ان دونوں (زخم اور تاثیر) سے شکار مر گیا یا پھندے اور جال سے دم گھٹ گیا تو ان تمام صورتوں میں شکار بالاتفاق حرام ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے بغیر دھار والی چیز سے شکار کیا ہے۔ ❶ بے پر کے تیر کی طرح شکار کے دوسرے آلات بھی اگر سائیڈ سے لگیں اور زخمی نہ کریں تو شکار مباح نہیں ہوگا جیسے عام تیر پرندے کو سائیڈ سے لگ کر قتل کر دے یا تلوار سائیڈ سے لگ جائے۔

آج کل خردق اور رائفل کی وہ گولی جس کا سرا تیز نہ ہو سے کیا گیا شکار نہیں کھایا جائے گا۔ البتہ اگر وہ زندہ حالت میں مل جائے اور اس کی ذبح اختیاری کر لی جائے تو حلال ہوگا۔ دمشق کے مفتی محمود حمزہ وغیرہ نے خردق اور رائفل کی عام گولی سے کئے گئے شکار کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اس لئے کہ یہ تیزی سے قتل کر دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ تیر دھار والے آلات سے کیا گیا شکار کھایا جائے گا جیسے نیزے، تلواریں اور تیر وغیرہ اس لئے کہ یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح وزن دار چیز سے کیا گیا شکار بھی کھایا جائے گا بشرطیکہ وہ اپنی دھار سے قتل کرے اور شکار کا جسم پھاڑ دے۔ اگر وزن دار چیز سے شکار کیا اور اس نے شکار کو پھاڑا نہیں تو یہ شکار حلال نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ”جو شکار پھاڑ دیا جائے اسے کھالو۔

ب: **شکاری جانور**...... شکاری درندوں اور پرندوں سے شکار جائز ہے بشرطیکہ وہ سدھائے ہوئے ہوں اور شکار کو خود نہ کھائے ہوں۔ مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک۔ درندوں میں سے کتا تیندوا، چیتا، شیر اور بلی سدھائے جاسکتے ہیں جب کہ پرندوں میں سے باز، بازی (شکروں کی ایک قسم)، شاھین (سکروں کی جنس سے) شکرہ، گدھ اور عقاب وغیرہ سدھائے جاسکتے ہیں۔ ❷ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ ...... المائدہ: ۵/ ۴

”تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سکھا سکھا کر سدھا لیا ہو۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے تربیت یافتہ کتے، شکار سیکھ لینے والا ہر پرندہ، تیندوے، شکرے وغیرہ مراد ہیں۔ یعنی تمہارے سدھائے ہوئے شکاری جانوروں کا شکار تمہارے لئے حلال ہے۔ ❸

اور حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بازی کے شکار کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر وہ تمہارے لئے پکڑ لے تو اسے کھالو۔“ اور اس لئے بھی کہ یہ شکاری جانور ہے جس سے عام طور پر شکار کیا جاتا ہے اور شکار کی تعلیم بھی قبول کرتا ہے یعنی سدھایا جاسکتا ہے۔ اسلئے یہ کتے کی طرح ہوا۔ تمام درندے بھی اسی کی طرح ہیں یہاں تک کہ شیر بھی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ❹ شیر اور ریچھ کو مستثنیٰ کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ دوسروں کے لئے کام نہیں کرتے۔ شیر اپنی بلند ہمتی کی وجہ سے اور ریچھ اپنی رزالت کی وجہ سے۔ بعض نے چیل کو بھی ان کے ساتھ ملایا ہے اس لئے کہ اس میں بھی رزالت پائی جاتی ہے۔ خنزیر اس سے

---

❶ ......مغنی المحتاج: ۴/ ۲۷۴، المهذب: ۲۵۴۱، بداية: المجتهد: ۱/ ۴۴۶، المغنی: ۸/ ۵۵۹۔ ❷ البدائع: ۵/ ۴۴، الدر المختار: ۵/ ۳۲۹، تبيين الحقائق: ۶/ ۵۰، تكملة الفتح: ۸/ ۱۷۱، اللباب: ۳/ ۲۱۷ وما بعدها، بداية المجتهد: ۱/ ۴۴۱، القوانين الفقهية: ص ۱۷۶، الشرح الكبير: ۲/ ۱۰۴، مغنی المحتاج: ۴/ ۲۷۵، المهذب: ۱/ ۲۵۳ وما بعدها، المغنی: ۸/ ۵۳۹، ۵۴۵۔ ۵۴۷، كشاف القناع: ۶/ ۲۲۰۔ ❸ الجوارح: شکاری جانور۔ مکلبین: تکلیب سے ہے۔ بمعنی بھڑکانا۔ ❹ الهداية مع تكملة الفتح: ۸/ ۱۷۳۔

مستثنیٰ ہے اس لئے کہ یہ نجس العین ہے۔ اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل کالے کتے کو (جس میں سیاہی کے علاوہ کوئی رنگ نہ ہو) مستثنیٰ کیا ہے۔ اس لئے کہ اس کتے کو رکھنا حرام ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے اس کو قتل کرنا سنت ہے۔ اس لئے اس کا شکار غیر تربیت یافتہ کتے کی طرح حرام ہوگا۔ ان کی دلیل اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کا یہ فرمان ہے: "تم پر بالکل کالے دونکتوں والے (کتے کو مارنا) لازم ہے اس لئے کہ وہ شیطان ہے۔" ❶ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شیطان کہا ہے۔ شیطان کو رکھنا جائز نہیں۔ شکاری جانور کے کئے ہوئے شکار کی اباحت رخصت ہے۔ لہٰذا دوسری رخصتوں کی طرح یہ بھی حرام ذریعے سے حاصل نہیں ہوگی۔ اور گزشتہ آیت اس حدیث کی وجہ سے مخصوص ہو جائے گی۔ ❷

حنابلہ کے نزدیک خنزیر کو قتل کرنا سنت اور اس سے فائدہ اٹھانا حرام ہے۔ کاٹنے والے کتے کو قتل کرنا واجب ہے اگر چہ وہ سدھایا ہوا ہو۔ اور اس کو رکھنا بھی حرام ہے اس لئے کہ وہ اذیت رساں ہے۔

شکاری جانور کی شرطیں

شکاری جانور کی شرطیں...... شکاری جانور کی چھ شرطیں ہیں۔ ❸

پہلی شرط...... وہ معلم یعنی سدھایا ہوا ہو۔ اس کی اصلی طبع بدل جائے۔ آلے کی طرح شکاری کے ماتحت ہو جائے۔ اپنی ذات کے لئے شکار نہ کرے۔ تعلیم کی شرط پر سب کا اتفاق ہے۔ یہ قرآنی آیت سے ثابت ہے۔

حنفیہ...... حنفیہ کے نزدیک کتے کی تعلیم یہ ہے کہ تین مرتبہ سکار کھانا چھوڑ دے اور باز وغیرہ کی تعلیم یہ ہے کہ بلانے پر آ جائے۔ اس کے لئے شکار میں سے نہ کھانا شرط نہیں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اور اس لئے بھی کہ تعلیم کی علامت یہ ہے کہ اپنی مانوس عادت کو چھوڑ دے۔ کتا اور اس جیسے درندے اپنے شکار کو کھانا اور چھیننا چھوڑ دیں۔ اور پرندہ بلانے پر واپس آ جانے کا عادی ہو جائے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ تعلیم کا اندازہ تین بار نہ کھانے سے نہیں لگایا جائے گا بلکہ اس میں تربیت کرنے والے کی رائے کا اعتبار ہوگا۔

تیسری بار کا شکار امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کھایا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ تین دفعہ نہ کھانے کے بعد تعلیم یافتہ بنا ہے۔ ❹ شکار پر بھیجنا ضروری ہے لیکن برانگیختہ کرنا شرط نہیں۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ...... شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تعلیم میں تین صفات یا تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ جب مالک بھیجے تو چلا جائے، جب وہ برانگیختہ کرے تو برانگیختہ ہو جائے اور جب شکار پکڑ لے تو نہ کھائے۔ مالکیہ کے نزدیک پہلی دو شرطوں کا پایا جانا کافی ہے۔ ❺ اور ان امور کا اتنی دفعہ بار بار کرنا ضروری ہے کہ عرف میں تعلیم یافتہ بن جائے۔ اور یہ گمان کیا جانے لگے کہ شکاری جانور نے تربیت پالی ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس کے لئے کوئی عدد مقرر نہیں۔ بلکہ اس معاملے میں شکاری جانوروں کے بارے میں واقفیت رکھنے والوں سے رجوع کیا جائے گا۔ کم سے کم دو دفعہ یا اس سے زائد ہونا چاہئے تاکہ اس کے عادی اور تربیت یافتہ ہونے کے بارے میں ظن غالب ہو جائے۔ حنابلہ کے نزدیک کم از کم تین بار ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ شریعت نے تکرار میں تین کے عدد کا اعتبار کیا ہے۔ جیسے وضو میں اعضاء کو دھونا وغیرہ۔

---

❶...... اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں "ذی الطفیتین" کے الفاظ سے روایت کیا ہے۔ یعنی جس کی آنکھوں پر دو سفید خط ہوں۔ اور وہ دو نکتے ہیں۔ نکتہ سفیدی میں سیاہ نقطے اور سیاہی میں سفید نقطے کو کہتے ہیں۔ ❷ المغنی: ۸/۵۴۷، کشاف القناع: ۶/۲۲۰۔ ❸ رد المحتار: ۵/۳۲۸، بدایۃ المجتهد: ۱/۴۴۴، القوانین الفقهیه: ص ۱۷۶ وما بعدها۔ ❹ تکملة الفتح: ۸/۱۷۳ ومابعدها، ۱۷۵ اللباب: ۳/۲۱۸۔ ❺ الشرح الکبیر: ۲/۱۰۳ وما بعدها، بدایۃ المجتهد: ۱/۴۴۳، القوانین الفقهیه: ص ۱۷۶، مغنی المحتاج: ۴/۲۷۵، المهذب: ۱/۲۵۳، المغنی: ۸/۵۴۲ وما بعدها، کشاف القناع: ۶/۲۲۱۔

بعض مالکیہ کے نزدیک باز میں دوسری شرط برانگیختہ ہونے والی بھی معتبر نہیں اس لئے کہ وہ برانگیختہ نہیں ہوتا۔

شکاری جانور کے شکار میں سے نہ کھانے کی جو شرط لگائی گئی ہے اس پر دلیل حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی مذکورہ بالا حدیث ہے۔ ”جب آپ اپنے سدھائے ہوئے کتے کو بسم اللہ پڑھ کر بھیجیں اور وہ آپ کے لئے شکار پکڑ کر قتل کرلے تو اسے کھالیں۔ اگر وہ اس میں سے کھالے تو نہ کھائیں۔ اس لئے کہ مجھے خدشہ ہے کہ اس نے اپنے لئے شکار کیا ہے۔“

اگر شکاری جانور ایک دفعہ تربیت یافتہ بن جائے۔ پھر شکار کے گوشت میں سے ایک دفعہ کھالے تو مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک راجح یہی ہے کہ شکار حلال نہیں ہوگا۔ وجہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی سابقہ حدیث ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ تعلیم کی ابتداء میں اور پھر ہمیشہ کے لئے نہ کھانا شرط ہے۔ لہٰذا اب نئی تعلیم ضروری ہوگی۔ حنفیہ نے باز کے کھائے ہوئے کو جائز کہا ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک باز کی تعلیم میں نہ کھانا شرط نہیں۔

مالکیہ فرماتے ہیں (1) کہ کھایا جائے گا اس لئے کہ یہ آیت عام ہے:

فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ ......المائدہ: ۵/ ۴)

وہ جس جانور کو (شکار کرکے) تمہارے لئے روک رکھیں اس میں سے تم کھاسکتے ہو۔ (آسان ترجمہ قرآن)

اور حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی عام ہے: ”آپ بسم اللہ پڑھ کر اپنی کمان سے جو شکار کریں اس سے کھائیں اور اپنے تعلیم یافتہ کتے پر بسم اللہ پڑھ کر جو شکار کریں وہ کھائیں۔ اور اپنے غیر تربیت یافتہ کتے سے جو شکار کریں اور ذبح بھی کرلیں تو اسے کھالیں۔“ (2) اور اس لئے بھی کہ شکار میں سے کھالینا بہت زیادہ بھوک یا شکار پر غصے کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے۔

شکار میں سے کھانے سے پہلے کیا جانے والا شکار حلال ہوگا۔ اسی طرح حنابلہ کے نزدیک راجح یہی ہے کہ کھانے کے بعد کیا جانے والا شکار بھی حلال ہے۔ (3)

کیا کتے کے کاٹنے کی جگہ کو دھونا واجب ہے؟...... یعنی کتے کے منہ کے اثرات دھوئے جائیں گے یا نہیں؟ شافعیہ اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق (4) کتے کے کاٹنے کی جگہ ناپاک ہے۔ پاک نہیں۔ اس لئے کہ اس کی نجاست ثابت ہوچکی ہے۔ اس لئے اس کے پیشاب کی طرح اسے بھی دھونا واجب ہے۔ اسے سات مرتبہ دھونا ہوگا جن میں سے ایک بار مٹی سے دھونا ہوگا۔ مالکیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی دوسری روایت کے مطابق اس کو دھونا واجب نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس کو کھانے کا حکم دیا ہے اور دھونے کا حکم نہیں دیا۔ مالکیہ کے مذہب میں کتا پاک ہے اس لئے اس کے دانتوں والی جگہ بھی کھائی جائے گی۔

دوسری شرط...... دوسری شرط یہ ہے کہ شکاری جانور مالک کے بھیجنے پر جائے۔ حنفیہ کے نزدیک شکار کی تعیین ضروری نہیں۔ شافعیہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ضروری ہے کہ مالک شکار کو دیکھنے اور معین کرنے (5) کے بعد اپنے ہاتھ سے بھیجے۔ اگر خود بخود چلا گیا تو بالاتفاق نہیں کھایا جائے گا۔ کسی نے آہٹ سنی اور گمان یہ ہو کہ یہ شکاری کی آہٹ ہے پھر اس کو تیر مارا یا اس کی طرف شکاری جانور بھیجا، پتہ چلا کہ وہ شکار تھا تو حنفیہ کے نزدیک یہ حلال ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے شکار کا ارادہ کرلیا تھا۔

---

(1) ......سابقہ حوالہ جات۔ (2) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین میں متفق علیہ ہے۔ (نیل الاوطار: ۸/ ۱۳۰) (3) المغنی: ۸/ ۵۴۵۔ (4) مغنی المحتاج: ۲/ ۲۷۶، المغنی: ۸/ ۵۴۶، المہذب: ۱/ ۲۵۳۔ (5) ردالمحتار: ۵/ ۳۲۸، تکملۃ الفتح: ۸/ ۱۸۱، تبیین الحقائق: ۶/ ۵۴ وما بعدھا، الشرح الکبیر: ۲/ ۱۰۶، القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۷، المغنی: ۸/ ۵۴۵، مغنی المحتاج: ۴/ ۲۷۷، کشاف القناع: ۶/ ۲۲۲، ۲۲۵، المہذب: ۱/ ۲۵۵۔

اگر اس کے خود چلے جانے کے بعد اسے دھتکارا۔ وہ واپس آ گیا۔ مالک نے اسے شکار پر بھڑکایا تو یہ کھایا جائے گا۔ اگر دھتکارنے کے بعد واپس نہ آیا۔ اور اس کو مزید شہ مل گئی تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا شکار حلال ہوگا۔ یہی اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ برانگیختہ کرنا شکاری کا فعل ہونے کے اعتبار سے بھیجنے کی طرح ہے۔ لہٰذا برانگیختہ کرنا بھی بھیجنا شمار کیا جائے گا اس لئے کہ یہ اطاعت کی دلیل ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ مباح نہیں جیسا کہ گزر چکا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں خود بخود جانا اور مالک کا بھڑکانا دونوں جمع ہو گئے ہیں لہٰذا ممانعت والی جہت غالب ہوگی۔ ❶

اگر اس کو کسی معین شکار کی طرف بھیجا۔ اس نے کسی اور کو شکار کر لیا تو حنفیہ کے علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک نہیں کھایا جائے گا۔ اگر اس نے بھیجا اور کسی معین چیز کا قصد نہیں کیا۔ بس یہ نیت کی کہ شکار کے جانور یا آلے سے جو چیز بھی شکار ہوگئی تو اگر کسی مخصوص سمت کی طرف بھیجا جیسے غار وغیرہ تو مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق جائز ہے۔ اور اگر سمت متعین نہیں تھی جیسے کھلی زمین، جھاڑیاں وغیرہ یا اس نے ہر اس شکار پر بھیجا تھا جس کا اسے پتہ چل جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر شکاری جانور اچانک چونک اٹھا۔ مالک نے اسے شکار کے لئے بھیج دیا لیکن اسے نظر کچھ نہیں آیا۔ اور جگہ غار اور جھاڑی وغیرہ کی طرح بند نہیں تھی۔ اس لئے شکار کر لیا۔ تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے یہ شکار وہ نہ ہو جس پر وہ چونکا تھا۔ ظاہر ہے کہ شکاری نے اس کی نیت نہیں کی تھی۔ اگر شکاری نے اس کے علاوہ کی بھی نیت کی ہو تو کھایا جائے گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں کھایا جائے گا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک معین شکار کی نیت کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی نے اپنی طاقت آزمائی کے لئے یا کسی نشانے پر تیر چلایا۔ اور وہ کسی شکار کو جالگا جس سے وہ مرگیا تو حرام ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے کسی معین شکار کا ارادہ نہیں کیا تھا۔

تیسری شرط...... تیسری شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا شریک نہ ہو جس کا شکار حلال نہیں ہوتا۔ جیسے غیر تربیت یافتہ شکاری جانور۔ اس شرط پر سب کا اجماع ہے۔ اگر یقین ہو جائے کہ سدھائے ہوئے نے اکیلے پکڑا اور زخمی کیا ہے تو اسے کھایا جائے گا۔ اگر یقین اس کے برعکس ہو یا شک ہو تو نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ مبیح اور محرم جمع ہو جائیں تو احتیاطاً مبیح کو غالب کیا جاتا ہے۔ اگر غالب گمان یہ ہو کہ وہی قاتل ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ ❷ اگر زندہ حالت میں ملا اور ذبح کر لیا تو بالاتفاق حلال ہے۔

اس شرط کی دلیل حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث سے فرماتے ہیں "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا! میں نے عرض کیا کہ میں اپنا کتا شکار پر چھوڑتا ہوں اس کے ساتھ کوئی اور کتا بھی شریک ہو جاتا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے مت کھاؤ! اس لئے کہ آپ نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے دوسرے پر نہیں۔" یوں بھی آتا ہے: "اگر آپ کے اپنے کتے کے ساتھ کوئی اور کتا بھی شامل ہو جائے اور آپ کو خدشہ ہو کہ اس نے شکار پکڑا ہوگا۔ اور شکار قتل کر دیا ہو تو اسے نہ کھاؤ۔ اس لئے کہ آپ نے بسم اللہ اپنے کتے پر پڑھی ہے۔" ایک اور جگہ آتا ہے: "آپ کو معلوم نہیں کہ ان میں سے کس نے شکار کیا ہے۔" ❸

چوتھی شرط...... چوتھی شرط یہ ہے کہ شکاری جانور اپنے شکار کو زخمی کر کے قتل کرے۔ اگر گلہ گھونٹ کر یا ٹکر سے مار دیا تو جمہور ❹ کے

---

❶...... اس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ایک حدیث بھی مروی ہے: "حلال اور حرام جب بھی جمع ہوتے ہیں تو حرام حلال پر غالب ہوتا ہے۔" اس میں ضعف اور انقطاع ہے (نصب الرایة: ۴/۳۱۴) ❷ ردالمحتار: ۵/۳۲۸، تکملة الفتح: ۸/۱۸۰، اللباب: ۳/۲۱۹ وما بعدها، القوانین الفقهیه: ص۱۷۷، بدایة المجتهد: ۱/۴۴۶، المهذب: ۱/۲۵۳، المغنی: ۸/۵۴۹، کشاف القناع: ۶/۲۱۶۔ ❸ یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین کے درمیان متفق علیہ ہے۔ (نیل الاوطار: ۸/۱۳۴) ❹ رد المحتار: ۵/۳۲۸، تکملة الفتح: ۸/۱۸۰، اللباب: ۳/۲۱۹، الشرح الکبیر: ۳/۱۰۲۔۱۰۴، بدایة المجتهد: ۱/۴۴۱، ۴۴۴، ۴۴۷۔ المغنی: ۸/۵۴۵، کشاف القناع: ۶/۲۲۲۔

نزدیک مباح نہیں ہوگا۔ سوائے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے۔ اس لئے کہ زخم کے بغیر قتل کرنا پتھر اور بندوق کی گولی سے قتل کرنے کی طرح ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے چوٹ سے مرنے والے کو حرام کیا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پہلے گزر چکا ہے کہ: ''جو خون بہائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہوا ہو اسے کھاؤ'' اس سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ خون بہائے بغیر شکار حلال نہیں ہوتا۔ اس بناء پر زخمی کرنا شرط ہوگا۔ یہ میرے نزدیک بہتر ہے۔ اس لئے کہ چوٹ سے مرنے والا قرآن اور اجماع کی وجہ سے حرام ہے اور زخمی کرنا شکار کی ذبح ہے۔

شافعیہ فرماتے ہیں [1] کہ اگر شکاری جانور نے شکار پر اپنا بوجھ ڈالا اور اپنے وزن سے اس کو قتل کر دیا تو ظاہر یہ ہے کہ حلال ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عام ہے:

فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ ......المائدۃ: ۵/ ۴

''وہ جس جانور کو شکار کر کے تمہارے لئے روک رکھیں اس میں سے تم کھا سکتے ہو۔''

''وہ جس جانور کو (شکار کر کے) تمہارے لئے روک رکھیں اس میں سے تم کھا سکتے ہو۔'' اور اس لئے بھی کہ شکاری جانور کو ایسی تعلیم دینا بہت مشکل ہے کہ وہ صرف زخم ہی سے قتل کرے۔ اسی طرح حضرت عدی رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی عام ہے۔ ''آپ نے کسی کتے یا باز کو تعلیم دی پھر اسے بسم اللہ پڑھ کر شکار چھوڑا تو وہ جو کچھ پکڑیں اس کے کھاؤ'' میں نے کہا: ''اگر چہ وہ قتل کر دیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر چہ اس نے قتل کر دیا ہو لیکن اس میں سے کھایا کچھ نہ ہو۔ اس لئے کہ اس نے آپ کے لئے روکا ہے۔'' [2]

پانچویں شرط...... یہ ہے کہ شکار میں سے کچھ نہ کھائے۔ اگر کچھ کھالیا تو مباح نہیں ہوگا۔ اس شرط کو پہلی شرط میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ یہ شرط مالکیہ کو چھوڑ کر جمہور کے نزدیک ہے۔ حنابلہ کی اصح روایت بھی یہی ہے۔ کتے اور دوسرے درندوں کے بارے میں حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور متاخرین مالکیہ (مشہور قول کے مطابق) اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ اس شکار کو کھانا جائز ہے جس میں سے کتے یا دوسرے شکاری پرندوں نے کھالیا ہو۔

حنفیہ اور حنابلہ کے بعض مصنفین جیسے ''کشاف القناع'' [3] کے مصنف فرماتے ہیں کہ اگر شکاری کتے نے شکار میں سے کھالیا تو اسے کھانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''اگر اس نے کھالیا تو نہ کھاؤ اس لئے کہ مجھے خدشہ ہے کہ اس نے اپنے لئے شکار پکڑا تھا۔'' اور اگر شکاری پرندے باز، شکرہ، عقاب، شاہین وغیرہ نے شکار میں سے کھالیا تو اس کا کھانا مباح ہے۔ اس لئے کہ ان کی تعلیم یہ ہے کہ جب بھیجا جائے تو چلے جائیں اور جب بلایا جائے تو واپس آ جائیں۔ ان کے کھانا چھوڑنے کا اعتبار نہیں۔ اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اگر کتا کھالے تو نہ کھاؤ اور اگر شکرہ کھالے تو کھاؤ۔''

جمہور کی دلیل حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ ''جب آپ اپنے تربیت یافتہ کتے پر بسم اللہ پڑھ کر بھیجیں تو جو کچھ وہ پکڑے اسے کھالیں۔'' میں نے عرض کیا: ''اگر چہ وہ قتل کر لے۔'' فرمایا: ''اگر چہ قتل کر لے۔ الا یہ کہ کتا اس میں سے کھالے۔ اگر اس نے کھالیا تو آپ نہ کھائیں۔ اس لئے کہ مجھے خدشہ ہے کہ اس نے اپنے لئے شکار پکڑا ہے۔'' آیت قرآنی کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے:

فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ ......المائدۃ: ۵/ ۴

''وہ جس جانور کو (شکار کر کے) تمہارے لئے روک رکھیں اس میں سے تم کھا سکتے ہو۔''

---

[1] مغنی المحتاج: ۴/ ۲۷۶۔ [2] اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ (نیل الاوطار: ۸/ ۱۳۰) [3] رد المحتار: ۵/ ۳۲۸، اللباب: ۳/ ۲۱۸، تبیین الحقائق: ۶/ ۵۲، تکملۃ الفتح: ۸/ ۱۷۵، بدایۃ المجتہد: ۱/ ۴۴۳ وما بعدھا، مغنی المحتاج: ۴/ ۲۷۵، المغنی: ۸/ ۵۴۳، کشاف القناع: ۶/ ۲۲۱۔

اور امساک (روکنا) شکار میں سے نہ کھانے سے ہوتا ہے۔اور اس لئے بھی کہ شکاری جانوروں کی تعلیم کی ایک اہم خاصیت شکار میں سے نہ کھاتا ہے۔

مالکیہ نے اپنے مشہور قول پر اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک روایت پر آیت فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ کے عموم سے استدلال کیا ہے۔اور حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے عموم سے بھی استدلال کیا ہے: ”جب آپ اپنے تربیت یافتہ کتے کو بسم اللہ پڑھ کر بھیجیں تو اس کا شکار کھالیں۔“ میں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! اگر وہ اس میں سے کھالے۔“ فرمایا ”اگر چہ کھالے۔“ انہوں نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث کو ندب پر محمول کیا ہے۔اور اس کو جواز پر۔اور اس لئے بھی کہ یہ تربیت یافتہ شکاری جانور کا شکار ہے۔اس لئے مباح ہوگا۔یہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے نہ کھایا ہو۔اس لئے کہ کھانا بھوک کی شدت یا شکار پر غصے کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے۔
دیکھا جائے تو حضرت عدی رضی اللہ عنہ والی حدیث حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔اس لئے کہ وہ متفق علیہ ہے۔عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اضبط ہیں۔ان کے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔اس لئے کہ انہوں نے حکم اور علت دونوں کا ذکر کیا ہے۔ابن رشد مالکی رحمۃ اللہ علیہ متاخرین مالکیہ پر رد کرتے ہوئے فرماتے ❶ ہیں: ان کی یہ بات حدیث کی نص اور کتاب اللہ کے ظاہر کے خلاف ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ ......المائدۃ: ۵/ ۴

اور اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس نے کھالیا تو آپ نہ کھائیں: اس لئے کہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ اس نے اپنے لئے روکا ہوگا۔

چھٹی شرط......مالکیہ ❷ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ شکاری جانور شکار کو چھوڑ کر واپس نہ آئے۔اگر وہ کلی طور پر واپس آ گیا تو شکار نہیں کھایا جائے گا۔اسی طرح اگر وہ کسی اور شکار میں مشغول ہوگیا یا جس کو کھارہا تھا، تو نہیں کھایا جائے گا۔یہ سب شرطیں اس وقت ہیں کہ اگر شکاری جانور نے اسے قتل کردیا ہو۔اگر قتل نہ کیا ہو اور شکاری نے اسے زندہ حالت میں پکڑ لیا ہو تو ذبح کر کے کھالے۔

تیسرا مقصد: شکار کی شرطیں......مالکیہ نے شکار کے حلال ہونے کے لئے پانچ شرطیں لکھی ہیں۔❸ حنفیہ نے بھی پانچ شرطیں ❹ ذکر کی ہیں لیکن حنفیہ کے ہاں ذکر کردہ تین شرطوں کو ایک شرط بنایا جاسکتا ہے۔
میں ان شرطوں کو مالکیہ کے طریقے کے مطابق ذکر کروں گا اس لئے کہ وہ زیادہ باریک اور جامع ہیں۔ایک بات ملحوظ خاطر رہے کہ حنفیہ ❺ کے نزدیک جنگل کے حلال جانوروں کا شکار کرنا جائز ہے۔اور اسی طرح حرام جانوروں کا شکار بھی اس لئے کہ یہ ان کی کھال، بالوں اور سینگوں سے فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ اور ان کے شر سے بچنے کا سبب ہے۔

پہلی شرط......شکار کو شرعاً کھانا جائز ہو۔اس لئے کہ حنفیہ کے علاوہ دیگر ائمہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرام جانور میں ذبح اور شکار مؤثر نہیں۔حنفیہ نے اس شرط کو یوں ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی کچلیوں یا شکاری پنجوں سے قوت حاصل کرنے والا نہ ہو، حشرات میں سے نہ ہو اور آبی جانور نہ ہو۔سوائے مچھلی کے اس لئے کہ آبی جانوروں میں سے ان کے نزدیک صرف مچھلی حلال ہے۔

دوسری شرط......وہ وحشی ہو کہ انسان اس کو اس کی اصلی خلقت میں پکڑنے سے عاجز ہو۔جیسے جنگلی جانور اور پرندے۔اگر وہ گھریلو جانور ہو جیسے اونٹ، گائے، بکری اور پھر وحشی بن جائے تو مالکیہ کے نزدیک اسے شکار کر کے نہیں کھایا جائے گا۔دیگر ائمہ کے نزدیک کھا سکتے

❶......بدایۃ المجتہد: ۱/ ۴۴۴۔ ❷القوانین الفقھیہ: ص۱۷۷۔ ❸القوانین الفقھیہ: ص۱۷۷ وما بعدھا، بدایۃ المجتہد: ۱/ ۴۴۴۔
❹ردالمحتار: ۵/ ۳۲۸۔ ❺الکتاب مع اللباب: ۳/ ۲۲۳۔

ہیں۔ اس لئے کہ اس وقت شکار کو ذبح اضطراری سمجھا جاتا ہے۔ جو کہ ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔ جیسا کہ قربانی کی اقسام کی بحث میں گزر چکا ہے۔

اگر وحشی جانور مانوس ہو کر گھریلو جانور جیسا بن جائے اور پھر دوبارہ بھاگ جائے تو مالکیہ کے نزدیک شکار کر کے کھایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک کبوتر وغیرہ مانوس ہونے کے بعد بھاگ جائیں تو ان کو زخمی کر کے کھایا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ سب شکار ہے۔ حنفیہ نے اس شرط کو یوں تعبیر کیا ہے کہ وہ اپنے پروں یا پاؤں کے ذریعے سے اپنی حفاظت کر سکے۔

تیسری شرط...... وہ زخم سے مرے شکاری جانور کی ٹکر، رعب یا خوف سے نہ مرے۔ یہ شرط شافعیہ کے سوا جمہور کے نزدیک ہے۔ شافعیہ کے نزدیک ایسا شکار کھانے کی اجازت ہے جس کو شکاری جانور نے اپنے وزن سے قتل کیا ہو۔ مثلاً اس کو اپنے سینے یا پیشانی سے ٹکر مار کر قتل کیا ہو۔ زخمی نہ کیا ہو۔ جیسا کہ شکار کے آلے کی شرطوں میں گزر چکا۔

چوتھی شرط...... شکاری کا شکار اس کی نظروں سے غائب رہا۔ اب اس کے بارے میں یہ شک نہیں ہونا چاہئے کہ یہ وہی شکار ہے یا کوئی اور ہے۔ اور یہ کہ اسے آلے نے قتل کیا ہے یا نہیں۔ اگر اسے شک ہوا تو شکار نہیں کھایا جائے گا۔ اگر شکار رات کے وقت گم ہو گیا۔ پھر صبح کے وقت مردہ حالت میں ملا تو مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ اسے نہیں کھایا جائے گا۔ دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ اس کا کھانا مباح ہے۔ بشرطیکہ اس کی تلاش میں لگا رہا ہو یا اسے چھوڑ کر کسی اور کام میں مشغول نہ ہوا ہو۔ اور یقین ہو کہ یہ اسی کا شکار ہے۔

پانچویں شرط...... اگر شکار اسے زندہ حالت میں ملے اور اس کو ذبح کرنے پر قادر ہو تو اسے ذبح کرے۔ اس لئے کہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ والی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”اگر وہ آپ کو زندہ حالت میں ملے تو اسے ذبح کرو“ اگر مردہ حالت میں ملے یا اس کے مقاتل کٹ پھٹ گئے ہوں یا اس کی زندگی حیات مذبوح جیسی ہو یا اس کے مقابلے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اسے ذبح کرنے سے عاجز ہوا اور اسی حالت میں بغیر ذبح کئے مر جائے تو اسے بالاتفاق بغیر ذبح کے کھایا جائے گا۔ ❶

اگر شکاری جانور نے شکار کو اس پر قدرت حاصل ہونے سے پہلے قتل کر دیا تو کھایا جائے گا بشرطیکہ اسے زخمی کر کے قتل کرے جیسا کہ آلہ شکار کی شرطوں میں گزر چکا ہے۔ حنابلہ نے تصریح کی ہے کہ اگر شکاری کے پاس ذبح کرنے کے لئے کچھ نہ ہو تو شکاری جانور کو بھڑکائے تاکہ وہ اسے قتل کر دے۔ ایسا شکار ان کے نزدیک کھایا جائے گا۔ ❷ اس لئے کہ اس حالت میں عام طور پر ذبح اختیاری ممکن نہیں ہوتی اس لئے ذبح اضطراری جائز ہوگی۔ لیکن اکثر علماء کے نزدیک اسے نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اس شکار پر قدرت حاصل ہے اس لئے شکاری جانور کے قتل کرنے سے یہ حلال نہیں ہوگا۔ جیسا کہ مویشی (انعام) اس طرح حلال نہیں ہوتے۔ اسی طرح اگر اس کو صحیح وسالم پکڑا ہوتا۔

تیسری بحث: حنفیہ کے نزدیک جس حیوان کا شکار مباح ہے...... حنفیہ کے نزدیک ❸ بحری، بری اور حلال وحرام سب جانوروں کا شکار مباح ہے۔ البتہ حلال جانوروں کا شکار اس کے گوشت اور دیگر اجزاء کے لئے ہوتا ہے اور حرام جانوروں کا شکار اس کی کھال، بال یا ہڈیوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہوتا ہے یا اس کے خطرے اور شر سے بچنے کے لئے۔ مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر

---

❶...... تکملة الفتح: ۱۷۸/۸ وما بعد، تبیین الحقائق: ۵۳/۶، اللباب مع الکتاب: ۲۱۹/۳ وما بعدها، القوانین الفقهیه: ص ۱۷۸، المهذب: ۲۵۳/۱، المغنی: ۵۴۷/۸ و ما بعدها، مغنی المحتاج: ۲۶۹/۴۔ ❷ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ وہ کہا کرتے تھے۔ ”اگر آپ کو شکار زندہ حالت میں ملے اور آپ کے پاس ذبح کرنے کے لئے کچھ نہ ہو تو اس پر کتوں کو بھیج دو تا کہ وہ اس کو قتل کر دیں۔“ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عام ہے۔ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ (المائدہ: ۵/۴)۔ (روایۃ المجتهد: ۴۴۵/۱) ❸ البدائع: ۶۱/۵، الکتاب مع اللباب: ۲۲۳/۳، تکملة الفتح: ۱۸۸/۸، تبیین الحقائق: ۶۱/۶ و مابعدها۔

چکا ہے کہ کن جانوروں کو ذبح کیا جائے گا۔لیکن حرم (مکہ، مدینہ) میں موذی جانور کے سوا کسی کا شکار بالا تفاق مباح نہیں۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا ...... العنکبوت: ۲۹/ ۶۷

''کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا ہے۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مکہ کے شکار کے بارے میں فرمایا: ''اس کے شکار کو نہ بھگاؤ'' ❶ اسی طرح حرم مدینہ کے شکار کے بارے میں فرمایا: ''اس کے شکار کو نہ بھگاؤ۔'' ❷ ان میں سے ایذا پہنچانے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے خارج ہو گئے: ''پانچ برے جانور حرم اور حرم سے باہر ہر جگہ قتل کئے جائیں گے۔کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کاٹنے والا کتا۔ ❸

سمندر کا شکار محرم اور غیر محرم دونوں کے لئے مباح ہے۔اور خشکی کا شکار محرم کے لئے حلال نہیں۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ... المائدۃ: ۵/ ۹۶

''تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے تاکہ وہ تمہارے لئے اور قافلوں کے لئے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنے لیکن جب تک تم حالت احرام میں ہو تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''حالت احرام میں تمہارے لئے خشکی کے شکار کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ وہ تم نے خود شکار نہ کیا ہو یا تمہارے لئے نہ کیا گیا ہو۔'' ❹ حضرت صعب بن جثامہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک جنگلی گدھا (گورخر) بھیجا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ابواء یا ودان (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ) میں تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واپس فرما دیا۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے پر دل شکستگی کے آثار دیکھے تو فرمایا: ''ہم اس کو واپس نہ کرتے لیکن ہم حالت احرام میں ہیں۔'' ❺

چوتھی بحث: شکاری شکار کا مالک کب بنتا ہے؟

حنفیہ...... درمختار اور ردالمختار ❻ میں لکھا ہے کہ ملکیت کے اسباب تین ہیں۔مالک سے مالک کو منتقلی جیسے خرید و فروخت اور ھبہ، مالک سے جانشین کو منتقلی جیسے وراثت۔اور اصل کے اعتبار سے مالک بننا یعنی مباح الاصل چیز پر ہاتھ رکھ کر حقیقی قبضہ کرنا جیسے مردہ زمین کو آباد کرنا (احیاء الموات)۔یا تیاری کر کے حکمی قبضہ کرنا جیسے جال لگا کر شکار کرنا۔ایسا شکار جو مباح ہو اور کسی اور کی ملکیت میں نہ ہو۔اگر شکار کسی کی ملکیت میں ہو تو یہ اس کا مالک نہیں بنے گا۔اگر جنگل میں پڑی کسی کی لکڑیوں پر قبضہ کر لیا تو مالک نہیں بنے گا۔

حکمی قبضہ اس چیز کے استعمال سے مکمل ہوتا ہے جس کی وضع شکار کرنے کے لئے ہو۔لہٰذا اگر کسی نے جال نصب کیا اور اس میں شکار پھنس گیا تو یہ اس کا مالک بن جائے گا شکار کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔اور اگر اس نے جال مثال کے طور پر خشک کرنے کے لئے رکھا ہوا تھا تو مالک نہیں

❶ ...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔(نیل الاوطار: ۵/ ۲۵) ❷ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ تمام اصحاب ستہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔(جامع الاصول: ۱۰/ ۱۹۳)۔ ❸ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اور روایات بھی ہیں۔بعض میں چیل کی جگہ سانپ کا ذکر ہے۔یہاں تک کہ نو ہو جاتے ہیں۔(نیل الاوطار: ۵/ ۲۶) ❹ اس کو پانچوں (احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب السنن) نے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔(نیل الاوطار: ۵/ ۲۳) ❺ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، موطا، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔(جامع الاصول: ۳/ ۴۱۹) ❻ ۵/ ۳۲۹۔

بنے گا۔اس لئے کہ یہ ارادہ شکار کرنے کے مغائر ہے۔اگر اس نے خیمہ نصب کیا اگر شکار کی نیت کی تو مالک بنے گا ورنہ نہیں بنے گا۔اس لئے کہ خیمے کو شکار کے لئے نہیں بنایا گیا۔اگر شکار کسی آدمی کے گھر میں داخل ہو گیا۔مالک نے اسے دیکھ کر دروازہ بند کر لیا۔اور صورت حال یہ بن گئی کہ وہ جال یا تیر سے شکار کئے بغیر اس کو پکڑنے پر قادر ہو گیا۔تو اس کا مالک بن جائے گا۔اگر اس نے لاعلمی میں دروازہ بند کیا تو مالک نہیں بنے گا۔

اگر کسی نے پھندا لگایا اور اس میں شکار پھنس گیا۔اس نے اسے کاٹا اور شکار چھوٹ گیا اور کسی اور نے پکڑ لیا تو یہ دوسرا آدمی اس کا مالک بن جائے گا۔اگر پھندے کا مالک اس سے لینے کے لئے آیا اور اتنا قریب آ گیا کہ اس سے لے لے اتنے میں شکار پھر چھوٹ گیا تو پکڑنے والا مالک نہیں بنے گا۔اسی طرح جال کے پانی سے نکالنے سے پہلے اگر شکار چھوٹ گیا اور کسی دوسرے نے پکڑ لیا تو یہ اس کا مالک نہیں بنے گا۔اس کا مالک جال والا ہو گا۔لیکن اگر جال والے نے شکار کو پانی سے باہر ایسی جگہ پھینکا جہاں سے لے سکے۔مگر شکار پانی میں گر گیا اور دوسرے نے اٹھا لیا۔تو یہ اٹھانے والا مالک بن جائے گا۔

کسی نے شکار پر تیر چلایا اور وہ اسے لگ گیا۔لیکن شکار زخم سے نڈھال نہیں ہوا اور حیز الامتناع سے نہیں نکلا۔(یعنی دوسرے کی پہنچ میں رہا) پھر کسی اور نے تیر مار دیا اور شکار کو قتل کر دیا یا حیز امتناع سے نکال دیا یعنی کسی اور کی پہنچ میں نہیں رہا۔تو یہ دوسرے تیر انداز کا ہو گا۔اس لئے کہ پکڑنے والا وہی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''شکار اسی کا ہے جو اسے پکڑے۔'' (۱)

اگر پہلے تیر انداز نے شکار کو اتنا نڈھال کر دیا تھا کہ حیز الامتناع (ناقابل پہنچ جگہ) سے نکال دیا تھا اور اس کی دسترس میں آ گیا تھا۔پھر دوسرے تیر انداز نے تیر چلا کر قتل کر دیا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔اس لئے کہ ممکن ہے موت دوسرے تیر سے ہوئی ہو۔اور اس کو شرعی ذبح نہیں کہا جا سکتا۔اس لئے کہ ذبح اختیاری ممکن ہو گئی تھی۔دوسرا تیر انداز پہلے کو تاوان میں قیمت ادا کرے گا۔اس لئے کہ اس نے تیر چلا کر دوسرے کے شکار کو ضائع کر دیا۔پہلا شکاری کاری وار سے شکار کا مالک بن گیا تھا۔البتہ اس کی قیمت وہ مقرر کی جائی گی جو زخمی ہونے کی حالت میں تھی۔اس لئے کہ دوسرے تیر انداز نے اسے جب ضائع کیا اس وقت وہ زخمی تھا۔اور تلف شدہ چیز کی وہ قیمت مقرر کی جاتی ہے جو تلف کے دن ہو۔ (۲)

مالکیہ...... مالکیہ (۳) کا قول بھی حنفیہ کی طرح ہے کہ شکاری اس وقت تک شکار کا مستحق نہیں بنتا جب تک کہ وہ اس کو پکڑ نہ لے یا اس پر ہاتھ نہ رکھ لے۔اگر ایک آدمی نے شکار دیکھا اور دوسرے نے اس کو شکار کر لیا تو وہ شکار کرنے والے کو ملے گا۔اگر ایک آدمی نے شکار کیا پھر اس سے بھاگ گیا اور دوسرے نے شکار کر لیا تو اس میں اختلاف ہے کہ پہلے کو ملے گا یا دوسرے کو۔لیکن اگر پہلے شکاری کے بعد وہ وحشی بن گیا پھر دوسرے نے شکار کیا تو دوسرے کو ہی ملے گا۔

اگر کسی نے شکار کو دھتکارا اور وہ کسی کے گھر میں داخل ہو گیا۔اگر اس نے مجبور کیا تھا تو اسی کا ہو گا۔اگر مجبور نہیں کیا تھا تو مالک مکان کا ہو گا۔

شافعیہ......شافعیہ (۴) کا قول بھی حنفیہ اور مالکیہ کی طرح ہے کہ شکاری شکار کا مالک یا تو عملی قبضے سے بنتا ہے یعنی اس پر ہاتھ رکھنے سے اور اس کو پکڑنے سے چاہے اس کا مالک بننے کی نیت ہو یا نہ ہو جیسا کہ تمام مباح چیزوں میں ہوتا ہے۔یا مالک بننے کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ شکار کی نیت سے شکار کرے۔

---

(۱)...... علامہ زیلعی اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ غریب ہے۔درایہ میں اس کے بارے میں لکھا ہے۔اس سند کے ساتھ اس کی کوئی اصل نہیں۔ (نصب الرایة: ۳۱۸/۴) (۲) تکملة الفتح: ۱۸۷/۸، تبیین الحقائق: ۶۰/۶، اللباب مع الکتاب: ۲۲۲/۳ وما بعدھا۔ (۳) القوانین الفقھیة ص ۱۷۸ وما بعدھا۔ (۴) مغنی المحتاج: ۲۷۸/۴۔ ۲۸۲، المھذب: ۲۵۵/۱۔ ۲۵۷۔

ہاتھ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً شکار کو ہاتھ سے پکڑ لے یہ ملکیت کا سبب ہوتا ہے اگر چہ مالک بننے کا قصد نہ کیا ہو۔ البتہ اس میں ضروری ہے کہ اس شکار پر کسی کی ملکیت کی علامت نہ ہو جیسے شکار رنگا ہوا ہونا۔ اس کے پر کٹے یا کترے ہوئے ہونا۔ اسی طرح شکاری بھی محرم یا مرتد نہ ہو۔ اگر شکاری نے شکار کو دیکھنے کے لئے پکڑا تو اس کا مالک ہو جائے گا اس لئے کہ وہ مباح ہے۔ لہٰذا دوسرے مباحات کی طرح ہاتھ رکھنے سے ہی مالک ہو جائے گا۔

اسی طرح شکار کرنے سے بھی شکار کا مالک بن جاتا ہے۔ مثلاً کوئی مہلک زخم لگانے سے یا اس کا بازو توڑ دینے سے تاکہ وہ اڑنے اور بھاگنے کے قابل نہ رہ سکے۔ اسی طرح اگر اس نے کوئی جال نصب کیا ہوا تھا اس میں کوئی شکار پھنس گیا تو اس کا بھی مالک بن جائے گا۔ چاہے وہ موقع پر موجود ہو یا نہ ہو۔ اور اس نے جال کی طرف دھتکارا ہو یا نہ ہو اور جال مباح ہو یا غصب کیا ہوا ہو۔ اس لئے کہ وہ اس سے قابض سمجھا جاتا ہے۔ ان سب صورتوں میں ہاتھ رکھے بغیر مالک بن جائے گا۔

اسی طرح اگر اس نے شکار کو کسی تنگ جگہ جانے پر مجبور کر دیا کہ اب وہ بھاگ نہیں سکتا تو بھی مالک ہو جائے گا۔ جیسے کسی گھر وغیرہ میں بند کر دیا۔ چاہے وہ گھر غصب کا ہی کیوں نہ ہو۔ وجہ یہ ہے کہ شکار اس کے قابو میں آ گیا ہے۔

شکار کا ارادہ ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی نے شکار دیکھا اور اسے پتھر سمجھا یا شکار کے علاوہ کوئی اور حیوان سمجھا اور اسے تیر مار کر قتل کر دیا تو اس کو کھانا جائز ہوگا اور وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ اس لئے کہ اس نے ارادی فعل سے قتل کیا ہے۔ وہ حقیقت سے لاعلم تھا۔ اور اس مسئلے میں لاعلمی سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر اس نے اپنے ملک میں شکار کا قصد کیا۔ اور کیچڑ وغیرہ میں پھنس جانے کی وجہ سے اس پر قدرت حاصل ہوئی۔ تو صحیح یہ ہے کہ مالک نہیں بنے گا۔ اس لئے کہ ایسی چیزوں سے شکار نہیں کیا جاتا۔ اور مالک بننے کے لئے قصد ضروری ہے۔ البتہ اس سے دوسروں سے زیادہ حق دار بن جائے گا۔

اگر ایک بار مالک بن گیا تو چھوٹ جانے کے بعد بھی مالک رہے گا۔ اگر کسی کو مل جائے تو واپس کرنا ضروری ہوگا۔ اور صحیح یہ ہے کہ مالک کے اس کی طرف بھیجنے سے بھی ملکیت ختم نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اس سے ہاتھ اٹھا لینا ملکیت ختم ہو جانے کا تقاضا نہیں کرتا۔ جیسے اگر اس نے اپنا جانور کھلا چھوڑ دیا تو دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو جانتے ہوئے بھی شکار کر ڈالے۔

مشترکہ شکار...... اگر دو آدمیوں نے یکے بعد دیگرے شکار کو زخمی کیا اگر شکار کو دوسرے نے قتل کیا ہو یا قابل رسائی بنا دیا ہو نہ کہ پہلے نے، تو شکار دوسرے کا ہوگا۔ اس لئے کہ اس کو اسی کے زخم نے قابل پہنچ بنایا ہے۔ اور پہلے پر زخمی کرنے کی وجہ سے تاوان وغیرہ کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس وقت شکار مباح تھا۔

اگر پہلے نے اسے قابل رسائی بنایا اور اس کے ساتھ دوسرے کا فعل بھی مل گیا کہ اس نے حلق اور نرخرہ کاٹ دیا تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔ اس لئے کہ موت ذبح کرنے والے کے فعل سے واقع ہوئی ہے۔ البتہ ذبح کی وجہ سے شکار میں جو کمی ہوئی ہے اس کا تاوان ذبح کرنے والے پر لازم ہوگا۔ اور اگر دوسرے نے حلق اور نرخرہ کاٹے بغیر قتل کیا یا بالکل قتل ہی نہیں کیا بلکہ وہ دونوں زخموں کی وجہ سے مر گیا تو وہ حرام ہوگا۔ اس لئے کہ پہلی صورت میں شکار پر قدرت حاصل ہو گئی تھی۔ اور جس پر قدرت حاصل ہو وہ ذبح اختیاری کے بغیر حلال نہیں ہوتا۔ اور دوسری صورت میں مبیح اور محرم جمع ہو گئے ہیں۔ اس لئے محرم غالب رہے گا۔ اور دوسرا پہلے کو تاوان دے گا اس لئے کہ اس نے اس کی ملکیت فاسد کر دی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حنفیہ نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اس مسئلے میں اور آنے والے مسائل میں حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

اگر دونوں نے ایک ساتھ زخمی کیا اور ان دونوں کے زخموں سے شکار مر گیا یا قابل پہنچ ہو گیا تو شکار دونوں کا ہوگا۔ اس لئے کہ دونوں اپنی اپنی زخموں کی وجہ سے ملکیت کے سبب میں شریک ہو چکے ہیں۔

اگر دونوں میں سے ایک نے دوسرے کے بغیر شکار کو قابل پہنچ بنا دیا یا قتل کر دیا تو شکار اسی کا ہوگا اس لئے کہ ملکیت کے سبب میں وہ اکیلا ہے۔ اور اگر پتہ نہ چلا کہ شکار کو کسی ایک نے قتل کیا ہے یا دونوں نے تو یہ شکار دونوں کا ہوگا۔ اس لئے کہ وجہ ترجیح کوئی نہیں۔ اگر ایک نے ذبح کی جگہ کے علاوہ کسی جگہ سے زخمی کر کے قتل کیا اور دوسرے نے قابل پہنچ بنایا۔ اور پہلے کا پتہ نہ چلا تو شکار حرام ہوگا۔ اس لئے کہ ممنوع اور مباح جمع ہو گئے ہیں۔ اس لئے ممنوع کو ترجیح دی جائے گی۔

حنابلہ۔۔۔۔۔۔ ❶ حنابلہ کا مسلک بھی شافعیہ کی طرح ہے کہ شکار کے ارادے سے شکار کرنے یا اس کو پکڑنے سے آدمی اس کا مالک بن جاتا ہے۔ اگر اس نے کسی کے گھر میں لگے درخت پر بیٹھے پرندے پر تیر چلایا۔ جس سے وہ پرندہ ان کے گھر میں گر گیا۔ تو وہ تیر انداز کا ہوگا۔ اس لئے کہ وہ پرندے کو قابل پہنچ بنا کر اس کا مالک بن گیا ہے۔

اگر کسی نے شکار کے لئے خیمہ، جال یا پھندا لگایا۔ اس میں شکار پھنس گیا تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ اس لئے کہ یہ اس کے قبضے میں آ گیا ہے۔ اسی طرح اگر وہ شکار کو ایسی تنگ جگہ لے آیا کہ جس سے بھاگ نہ سکے۔ یا اس نے اپنے گھر میں بند کر دیا تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ اگر چہ اس نے مالک بننے کا قصد نہ کیا ہو۔ اس لئے کہ یہ اس کے قبضے میں آ گیا ہے۔

اگر کسی نے مچھلیاں شکار کرنے کے لئے حوض بنایا تو جو مچھلیاں اس میں آئیں گی وہ ان کا مالک بن جائے گا۔ جیسے جال سے کیا گیا شکار۔ اگر اس نے حوض سے مچھلیوں کے شکار کا ارادہ نہیں کیا تو وہ آنے والی مچھلیوں کا مالک نہیں بنے گا۔ اگر کوئی کشتی میں تھا۔ ایک مچھلی نے چھلانگ لگائی اور اس کی گود میں آ گری تو یہ اسی کی ہوگی۔ کشتی والے کی نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ مچھلی مباح شکار ہے۔ پہل کرنے والا اس کا مالک بن جاتا ہے۔ شکاری جو شکار کے قرب و جوار میں شکار کے اسباب استعمال کرتا ہے جیسے روشنی، گھنٹی وغیرہ تو وہ اس سے اس کا مالک بن جاتا ہے۔ اگر اس نے اپنے فعل سے شکار کا قصد نہ کیا ہو اور اس کے ساتھ والے سوار کی گود میں مچھلی گر جائے تو وہ اسی کی ہوگی۔ اس لئے کہ اس نے مباح چیز پر قبضہ کیا ہے۔ اگر مچھلی کشتی میں گری تو کشتی والے کی ہوگی۔

اگر کسی کے جال میں شکار پھنس گیا۔ اور اس کا قبضہ اس پر ثابت ہو گیا پھر کسی نے اور نے اس کو پکڑ لیا تو جال کے مالک کو واپس لوٹانا لازم ہے۔ اس لئے کہ اس نے اپنے آلے کے ذریعے سے اس کو اپنا لیا ہے۔ اور اگر جال اسے نہ روک سکا اور وہ اسی وقت چھوٹ گیا یا اس نے جال پھاڑ دیا اور اس سے نکل گیا چاہے کچھ وقت بعد کیوں نہ ہو۔ تو جال والا مالک نہیں بنے گا۔ اس لئے کہ وہ اس پر قبضہ نہیں کر سکا۔ اگر کوئی دوسرا اس کو شکار کرے گا تو مالک بن جائے گا۔ اگر شکار جال کو ساتھ لے کر بھاگ گیا اور کسی نے اسے شکار کر لیا اس کے نا قابل پہنچ ہوتے ہوتے تو دوسرا شکاری اس کا مالک ہو جائے گا۔ جال مالک کو واپس کرنا ہوگا۔ اس لئے کہ پہلا شکاری شکار کا مالک تھا۔ اگر جانور جال کو ساتھ لے گیا اور وہ امتناع پر قادر نہیں تھا تو وہ مالک کا ہی ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے اسے قابل پہنچ بنا دیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے مالک بننے کے بعد شکار چھوٹ گیا ہو۔

نوٹ۔۔۔۔۔قدیم ترتیب میں مؤلف نے اس کے بعد النظریات الفقہیہ کی تین قسمیں ذکر کی تھیں بعد ازاں جدید ترتیب میں ان ابحاث کو یہاں سے نکال کر آخری جلد میں نظریات کی تمام ابحاث کو یکجا کر دیا گیا ، لہٰذا ہم نے بھی جدید ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے نظریات کی تمام ابحاث کو جلد نمبر ۱۱ میں یکجا کر دیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہیں۔

•

---

❶ کشاف القناع: ۶/ ۲۲۳ وما بعدها، المغنی ۸/ ۵۵۹۔ ۵۶۴۔

خواتین کے

کتاب			مصنف
تحفہ زوجین			حضرت تھانویؒ
بہشتی زیور	اردو	انگریزی	〃
اصلاح خواتین			〃
اسلامی شادی			〃
پردہ اور حقوق زوجین			〃
اسلام کا نظام عفت و عصمت	〃	〃	مفتی ظفیر الدین
حیلۂ ناجزہ یعنی عورتوں کا حق تنسیخ نکاح			حضرت تھانویؒ
خواتین کے لئے شرعی احکام	〃	〃	اہلیہ ظریف تھانوی
سیر الصحابیات مع اسوۂ صحابیات	〃	〃	سید سلیمان ندوی
چھ گناہ گار عورتیں	〃	〃	مفتی عبدالرؤف صاحب
خواتین کا حج	〃	〃	〃
خواتین کا طریقہ نماز	〃	〃	〃
ازواج مطہرات			ڈاکٹر حقانی میاں
ازواج الانبیاء			احمد خلیل جمعہ
ازواج صحابہ کرام			عبدالعزیز شناوی
پیارے نبیؐ کی پیاری صاحبزادیاں			ڈاکٹر حقانی میاں
نیک بیبیاں			حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ
جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین			احمد خلیل جمعہ
دور نبوت کی برگزیدہ خواتین			〃
دور تابعین کی نامور خواتین			〃
تحفہ خواتین	〃	〃	مولانا عاشق الٰہی بلند شہری
مسلم خواتین کے لئے بیس سبق	〃	〃	〃
زبان کی حفاظت			〃
شرعی پردہ			〃
میاں بیوی کے حقوق	〃	〃	مفتی عبدالغنی صاحب
مسلمان بیوی			مولانا ادریس صاحب
خواتین کی اسلامی زندگی کے سائنسی حقائق			حکیم طارق محمود
خواتین اسلام کا مثالی کردار			نذیر محمد مکتبی
خواتین کی دلچسپ معلومات و نصائح			قاسم عاشور
امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں خواتین کی ذمہ داریاں			نذیر محمد مکتبی
قصص الانبیاء	مستند ترین	〃	امام ابن کثیرؒ
اعمال قرآنی	عملیات و وظائف	〃	مولانا اشرف علی تھانویؒ
آئینہ عملیات			صوفی عزیز الرحمٰن
اسلامی وظائف	قرآن وحدیث سے ماخوذ وظائف کا مجموعہ		

فہرست کتب مفت طلب فرمائیے!!

ملنے کا پتہ: دارالاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی فون: ۲۶۳۱۸۶۱

سیرۃ اور سوانح پر دارالاشاعت کراچی کی مطبوعہ مستند کتب

کتاب	تعارف	مصنف
سیرۃ حلبیہ اردو اعلیٰ ۶ جلد (کمپیوٹر)	سیرۃ النبیؐ پر نہایت مفصل و مستند تصنیف	امام برہان الدین حلبیؒ
سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۷ حصص در ۲ جلد	اپنے موضوع پر ایک شاندار علمی تصنیف مستشرقین کے جوابات کے ہمراہ	علامہ شبلی نعمانیؒ / سید سلیمان ندویؒ
رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ۳ حصے یکجا (کمپیوٹر)	عشق میں سرشار ہو کر لکھی جانے والی مستند کتاب	قاضی محمد سلیمان منصور پوری
محسن انسانیت اور انسانی حقوق	خطبہ حجۃ الوداع سے استشہاد اور مستشرقین کے اعتراضات کے جواب	ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی	دعوت و تبلیغ سے سرشار حضورؐ کی سیاست اور عملی تعلیم	ڈاکٹر محمد حمید اللہ
شمائل ترمذی	حضور اقدسؐ کے شمائل و عادات مبارکہ کی تفصیل پر مستند کتاب	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
عہد نبوت کی برگزیدہ خواتین	اس عہد کی برگزیدہ خواتین کے حالات و کارناموں پر مشتمل	احمد خلیل جمعہ
دور تابعین کی نامور خواتین	تابعین کے دور کی خواتین ״ ״ ״ ״	״ ״ ״
جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین	اُن خواتین کا تذکرہ جنہوں نے حضورؐ کی زبان مبارک سے خوشخبری پائی	״ ״ ״
ازواج مطہرات	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مستند مجموعہ	ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری
ازواج الانبیاء	انبیاء علیہم السلام کی ازواج کے حالات پر پہلی کتاب	احمد خلیل جمعہ
ازواج صحابہ کرام	صحابہ کرامؓ کی ازواج کے حالات و کارنامے۔	عبدالعزیز الشناوی
اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	ہر شعبۂ زندگی میں آنحضرتؐ کا اسوۂ حسنہ آسان زبان میں۔	ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ
اسوۂ صحابہ ۲ جلد کامل یکجا	حضور اکرمؐ سے تعلیم یافتہ حضرات صحابہ کرام کا اسوہ۔	شاہ معین الدین ندوی
اسوۂ صحابیات مع سیر الصحابیات	صحابیات کے حالات اور اسوہ پر ایک شاندار علمی کتاب۔	״ ״ ״
حیاۃ الصحابہ ۳ جلد کامل	صحابہ کرام کی زندگی کے مستند حالات۔ مطالعہ کے لئے راہ نما کتاب	مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ
طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات طب پر مبنی کتاب	امام ابن قیمؒ
الفاروق	حضرت عمر فاروقؓ کے حالات اور کارناموں پر محققانہ کتاب	علامہ شبلی نعمانی
حضرت عثمان ذوالنورین	حضرت عثمانؓ ״ ״ ״ ״ ״ ״ ״ ״ ״	معراج الحق عثمانی

اسلامی تاریخ پر چند جدید کتب

کتاب	تعارف	مصنف
طبقات ابن سعد	اسلامی تاریخ کا مستند و بنیادی ماخذ	علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد البصری
تاریخ ابن خلدون	مع مقدمہ	علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون
تاریخ ابن کثیر	اردو ترجمہ النہایۃ البدایۃ	حافظ عمادالدین ابوالفدا اسماعیل ابن کثیر
تاریخ اسلام		مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی
تاریخ ملت	تاریخ قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملت اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ	جناب قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، جناب مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی
تاریخ طبری	اردو ترجمہ تاریخ الامم والملوک	علامہ ابی جعفر محمد بن جریر طبری
سیر الصحابہؓ	انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات	اخراج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم

دارالاشاعت — اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی ۱، پاکستان ۲۶۳۱۸۶۱-۰۲۱ — مستند اسلامی و علمی کتب کا مرکز